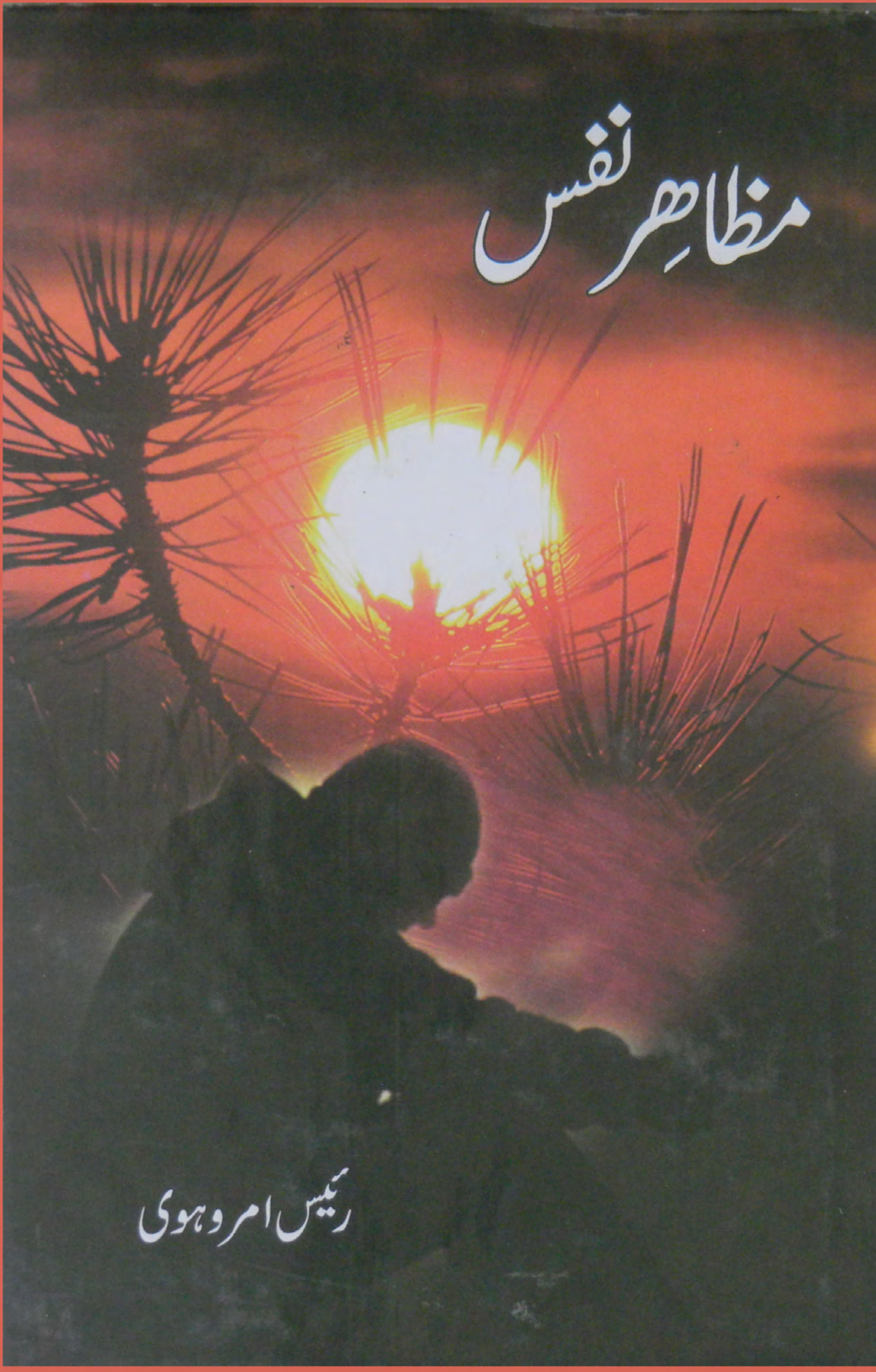

مظاہرِ نفس
رئیس امروہوی

مظاہر نفس

حصہ اول۔ دوئم (مکمل)

رئیس امروہوی

ویلکم بُک پورٹ

اردو بازار کراچی، پاکستان

اشاعت : 2014ء

اہتمام : قمر زیدی

کمپوزنگ : دانشور گرافکس

قیمت : -/400 روپے

ناشر

ویلکم بک پورٹ

مین اردو بازار کراچی۔ پاکستان

فون : 021-32639581-32633151

فیکس : 021-32638086

ای میل : welbooks@hotmail.com

wbp@welbooks.com

ویب : www.welbooks.com

فہرست

ایک پُراسرار نام

وہی وہانوی ایک پراسرار نام ہے سنا ہے کہ یہ نام کانا پھوسیوں اور سرگوشیوں میں لیا جاتا ہے۔ مجھے بھی بہت سے حضرات وہی وہانوی کے عرف سے خط لکھتے ہیں۔ان خطوط کو نقل کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔تاہم ان تحریروں کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔انسان کی ہر حرکت (وہ لفظ کی صورت میں ہو یا جنبش اعضا کی شکل میں) نفسیاتی نقطہ نظر سے خاص مفہوم رکھتی ہے' نفسیاتی مریض جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں (خواہ وہ کتنی ہی احتیاط برتیں اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کی کتنی ہی کوشش کریں) ان سے مریض کا ذہن جھلکتا ہے۔اسی ہفتے کسی ''وہی وہانوی'' کا خط موصول ہوا ہے اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ذہن کی نا پختگی کے سبب جنسی انحراف کس قدر شدید اور اس کے نتائج کس درجہ نا قابل یقین ہو جاتے ہیں' میری کتابیں لڑکے بھی پڑھتے ہیں اور لڑکیاں بھی۔اس خط کو ان صفحات پر نقل کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔خود میری حیاداری' میرا قلم اور میری تکلف پسندی (مصنوعی ہی سہی) میری زبان کو پکڑے ہوئے ہے۔

ایب نارمل:

میں نے جنس کے موضوع پر دو کتابیں لکھی ہیں (جنسیات حصہ اول اور جنسیات حصہ دوم) اور جنس کے موضوع پر تیسری کتاب زیر ترتیب ہے۔ان کتابوں کا موضوع بحث یہ ہے کہ جنسی عمل میں کوئی چیز ایب نارمل نہیں ہوتی ، بجز زنا کاری! زنا کاری کو بھی میں نے ایب نارمل اس لئے کہا ہے کہ اگر ہمارے معاشرے کا کوئی شخص چار نکاحوں کے باوجود بھی یہ اقدام کرتا ہے (یعنی زنا) تو میں اس شخص کو ایب نارمل ضرور کہوں گا، اگر آپ وافر غذا گھر میں موجود ہوتے ہوئے دوسرے کی روٹی چراتے ہیں تو ہمیں حق ہے کہ ہم آپ کی صحت دماغ پر شبہ کریں۔بلاشبہ اسلام نے مسلمان کو عقد و نکاح (متعہ اور نکاح شرع سمیت اور اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھئے کہ لونڈیوں سے تمتع کی بھی اجازت ہے) کی جنسی آسانیاں اور سہولتیں دی ہیں ،اگر کسی مسلمان معاشرے میں ان

رعاتیوں اور رخصتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو حرام کاری اور عصمت آزاری کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس اسلامی معاشرے میں وہ شخص یقیناً ایب نارمل کہلائے گا جو جنس کے قوانین کو توڑتا ہے۔

اس کا علاج کیا ہے؟ کیا سکوں بخش اور خواب آور گولیاں؟ نہیں کسی دوا سے انسانی کردار کو مستقلاً تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ صرف تعلیم و تربیت (مسلسل تعلیم و تربیت۔۔۔ ازسرنو آموزش) سے ہم ایک انسان کو معاشرے کا مفید رکن بنا سکتے ہیں۔ یہ صاحبزادے مجھ سے سلسلہ خط و کتابت جاری رکھیں۔ میں ان کیلئے مشقیں بھی تجویز کردوں گا اور بار بار مناسب مشورے بھی دیتا رہوں گا۔ جذباتی الجھنیں اور کردار کی خامیاں ایک آدھ چٹکلے سے رفع نہیں ہوسکتیں۔ ہم اور آپ آہستہ آہستہ ہی اپنے کو بدل سکتے ہیں۔ بہر حال مایوسی کا کوئی سبب نہیں۔

خاص خوف:

دردوغم کے اس طوفانی دور میں خدا کی ذات کے بعد مجھے آپ کا بھروسہ اور آپ پر بھروسہ ہے۔ میری عمر چوبیس سال کی ہے اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ بچپن میں رات کو صحن میں نکلتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ سب لوگ لعنت ملامت کرتے تھے۔ مگر میں مجبور تھی۔ ڈر پر غالب آنا میرے امکان سے باہر تھا۔ اس قدر خوف زدہ تھی کہ رات کو پیشاب لگتا تھا تو بستر سے نہ اُٹھ سکتی تھی۔ پیشاب روکنے سے ایک نئی لذت کا احساس ہوا اور اس طرح خود لذتی میں مبتلا ہوگئی۔ ہوش آنے پر پتہ چلا کہ خود لذتی گناہ ہے۔ سو میں نے اس گناہ کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اب تک میں خوف زدہ ہوں۔ یہ ہے ن ی (پشاور) کے خط کا ابتدائی حصہ اس کے بعد انہوں نے شادی کے بارے میں ایک خاص خوف کا اظہار کیا ہے۔ میں ن ی کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کے شیشہ دوشیزگی میں بال تک نہیں پڑا۔ وہ آج بھی اسی طرح اچھوتی ہیں جس طرح تین سال کی عمر میں تھیں ''خون'' کوئی مسئلہ نہیں، ن ی قطعاً پریشان نہ ہوا۔

منفی ذہانت

مولانا کوثر نیازی نے مرکزی حکومت کے سامنے پاکستانی ڈائجسٹوں کی اصلاح حال کیلئے کچھ

تجاویز اور سفارشیں پیش کی ہیں۔ان تجویزوں اور منصوبوں اور سفارشوں کی حقیقی نوعیت کیا ہے؟ مجھے نہیں معلوم! البتہ یہ الزام بار بار لگایا جا تا رہا ہے کہ بالعموم پاکستان میں چھپنے والے ڈائجسٹ ''فحشیات'' کی تبلغ کرتے ہیں۔یعنی ان کا مقصد اشاعت وہی ہے جو پراسرار وہی دہانوی کی خلوت میں پڑھی جانے والی کتابوں کا! مولانا کوثر نیازی اس سلسلے میں جو کوششیں کررہے ہیں۔ان کا شکریہ نہ ادا کرنا ناانصافی ہے۔لیکن ہر شخص ''نکتہ شناس'' نہیں ہوتا بہت سے حضرات ''فحشیات'' اور ''جنسیات'' کے درمیان حدفاصل کھینچنے سے قاصر رہتے ہیں۔

جنس کا علم:

جنس کا علم ''نفسیات' کی طرح ایک سائنس اور ایک فن ہے' اور اس کی تعلیم اتنی ہی ضروری ہے جتنی نفسیات یا معاشیات کی۔جنسیات کا فن انسان کے جنسی کردار اور ان جذباتی پیچیدگیوں سے بحث کرتا ہے جو بر بنائے جہالت پیدا ہو جاتی ہیں۔ہر عہد میں ''جنس'' کے علم کو پراسرار سمجھا گیا ہے۔قبل از تہذیب کے بہت سے قبیلوں نے ''جنس'' اور ''اعضائے جنس'' کا رشتہ جادو اور مذہب سے جوڑ دیا ہے۔تخلیق کا جوہر کہیں بھی رونما ہو، بہر حال اس کی حیثیت پراسرار اور خارق العادت ہوا کرتی ہے۔جنسیات کے فن پر میں نے اپنی تصانیف میں بحث کی ہے۔جہاں تک ''فحشیات'' کا تعلق ہے۔خواہ اس کا اظہار الفاظ کے ذریعے ہو یا اشارات کے ذریعے' تصاویر کے ذریعے یا نقوش کے ذریعے تو یہ ایک تخریب کارانہ منفی رجحان ہے اور اس کی روک تھام بہر حال ضروری ہے۔البتہ یہ تمیز و تشخیص کہ فحش کیا چیز ہے اور کیا نہیں ہے۔ہر آدمی پر نہیں چھوڑی جاسکتی۔صرف ایک پختہ شعور آدمی ہی اس کا اندازہ کرتا ہے کہ ''جنسیات'' کا سائنسی بیان کہاں ختم ہوتا ہے اور ''فحشیات'' یعنی گالم گلوچ'' کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے۔میں اُردو ڈائجسٹوں کا باقاعدہ قاری نہیں۔پاکستانی ڈائجسٹوں کو اپنی مدافعت آپ کرنی چاہئے۔اگر واقعی وہ ننگی تصاویر اور شہوت انگیز داستانوں کے ذریعے اپنی فروخت بڑھانا چاہتے ہیں تو قانون کی گلوٹین سے ان کا سر قلم کر دینا چاہئے۔

رخنہ گر ملک سرافگندہ بہ

نثر و نظم

اے والہانہ احترام کے قابل بزرگ رئیس جی! بچپن سے آج تک دکھوں کی دلدل میں لتھڑا رہا ہوں۔ آج تک کسی کو اپنے حال سے آگاہ نہیں کیا۔ یہ دکھ میرے اپنے ہی تو تھے۔ میں یہ متاع گراں بہا کسی کو نہیں دے سکتا۔ پے بہ پے حادثات زیست نے تہ در تہ شکستوں سے دو چار کیا اور میں تلخی ایام کا ست کھینچتا رہا۔ میں نے کبھی شکست تسلیم نہیں کی۔ سب کچھ سہتا، کچھ نہ کہتا، امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے باوجود میں اپنے خول میں سمٹا رہا۔ ایک دن یوں ہی میں نے چاند سے بات چیت شروع کر دی۔ یکا یک میری زبان سے حسب ذیل شعر جاری ہو گئے:۔

چاندنی کی گود میں جب سو چکی ہو کائنات
چپکے چپکے میرے سینے سے نکل جاتا ہے دل
ٹیس اٹھتی ہے مگر لب پر فغاں آتی نہیں
ضبط غم کے شعلہ سوزاں سے جل جاتا ہے دل
اپنے غم کی خلوتوں میں خوش سدا رہتا ہے یہ
اور بزم یار میں آ کر دہل جاتا ہے یہ
میں نہیں سمجھا ہوں اس کی بے قراری کا سبب
چاند کچھ تو ہی بتا کیونکر سنبھل جاتا ہے دل

چاند کا جواب:

غم کے شعلوں میں کوئی جلوہ کہیں مستور ہے
اس لئے اس آگ میں جلنا منظور ہے
ہے چراغ زندگی اس کے لئے سینے کا داغ

یہ کلیم درد کا ننھا سا گویا طور ہے

دل سے استفسار:

مجھ کو بھی آ گاہ کر اس راز پنہاں سے ذرا
اے مرے دل کیوں دھڑکتا ہے مرے سینے میں تو
مضطرب ہو نا ،تڑ پنا ،بند ہونا ، پھڑ کنا
(یہ مصرع وزن سے خارج ہے)
اس تری دھڑکن میں ہے پوشیدہ کس کی آرزو

جواب دل:

میں دھڑکتا ہو تر ے سینے میں تو زندہ رہے
کا ش تیری زندگی سے آ رزو زندہ رہے
نغمہ زن ہے میری دھڑکن سے ترا سازحیات
مجھ کو یوں تار نفس کی آ برو زندہ رہے

(مصرح مہمل ہے)

پھر دل نے مجھ سے سوال کیا کہ
زندگی کیا ہے؟
میں نے جواب دیا

زندگی ساز شکستہ کا تر نم خیز غم !
زندگی ہے حادثوں کی نغمگی کا زیر و بم!
زندگی ٹوٹے ہوئے دل کی صدائے بازگشت
زندگی بیوہ جوانی کے تبسم کا الم

رئیس جی ! میں کوئی با قاعدہ شاعر نہیں اور نہ اس شعر وشاعری کا مقصد آپ سے داد وتحسین

حاصل کرتا ہے۔ میں تو آپ کو اپنی ذہنی کشمکش سے آگاہ کر رہا ہوں ممکن ہے غیر ارادی طور پر آپ سے داد کا طالب ہوں۔ مگر یہ شعر میری نظر میں ایسے نہیں کہ ان میں تخیل کی رفعتیں مضمر ہوں' یہ بے ربطہ سے الفاظ ہیں جو خود بخود منہ سے نکل رہے ہیں۔ میں نے اپنی طبیعت کے خلاف مارچ 1974ء میں آپ کو ایک طویل خط لکھا۔ جواب سے محروم رہا، اور اس محرومی نے مجھ سے خود اعتمادی چھین لی۔ بہر حال اب میں نے نئے انداز سے خط لکھا ہے۔ ممکن ہے آپ کی توجہ جذب کر سکے۔ اگر اس خط سے آپ (میرے حال دل کو سمجھ سکیں) تو رہنمائی فرمادیں۔ اگر راستے میں بے یار و مددگار چھوڑنا ہے تو صاف صاف بتلا دیں۔ میں آپ کی صاف گوئی کو چوم چوم لوں گا۔ بہت دن ہوئے کہ میں نے اپنے ہی کسی شعر سے متاثر ہو کر (اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہا اظہار حقیقت ہے) اپنی ذات کے خول کو توڑ دیا تھا اور کائنات کی گہما گہمی میں ڈوب گیا تھا، اپنے سارے غم بھلا دیئے۔ دوسروں کے غم کو اپنا لیا۔ معاشرتی زندگی کے مناظر زندگی کو لبریز اضطراب کر دیتے ہیں۔ محترم آپ بھی ہنستے ہوں گے کہ یہ کیسا چوں چوں کا مربہ ہے۔ آپ ہنستے رہیں۔ جھنجھلاتے رہیں مگر میری بے چینی' جھلاہٹ' ذہنی ناآسودگی' جذباتی ناپختگی' حافظے کی کمزوری' قوت ارادی اور خود اعتمادی کے فقدان کیلئے ضرور کچھ تجویز کریں۔ میں ماں باپ کی محبت سے محروم رہا ہوں۔ محبت کا بھوکا ہوں' خلوص کا پیاسا ہوں۔ مجھ میں کسی معاشرتی، اخلاقی یا قانونی جرم کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ (ظ۔ الف)

شاعرانہ حساسیت:

ظ۔ الف کے طویل شاعرانہ خط کا ضروری اقتباس نثر و نظم میں نے پیش کر دیا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ رئیس جی! جذبوں کی زبان نہیں ہوتی مگر میں چاہتا ہوں کہ ہر جذبے کو قوت گفتار عطا کر دوں۔ ایسی کہانیاں تخلیق کروں' اداکاری کے ایسے جوہر دکھاؤں کہ معاشرے کی غلط رسوم اور گمراہ کن روش ختم ہو جائے۔ ظ۔ الف حساس ہیں اور شاعرانہ مزاج رکھتے ہیں۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ ہر نفسیاتی مریض شاعر ہوا کرتا ہے۔ ڈراما ساز ہوا کرتا ہے، اداکار ہوا کرتا ہے۔ اس معاملے

میں ظ۔الف ہی تنہا نہیں، ہر حساس قلب کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ظ۔الف کا یہ خط ''خودنویسی'' کا بہترین نمونہ ہے۔نفسیاتی مریضوں کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ ظ۔الف کی طرح خودنویسی کیا کریں ۔یعنی:

جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

اگر میں ظ۔الف کو یہ مشورہ دوں کہ وہ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت کی مشقیں کرلیں تو ایک رسمی اور عام مشورہ ہوگا۔ پھر بھی اگر وہ مشق تنفس نور کرلیں اور خودنویسی جاری رکھیں تو سبحان اللہ ان کی شاعرانہ طبیعت میں نکھار پیدا ہوجائے گا ان میں نئی خوداعتمادی کی قوت اُبھرے گی۔آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ مجھے ظ۔الف کے جتنے خطوط ملے ہوں گے (شرط یہ ہے کہ پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ ساتھ ہو) میں نے سب کا جواب دیا ہوگا۔اور میں کسی خط کا جواب نہ دوں یہ کس طرح ممکن ہے۔

منفی ذہانت:

ہر چیز کی طرح ذہانت کے بھی دو رُخ ہوا کرتے ہیں (1) مثبت یا تعمیری ذہانت (2) منفی یا تخریبی ذہانت! نفسیاتی مریض شعور کی صلاحیت اور ذہانت کی استعداد سے محروم نہیں ہوتے۔ہوتا صرف یہ ہے کہ تربیت کی خامی اور آموزش کی خرابی کے سبب ان کا شعور پختہ نہیں ہو پاتا اور ان کی ذہانت بکھر ہو کر رہ جاتی ہے خاص خاص کیسوں سے قطع نظر عام نفسیاتی مریضوں کو از سر نو تعلیم و تربیت کے ذریعے صحت مند اور حقیقت پسند بنایا جاسکتا ہے۔ظ الف میں اب بھی اتنی استعداد موجود ہے کہ رفتہ رفتہ وہ اپنی اصلاح نفس پر قادر ہو سکتے ہیں۔انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کی تربیت میں کیا نقص رہ گیا ہے؟ وہ خود محسوس کریں گے کہ ان کی سوچ میں مبالغہ پسندی پیدا ہوگئی ہے۔انہوں نے اپنی ذہنی ناآسودگی، جذباتی ناپختگی اور قوت ارادی اور خوداعتمادی کے فقدان کا اعتراف کیا ہے سوال یہ ہے کہ جب وہ اپنی کمزوریوں کی نشاندہی کرسکتے ہیں تو ان کی اصلاح پر قادر نہیں ہوا کرتا۔وہ محسوس کرتا ہے کہ میں بے سبب ڈر رہا ہوں۔لیکن ''ڈر'' پر غالب آنا اس کے امکان سے باہر ہے' یہ عذر کسی حد تک صحیح ہے لیکن ان میں سو فیصد صحت و صداقت نہیں ہے۔ظ۔

الف مجھ سے برابر رابطہ قائم رکھیں۔نفسیاتی مریض کے ذہن میں منفی اور فاسد جذبات تہہ در تہہ جمع ہو جایا کرتے ہیں' ان کے نکاس کا ایک ذریعہ شعر گوئی، موسیقی، مجسمہ تراشی اور تصویر سازی بھی ہے۔ جب انسانی نفس کا ہیجان حد سے گزرنے لگتا ہے تو گاہے گاہے اس کا اظہار نغمے یا نوحے کے روپ میں ہوا کرتا ہے۔ظ۔الف شاعری جاری رکھیں۔اگر ان کا شعر وزن اور بحر کی قید سے آزاد اور فنی روایات کے معیار سے ہٹا ہوا ہے۔تب بھی کوئی ہرج نہیں مقصد اظہار کمال نہیں بیان حال ہے۔

طائر پد بند:

(ایک لڑکی جس کو فرضی نام سے یاد کرنا بھی خالی از خطر نہیں) اپنی سادہ لوحی سے اپنے ہی جال میں پھنس گئی ہے۔ایک شخص

''الف'' اس کے ذہن پر چھا گیا ہے (خود اس لڑکی کے الفاظ میں اس نے میری خود ارادی کے بت کو چکنا چور کر دیا ہے۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے جال میں پھنس گئی) اور اب یہ بے چاری ''طاہر پر بند'' کی طرح جال میں پھڑک رہی ہے۔الف شادی شدہ ہے اور بچوں کا باپ ہے! ان تمام حقیقتوں کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود یہ غریب ''الف'' کو قبول کرنے پر تیار ہے اس جذباتی ڈرامے کا ایک کردار، اس لڑکی کا منہ بولا بھائی ہے۔جس کے بے شمار احسانات ہیں۔ ''الف'' اور منہ بولے بھائی کے درمیان رقابت چل رہی ہے۔اس پراگندہ حواس لڑکی نے مشورہ طلب کیا ہے کہ میں کیا کروں؟ اس کیا کروں کا جواب ایک لفظ یعنی ''ہاں'' یا ''نہیں'' میں دینا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب بھی اس رائے پر قائم ہوں کہ ایسے جذباتی ماحول میں جو شادیاں کی جاتی ہیں وہ بالعموم کامیاب نہیں ہوا کرتیں۔یہ لڑکی اپنی زندگی سے جُوا کھیل رہی ہے۔اس جذباتی قمار بازی میں دونوں امکان موجود ہیں (1) ہار بھی (2) جیت بھی۔ہوسکتا ہے کہ الف سے عقد ثانی ناکام ہو جائے۔(70 فیصد امکان یہی ہے) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چاہنے والوں کو شادی راس آ جائے۔غیب کا علم اللہ کو ہے۔اے لڑکی! مجھے نہ تمہارے

خاندانی پس منظر کا علم ہے نہ ماحول کی پیچیدگیوں کا! اگر تم بالکل مجبور اور ماؤف ہوگئی ہو (تمہارے خط سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے) تو الف کی پیشکش قبول کرلو۔ اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے؟ کیا کیا جا سکتا ہے۔

صورت یہ ہے کہ:

کیوں کر اب اس نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اس پہ یہ تاکید کر پینا ہوگا

مرض شباب:

میں جنس اور فحش کی بحث میں عرض کر چکا ہوں جنسیات کا مقصد انسان کے جنسی کردار کا سائنسی اور علمی مطالعہ ہے اور فحشیات کہتے ہیں لغو گوئی اور شہوت انگیزی کو' جہاں تک جنسی امراض کا تعلق ہے تو وہ اکثر و بیشتر وہمی اور قیاسی ہوا کرتے ہیں۔

ہم اعصابی کمزوری اور ضعف جسمانی کو (جس کے بے شمار اسباب ہوا کرتے ہیں) خواہ مخواہ جنسی بیماری سمجھ کر خوف زدہ ہوجایا کرتے ہیں۔ روزانہ میری ڈاک میں دس بیس خط وہمی نوجوانوں کے ہوتے ہیں۔ سب کا مضمون ایک ہوتا ہے وہی مرض شباب وہی اپنے جسم سے حظ اندوزی کا مشغلہ اور وہی وہم کہ "میں ختم ہو چکا ہوں"

م۔ش لکھتے ہیں:۔

مجھ سے چھوٹے تین بھائی (جن کی عمریں 13,15 اور 16 سال کی ہیں) بھی اس منحوس بیماری میں مبتلا ہیں۔ یعنی اپنے اپنے جسموں سے کھیل کر تباہ ہو رہے ہیں۔ اس عادت کو ترک کرنے کے صدہا وعدے کرتے ہیں' پھر مکر جاتے ہیں۔ ڈرتے ڈرتے والدین سے ان کی اس بدعادتی کا ذکر کیا گیا مگر بے سود! ادھر چھوٹے بھائی کی حالت بہت غیر ہو چکی ہے ہر وقت لڑنے مرنے پر آمادہ رہتا ہے۔ ماں باپ سے بدتمیزی کرتا ہے۔ وہ بھی اسی بیماری میں مبتلا ہے وغیرہ وغیرہ م۔ش کی جذباتی الجھنیں میرے علم میں ہیں لیکن انہیں اس قدر بے صبر اور جلد باز نہیں ہونا چاہئے۔ یہ

سب عارضی شوق اور وقتی عادتیں ہیں۔ لڑکوں میں جوں جوں حقیقت پسندی کی صلاحیت بیدار ہوتی چلی جاتی ہے وہ اس عادت پر غالب آتے چلے جاتے ہیں۔

جنس اور جنسیات

ش۔م رقمطراز ہیں کہ:

آپ نے ''جنسی موضوعات'' پر جو سلسلہ بیان شروع کیا ہے وہ تمام کہانیوں سے زیادہ سبق آموز، حیرت انگیز اور دلچسپ ہے۔ تعلیم کہتے ہیں اپنے آپ کو سمجھنا ہم عصر افراد کی نفسیات کا مطالعہ کرنا۔ ان کی جذباتی الجھنوں کی تہہ تک پہنچنا۔ اس کے علاوہ تعلیم کیا ہے؟ جو لوگ جنسی موضوعات پر گفتگو پسند نہیں کرتے۔ اسے ایک گھٹیا، جذبات انگیز اور فحش مضمون سمجھتے ہیں درحقیقت وہ اس موضوع کی اہمیت سے واقف نہیں ان کی حالت اس کبوتر کی سی ہے جو بلی کو روبرو دیکھ کر آنکھیں موند لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بلی غائب ہوگئی۔ یہ طرز فکر غلط ہے۔ ایک حقیقت پسند انسان کو جنس اور جنسیات کا مطالعہ گہری نظر سے دلیری کے ساتھ کرنا چاہئے۔ آپ نے صحیح لکھا ہے کہ 99 فیصد جنسی اُلجھنیں (یعنی شہوانی انحراف اور کج روی) کا سبب غلط اور گمراہ کن تصورات ہوا کرتے ہیں۔ ان گمراہ کن تصورات کی اصلاح ضروری ہے۔

(از لاہور گلبرک)

دو بھائی اور میں:

میں نے دنیا کے تمام رشتوں کو ٹھکرا کر اور رشتہ داروں سے دھوکا کھا کر آپ کی طرف رجوع کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ماں، باپ، بہن، بھائی سب دھوکا دے سکتے ہیں۔ آپ دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں اس طبیعت کی مالک ہوں کہ کسی کی ذرا سی نوازش پر جان قربان کر سکتی ہوں میری سوتیلی ماں کے دو بھائی مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ آج کل میری وجہ سے ان دونوں میں رقابت کی جنگ بے حد شدید ہوگئی۔ چھوٹے بھائی نے صاف کہہ دیا ہے کہ میں شادی کر

وں گا تو اسی سے (اس کا اشارہ میری طرف ہے) چھوٹے بھائی سے میرے معاملات اس قدر دور تک پہنچ چکے ہیں کہ اب بازگشت محال ہے۔ میں اس لڑکے کے علاوہ کسی اور کے قابل نہیں رہی۔ آپ کا مضمون نظر سے گزرا کہ "بخوشی دُلہن بنو" رئیس صاحب! کیا یہ اجازت میرے لے بھی ہے۔

(ج۔ع۔کراچی)

ہاں، ج۔ع بخوشی دلہن بنو۔ یقین کرو کہ تُ "بخوبی دلہن بنوگی" جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب تم صرف عقل سلیم کی بدولت اس معرکہ حیات میں کامیابی حاصل کر سکتی ہو، بے بنیاد وہم اور خیالی خوف انسانی روح کو ایک دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ ج۔ع کسی اندیشے کی ضرورت نہیں۔

محترم انکل:

محترم انکل لکھنے والی لڑکی نے اپنی دستان بہت جی لگا کر لکھی ہے۔ اس داستان کی ابتداء حسب معمول محبت سے ہوتی ہے، اس جرم محبت پر غریب کو بے شار سزائیں دی گئیں لیکن ---- "بڑھتا ہے اور ذوق گنہہ ہر سزا کے بعد" اس لڑکی کو یہ دکھ نہیں کہ اسے جرم محبت کی سزائیں دی گئیں۔ دکھ یہ ہے کہ جس کے سبب یہ مظالم سہے تھے اس نے دھوکا دیا۔ مزید قہر یہ کہ گھر والوں کو طرح طرح کے شبہات ہیں۔ یہ تو اس لڑکی کی اُلجھن ہے۔ لطف یہ ہے کہ ان کی سہیلی بھی مرض عشق میں عجیب طرح مبتلا ہوگئی ہے۔ 22 جون کو ریلوے اسٹیشن پر سندھ ایکسپریس کا انتظار کر رہی ہیں (محترم انکل لکھنے والی لڑکی کی سہیلی کہ

صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
ہوش اُڑنے لگے نگاہ کے ساتھ

اب سہیلی کا حال یہ ہے کہ ہر لمحہ اسی کے تصور میں غرق ہیں۔ اور اس قدر غرق تصور ہیں کہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی۔ یہ ہے سہیلی کا عالم شوق!

(زاویہ انجم)

آپ ہی انصاف کیجئے کہ ان حالات میں کیا مشورہ دیا جاسکتا ہے؟ عشق ایک ایسی ہی بیماری ہے جو ایک لمحۂ خاص پر شروع ہو کر ایک لمحۂ خاص پر ختم ہو جاتی ہے۔ عشق اور معیادی بخار ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ بخار میں جسم جلتا ہے اور عشق میں جان! لیکن ایک وقت آتا ہے کہ بخار اُتر جاتا ہے اور عشق کی شدت ختم ہو جاتی ہے۔ ابتداء میں یہ کیفیت ہوتی ہے کہ:۔

دل کو احساس کی شدت نے کہیں کا نہ رکھا
خود محبت کو محبت نے کہیں کا نہ رکھا

آخر میں یہ ہوتا ہے کہ:۔

آ گ تھے ابتدائے عشق میں ہم
ہوگئے راکھ انتہا یہ ہے

عشق یا میعادی بخار

مجھے شاعری سے پیار ہے اور عاشق مزاج واقع ہوا ہوں۔ میرے والد شہر کے معزز شخص ہیں۔ میرے دماغ میں ہمیشہ یہ خناس بھرا رہتا تھا کہ:

میں ہی میں ہوں تری دنیا میں کوئی اور نہیں

یہ اس زمانے کی بات ہے کہ میں ''ت'' سے واقف نہ تھا تاہم کیفیت یہ تھی کہ:۔

تمہاری جنسی شباہت کو ڈھونڈتا تھا دل
تمہاری شکل نہ دیکھی تھی جس زمانے میں

بہر حال ''ت'' کو دیکھ کر میں نے عادت کے مطابق اس پر بھی اپنی محبت کا بھرپور وار کیا۔ ابتداء میں اس نے مزاحمت کی اور آخر ہتھیار ڈال دیئے:۔

لائے اس بت کو التجا کرکے
کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

خدا کی قسم وہ پاکیزگی اور معصومیت کا مجسمہ ہے' وہ آسمانی دیوی ہے۔ وہ حور بہشت ہے۔ وہ ملکہ ملائکہ ہے (مکتوب نگار شاعرانہ مزاج کے واقع ہوئے ہیں) خلاصہ ان کے مسلے کا یہ ہے کہ یہ ''ت'' کو بھول جانا چاہتے ہیں (مکتوب نگار کا نام س سمجھ لیں)

یہ وہ مسئلہ ہے:۔

جس پر مَیں بار ہا لکھ چکا ہوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ عشق اور معیادی بخاری دونوں دائرے میں سفر کرتے ہیں۔ دائرے کا ایک سرا الف ہے اور دوسرا' الف سے ابتدائے عشق ہوتی ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اور 'ی' پر تمت۔ ابتدائے عشق میں بہت جوش و خروش ہوتا ہے:

''ہم کو آغاز محبت کا زمانہ یاد ہے''

یہ چکر کم سے کم تین سال میں مکمل ہوتا ہے۔ 'س' کو تین سال اور انتظار کرنا چاہئے اس زمانے میں جس قدر رو سکتے ہو رولو، جس قدر سینہ کوبی کر سکتے ہو کر لو، سعید میاں پھر یہ لمحے یاد آئیں گے۔

اللہ اللہ ابتدائے مہر والفت کے مزے
شربت وصلت کے ساغر زہر فرقت کے مزے

میں بھی عہد جوانی میں عشق کو بڑا سنگین مسئلہ سمجھا کرتا تھا متواتر تجربات کے بعد پتا چلا کہ یہ بھی ایک ''بازی طفلانہ دل'' ہے۔ 'س' بھی یہ کھیل کھیل لیں۔ آخر اُکتا جائیں گے۔

خود علاجی

جے اے (انجینئرنگ ورکس لمیٹڈ کراچی) اپنا علاج خود کرنا چاہتی ہیں (بقول ان کے نفسیاتی طریقے پر) بے شک خود علاجی ممکن ہے' بیمار خود اپنے امراض پر غالب آ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مثبت ترغیبات پر عامل ہو ترغیب کی دو قسمیں ہیں (1) منفی اور (2) مثبت! منفی ترغیب یہ کہ میں فلاں مرض سے قطعاً صحت مند نہیں ہوں گا اور مثبت ترغیب یہ کہ میں فلاں بیماری پر غالب آتا چلا جا رہا

ہوں۔ جے اے صحت یاب ہوسکتی ہیں اور یقیناً صحت یاب ہو سکتی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ صحت بخش طرز فکر پیدا کرنے کی کوشش کویں۔ کوشش کرنا پڑے گی' جے چاہئے نہ چاہے' مثبت ترغیب کو دہراتی رہیں' برابر دہراتی رہیں۔ برابر دہراتی رہیں۔ ترغیب دہی اور ترغیب پزیذی کا بہترین وقت وہ ہے جب نیند آنے لگے جوں ہی محسوس کریں کہ دماغ بوجھل اور حواس کند ہونے والے ہیں۔

یہ فقرہ دہرانا شروع کردیں۔

''میں روز بروز بہتر سے بہتر ہوتا چلا جارہا ہوں''۔

مکمل نفسیاتی کیس:

السلام علیکم' میں ایف اے سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں اور تین سال سے سخت ذہنی اُلجھنوں میں گرفتار ہوں' پہلے ہمارا ماحول بہت اچھا اور ہر آدمی ایک دوسرے سے بہ خلوص پیش آتا تھا، یہ اس زمانے کی بات ہے کہ میں گیارہ سال کی تھی۔ اب سترہ سال کی ہوں' جوں جوں بالغ ہوتی گئی۔ میرے اندر (بقول آپ کے) نئی قوتیں بیدار ہوتی چلی گئیں۔ میری عمر ساڑھے تیرہ برس کی تھی تو نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ جیسے میرے والد کا انتقال ہو جائے گا۔ میں جس وقت بھی اپنے والد کے چہرے پر نظر ڈالتی بے اختیار میرے ذہن میں یہی خیال پیدا ہوتا۔ اتفاق سے میری ایک سہیلی بھی امی کے متعلق اسی وہم میں مبتلا تھی۔ اسے بھی ہر وقت یہ خیال آتا کہ میری امی عنقریب مرجائیں گی' ایک دفعہ (22 اپریل 1971ء) جب وظیفہ فطری (menses) کا زمانہ تھا۔ میں بستر سے اُٹھ کر برآمدے کی طرف گئی سامنے دروازہ تھا، باہر کچھ لوگ گزر رہے تھے۔ میرا دماغ اس وقت بیماری یعنی وظیفہ فطری اور والد کی علالت کی طرف سے، بہت پریشان تھا۔ یکا یک ایسا لگا کہ باہر سڑک پر جتنے لوگ گزر رہے ہیں ان کے حلیے عجیب وغریب ہیں' وہ عجیب قسم کے خول اپنے چہروں پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ پھر مجھے انسان برے، بہت برے نظر آنے لگے، پھر نہ جانے کیا ہوا کہ مجھے انسان کے ہر عضو سے نفرت آنے لگی۔ ہر وقت یہ خیال ستاتا کہ یہ دنیا شیطان انسانوں سے بھری ہوئی ہے لوگوں کی آنکھیں، کان، ناک غرض ہر چیز اور انسان کا ہر حلیہ زہر لگنے

لگا۔ یہاں تک کہ دوسروں کا ہنسنا، بولنا چلنا، خوفناک لگتا، جیسے آدمی نہیں سینگ والے جانور ہیں، میرا جی نہیں چاہتا کہ آدمیوں کے درمیان رہوں' محلے میں جن لوگوں سے پیار کرتی تھی۔ اب ان لوگوں سے نفرت کرتی ہوں۔ ہر لمحہ دماغ کو اُلٹے پلٹے خیالات اُلٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں' جی چاہتا ہے کہ اپنے کو کسی گاڑی کے نیچے دبا دوں' جو بھاری چیز یا بلیڈ دیکھتی ہوں تو اندر سے ایک دم لہر اُٹھتی ہے کہ اس بھاری چیز کے نیچے خود کو کچلوا دوں یا اس بلیڈ سے اپنا گلا کاٹ لوں ہر وقت خود آزاری (اپنے کا نقصان پہنچانے) کی کوشش رہتی ہے جب بھی کوئی ٹھیک کام کروں تو یہ افسوس ہوتا ہے کہ یہ کام ٹھیک کیوں کیا۔ اندر کا پرزور تقاضا یہ ہے کہ ہر چیز کو توڑ پھوڑ ڈالوں۔ نفیس اور قیمتی اشیاء کو اُٹھا کر پھینک دوں۔ سوچتی ہوں، پتا نہیں میں کون ہوں، دم بھر کو بھی دماغ ان خیالات سے خالی نہیں رہتا۔ آخر یہ کس جرم کی سزا ہے۔ وہم یہ ہے کہ میری صورت تک بدل گئی۔ یہ وہ شکل نہیں جو چار سال پہلے تھی۔ کیا میں پاگل ہوگئی ہوں۔ یا پاگل ہوتی جارہی ہوں۔ برابر کھوئی کھوئی سی رہتی ہوں۔ ویسے مجھے لیکوریا (جریان) کا بھی مرض ہے۔ پیٹ سے گیس چڑھتی ہے تو دماغ تک پہنچتی ہے۔ ہائے چار سال پہلے میں کتنی خوش تھی (ایک بدنصیب لڑکی)

مگر کیوں؟

جس لڑکی نے اپنے کو بدنصیب لکھا ہے میں نے اس کے طویل خط کے اہم حصے نقل کردیئے ہیں۔ یہ واقعی ایک مکمل نفسیاتی کیس ہے۔ جب اس لڑکی نے عمر کے تیرہویں سال میں قدم رکھا تو اچانک اس کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ ابا جی مرجائیں گے۔ اس کی سہیلی اس وہم میں مبتلا ہوئی کہ امی مرجائیں گی! سوال یہ ہے کہ ابتدائے بلوغ میں ان دو لڑکیوں کے ذہن میں والدین کی موت کی خواہش کیوں پیدا ہوئی۔ یہ تقاضاً کسی نہ کسی طرح اس کے نفس کی تسکین کا سبب بنتا ہے۔ نفس کسی ایسے تقاضے کو دہرانا پسند نہیں کرتا جو اس کے لئے خلش اور اذیت کا سبب بن سکے۔ وہ کون سا جذبہ تھا، جس نے ان لڑکیوں کے ذہن میں ایسے خوفناک خیالات کو جنم دیا پھر جب وہ کامل بلوغ کے دور میں داخل ہوئیں یعنی وظیفہ فطری کا آغاز ہوا تو اسے یکایک انسانوں سے

نفرت ہوگئی۔ انسانی لاشعور بڑی خوبصورتی اور عیاری کے ساتھ اپنی حقیقی خواہشوں اور جبلی تقاضوں کی پردہ پوشی (کیموفلاج) کرلیا کرتا ہے۔ ان لڑکیوں کی وہ کون سے کمزوری تھی جو انہیں اس انتہا پر لے گئی وہ پورے سماج سے نفرت کرنے لگیں کیا۔ (فرائڈ کی نفسیات کے مطابق) یہ مادری و پدری کام پلکس'' کا کوئی کیس ہے عین ممکن ہے کہ یہی ہو ان کے ذہنوں میں گناہ کا کوئی سنپولیا رینگ رہا ہے جس سے ڈر کر وہ اپنے کو نقصان پہنچا کر ختم کر دینا چاہتی ہیں۔ ان لڑکیوں کا علاج نہ دوا سے ممکن ہے نہ دعا سے! یہ بدنصیب لڑکی خود اپنا علاج کرسکتی ہے اور وہ بھی ذاتی تحلیل نفسی کے ذریعے وہ اپنے اندر کی چھان بین خود کرے وہ خود اپنے کو ٹٹولے' وہ خود سے حسب ذیل سوالات حاصل کرنے کی کوشش کرے (1) باپ کی نسبت اس کے ذہن میں موت کا تصور کیوں پیدا ہوا؟ (یہ بڑا گہرا سوال ہے) دوسرا سوال یہ ہے کہ یکا یک عین اس وقت پر جب (menses) جاری ہوئے تھے اسے انسانوں سے بے ساختہ نفرت کیوں پیدا ہوگئی۔ کیا اس معاملے کی تہہ میں کوئی جنسی داعیہ اور شہوانی تقاضا کارفرما ہے۔ نفسیات کے ایسے گہرے دبے ہوئے جذباتی پیچاکوں (کام پلکسز) پر رسائی اور اخبارات کے کالم پر کھل کر بحث نہیں کی جاسکتی۔ کم سے کم پاکستان میں تو ایسا ہونا ممکن نہیں جس ملک میں جنسیات کو فحشیات قرار دے دیا جائے۔ وہاں تحریر و تقریر میں بڑی احتیاطیں ملحوظ رکھنا پڑتی ہیں۔

بہ رمز و شیوہ تو اں گفت راز خلوتیاں
سر سبو بکشا دندو در فرد بستند

یعنی خلوت والوں کے راز اشاروں اشاروں بیان کرنے چاہئیں۔

اے میری باغی بیٹی!

تمہیں شرجیل سے محبت ہے اور تم بچپن سے اس کی پرستش (تمہارے لفظوں میں عبادت) کرتی ہو؟ تم نے لکھا ہے کہ:

''ہماری چاہت اتنی گہری ہے کہ ہم نے برسوں ایک دوسرے کی روحوں پر حکومت کی ہے۔ ہم

ایک دوسرے کی نس نس میں سمائے ہوئے ہیں۔ پھر بھلا ہم دونوں کس طرح ایک دوسرے سے جدا ہو کر زندگی گزار سکیں گے۔ ہاں اپنے بارے میں ایک خاص بات عرض کر دوں یہ کہ کبھی کبھی میری زبان سے ایسے جملے نکل جاتے ہیں جو سو فیصد پورے ہو کر رہتے ہیں۔ میں پابندی سے تصورالٰہی میں غرق رہتی ہوں اراس تصور سے مجھ پر وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

یہ ہے میری باغی بیٹی کے خط کا خلاصہ!۔۔۔۔بی بی! مجھے نہیں معلوم کہ شرجیل تمہیں ملا یا نہیں' مل سکا یا نہیں۔البتہ خدا ہر لمحے تمہارے ساتھ ہے تم پابندی سے باضابطہ طور پر تصورالٰہی میں غرق رہتی ہو، غرق رہو شرجیل نہیں مل سکا خیر۔۔۔خدا تو مل گیا۔۔۔۔اگر اس موقع پر حالات سے گھبرا کر تصورالٰہی بھی ترک کر دو گی تو کہیں کی نہ رہو گی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

زیڈ۔ایف۔گاف (حاصل پور) نے بھی اسی قسم کی ایک داستان دہرائی ہے۔بارہا عرض کر چکا ہوں کہ عشق ومحبت کا جذبہ کوئی انوکھا حیران کن، پراسرار، نہ سمجھنے والا اور نہ سمجھایا جانے والا جذبہ نہیں ہے۔عشق اسی طرح ہماری کسی نہ کسی طرح جسمانی اور ذہنی ضرورت کو پورا کرتا ہے جس طرح بھوک میں پیٹ بھرنے کی خواہش اب اس سادہ آسان اور قدرتی اور طبعی بات کو ایک الف لیلائی کہانی بنا دینا اور بات سے بات اور نکتے سے نکتہ نکالنا محض ذہنی قوتوں کو ضائع کرنا ہے۔آپ ایک بات ہمیشہ کے لئے یاد رکھیں بچپن کا دور گزرنے کے بعد آدم وحوا کی محبت کے سلسلے میں خودکشی کے دعوے کرنا یا دھمکیاں دینا مضحکہ خیز ہے۔

چھ اُلجھنیں:

میں نے آپ کی کتابیں'

'نفسیات و مابعد النفسیات' اور ''لے سانس بھی آہستہ'' پڑھی ہیں۔ میں حسب ذیل نفسیاتی اُلجھنوں میں مبتلا ہوں۔(1) ذہن کند ہے (2) حافظہ خراب ہے (3) بات بات پر غصہ آجاتا ہے

(4) خود اعتمادی نہیں ہے (5) پیش قدمی بالکل نہیں کر سکتا (6) لوگ بہت جلد مجھ سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

(ض۔اسلام خاں کراچی) 90 فیصد نوجوان ان ہی یا ان سے ملتی جلتی اُلجھنوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔مگر یہ دور عارضی ہوتا ہے رفتہ رفتہ انسانی ذہن حقیقت پسندی کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ جس طرح گرمی کے موسم میں پسینہ آنا ضروری ہے۔اسی طرح عہد جوانی (عنفوان شباب) میں چند در چند ذہنی پیچیدگیوں سے دوچار ہونا لازمی ہے۔بے شک اس کا علاج نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی مشقیں ہیں۔یہ مشقیں میں اپنی نگرانی میں کراتا ہوں اور (S.C.T) کے طالب علم کی رہنمائی کرتا رہتا ہوں۔

کمتری کا احساس:

شاہد لکھتے ہیں کہ میرا قد تو اچھا خاصا ہے (پانچ فٹ نو انچ) لیکن جسم کافی کمزور ہے چہرہ خصوصاً گال بہت پچکے ہوئے ہیں۔کوئی ورزش ایسی بتائیے کہ میرا چہرہ بھی بھر جائے اور جسم بھی صحت مند ہو جائے ان وجوہ کے سبب میں احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

شاہد میاں احساس کمتری کا سبب جسم نہیں "ذہن" ہوا کرتا ہے آپ کا چہرہ پچکا ہوا نہیں ہے' ذہن پچکا ہوا ہے۔جسم کی کمزوری اور چہرے کا دبلا پن کردار پر صرف اس وقت اثر انداز ہوتا ہے جب کردار میں کوئی خاص موجود ہو۔آپ کا علاج بھی وہی ہے جو ض۔اسلام خاں کا ہے۔

نزلہ اور مشق:

سید غلام حسین (جناح کالونی) نے مشق تنفس نور سے غیر معمولی فوائد محسوس کئے۔لیکن ایک عجیب بات لکھتے ہیں کہ میں نے جب سے مشق تنفس نور شروع کی ہے۔نزلے اور زکام میں مبتلا ہوں غلام صاحب نزلے اور زکام کے اسباب کچھ اور ہوا کرتے ہیں سانس کی مشقوں سے تو پھیپڑے مضبوط ہوتے ہیں کمزور نہیں ہوا کرتے۔

لشکر ارواحِ خبیثہ

آج پہلی بار:

آج پہلی بار حالات سے مجبور ہو کر خط لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں کیا کروں؟ مجبور ہوں؟ بے بس ہوں کچھ ایسا جنون طاری ہے کہ اس کا مداوا اور علاج سمجھ میں نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ انجام کار میں دنیا والوں کیلئے ایک مصیبت عظمیٰ بن جاؤں۔ میرا تعلق خانوادہ سادات سے ہے۔ پڑھا لکھا ہوں۔ جوان اور قابل قبول شکل وصورت کا مالک ہوں۔ غیر شادی شدہ ہوں۔ میرے پاس وہ الفاظ موجود نہیں جن کے ذریعے اپنی کیفیت قلبی بیان کر سکوں۔ پھر بھی چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ جوڑ کر اپنی کہانی بیان کروں گا۔ میرا مقصد حیات صرف اتنا ہے کہ میں ''بدروح'' بن جاؤں۔ آپ اس فقرے پر چونک پڑیں گے اور یقین کر لیں گے کہ آپ کا واسطہ ایک سخت قسم کے خبطی سے پڑ گیا ہے۔ مگر بخدا میری آخری خواہش اور واحد مقصد حیات یہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ انسانوں سے قطع تعلق کر کے ''لشکر ارواح خبیثہ'' میں شامل ہو جاؤں۔ ان کی عادتیں اپنا لوں، خبیث روحوں سے ایسی دوستی کروں جو ہمیشہ قائم رہے۔ میں ارواح خبیثہ کی تلاش میں کہاں کہاں نہیں پھرا؟ رات کو دیر سے گھر لوٹتا ہوں ہمیشہ ایسا راستہ اختیار کرتا ہوں جو سنسان، ویران اور خطرناک ہو۔ میں قبرستانوں، مرگھٹوں اور سائیں سائیں کرتے ہوئے جنگلوں کا مسافر ہوں، ہر قدم پر یہ تمنا رہتی ہے کہ کسی بدروح (بھوت، جن، چڑیل اور آسیب) سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ مجھے ارواح خبیثہ نے کیوں نظر انداز کر رکھا ہے؟

رئیس صاحب! خدارا جواب دیجئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ میں اس انوکھی خواہش میں کیوں مبتلا ہوں۔ میں ارواح خبیثہ سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے ہر مصیبت مول لینے کو تیار ہوں، ارواح خبیثہ کے شوق میں پراسرار ڈائجسٹوں اور خوفناک کہانیوں کا مطالعہ کرتا ہوں مجھے آدم زاد اچھے نہیں لگتے۔ مجبوراً زندگی گزار رہا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ ایک ایک کو مار دوں اور ایک ایک کا خون پی

جاؤں۔ مجھے سب سے نفرت ہے۔ صرف بدروحوں سے محبت ہے۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے یہ خوفناک تمنا مجھے پاگل کئے ہوئے ہے۔ میں نے آپ کی کتاب جنسیات حصہ اول اور دوم پڑھی ہے اور آپ کے مضامین کا مستقل قاری ہوں۔ میں دنیا والوں کو دکھادوں گا کہ ''بدروح'' کس طرح بنا جاتا ہے اور ''بدروح'' کیسی خوفناک تباہی مچا سکتی ہے۔

رئیس صاحب! میں بہت خاموش طبیعت کا مالک ہوں۔ اور تنہائی پسند ہوں۔ میں ایسی دنیا میں رہنا چاہتا ہوں جہاں ویرانوں اور کھنڈروں کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔ ایک بات عرض کردوں یہ کہ بار بار میرا جی چاہتا ہے کہ کسی کا خون پی جاؤں، کسی جانور کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں تو طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ میں خون پینے اور کچا گوشت کھانے کی آرزو میں مرا جا رہا ہوں۔

خون اور کچا گوشت:

ذبح شدہ جانوروں کی گردن سے جب خون کے فوارے چھوٹتے ہیں تو بخدا مزہ آ جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس کی گردن میں دانت گاڑ دوں اور شر شر نکلنے والا خون غٹ غٹ کر کے پی جاؤں۔ بہت سی مرتبہ ذبح ہونے والے جانوروں کا خون پینے کی کوشش کی۔ مگر نہ جانے وہ کون سی طاقت ہے جس نے مجھے تکمیل آرزو سے باز رکھا۔ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ ممکن ہے آپ خیال کریں کہ پراسرار ڈائجسٹوں کو پڑھ پڑھ کر میں اس خبط میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بدروح کا جنون اس وقت سے ہے جب میں اچھے بڑے کی تمیز بھی نہ کر سکتا تھا۔ ازراہ کرم مجھے بدروح بنا دیجئے۔ میں اس بے کیف زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔

جنس اور تشدد:

کیسی عجیب وغریب خواہش ہے س۔ش۔ح کی وہ بدروح بننا چاہتے ہیں' کیوں؟۔۔۔۔یہ خواہش اور تمنا کیوں پیدا ہوئی پراسرار ڈائجسٹ پڑھ کر نہیں جب وہ کم سن تھے اور بڑے بھلے کی تمیز سے قاصر، اس وقت بھی ان کی تمنا یہی تھی کہ بدروح بن کر ویرانوں میں بھٹکتے پھریں۔ آخر یہ کیا،

نفسیاتی معمہ ہے؟ س۔ش۔ح کے کردار میں اس قدر اور اس درجہ بگاڑ کیوں پیدا ہو کہ وہ زندہ انسانوں سے متنفر ہو کر جنوں، دیوزادوں، بھوتوں، پریوں، چڑیلوں اور آسیبوں کے قبیلے میں شامل ہونے کی آرزو کرنے لگے؟ نفسیاتی طور پر اس انحراف کردار (یعنی سوچ کے بگاڑ) کا سبب یہ ہے کہ بہت بچپن میں (جب وہ خیر وشر کی تمیز سے بھی عاری تھے (ان کے ذہن میں کوئی جذباتی دھماکہ ہوا وہ شعور کی سطح پر نہ آسکا۔

ہو سکتا ہے۔۔۔(بلکہ یہی ہے) کہ ان کے نفس کی شہوانی قوت یکایک بیدار ہوگئی۔ اس قبل از وقت کی جنسی بیداری کو ان کا ذہن سمجھ نہ سکا اور کسی در پردہ محتسب نے جو ہر بچے اور بوڑھے کے اندر چھپا ہوتا ہے اور غیر سماجی تصورات (مثلاً جنسی خواہشات جو قبل از وقت کسی جذباتی حادثے کے سبب بیدار ہو جائیں اور جن کی معقولیت کو ثابت نہ کیا جاسکے) پر روک ٹوک کرتا رہتا ہے۔ اس جنسی بیداری کا رخ تشدد پسندی کی طرف موڑ دیا۔ اور س۔ش۔ح کے اندر خون پینے اور کچا گوشت چبانے کی عجیب وغریب خواہش پیدا ہوگئی۔ چڑیلیں اور جن بھوت مشہور ہے کہ لوگوں کا خون پی لیا کرتے ہیں۔۔۔ تشدد پسندی کے رجحان نے آخر کار ''بدروح'' بن جانے کی خواہش کو جنم دیا اور اس طرح یہ صاحب دنیا اور دنیا والوں سے کٹ کر رہ گئے یہ درحقیقت جنسی کردار کے انتہائی بگاڑ کا معاملہ ہے۔ اس قسم کے مریض دواؤں، گولیوں، انجکشنوں اور آپریشنوں کے ذریعے صحت مند نہیں ہو سکتے ضرورت ہے کہ ان کے نفس کی تمام گتھیوں کو سلجھایا اور تمام عقدوں کو حل کیا جائے۔

چند سوالات:

س۔ش۔ح حسب ذیل سوالات کے جوابات دیں:

1۔ ان کے والدین کا برتاؤ کیسا تھا؟

2۔ سات سال کی عمر تک وہ جنس کے بارے میں کیا کچھ جانتے تھے؟

3۔ اس وقت ان کے جنسی تصورات کیا ہیں؟

4۔خود س۔ ش۔ ح اپنی اس عجیب و غریب خواہش کی تاویل اور توجیہہ کیا کرتے اور کیا کر سکتے ہیں؟ ان کے مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ وہ خبطی ہیں نہ مجنوں اوہ اپنے کردار پر تنقید کی صلاحیت سے اب تک محروم نہیں ہوئے۔وہ آج بھی در پردہ اپنے تصورات سے خائف ہیں۔ انہیں اندیشہ ہے کہ وہ کہیں انسانوں کے لئے مصیبت عظمیٰ نہ بن جائیں۔یہ سب ذہنی صحت مندی کی علامتیں ہیں۔میں ابھی س۔ش۔ح کی طرف سے مایوس نہیں ہوں۔س۔ش۔ح اپنی خود تنقیدی اور خود احتسابی (اپنے ذہن کی کڑی جانچ پڑتال اور مسلسل چھان پھٹک) کی صلاحیت کو برابر استعمال کرتے رہیں میں نے ان سے جو سوالات کیے ہیں۔ان کے جواب تفصیل سے لکھیں ۔برابر مجھ سے مشورہ لیتے رہیں۔ہم انہیں ''بدروح'' نہیں۔۔۔نیک روح بنانا چاہتے ہیں۔وہ میری تمام تصانیف کا از سر نو مطالعہ کریں اور کسی نفسیاتی معجزے کی توقع نہ رکھیں۔غلط انداز فکر (مثلاً میں آدمی کی بجائے بھوت بن جاؤں) کی اصلاح ایک روز میں ممکن نہیں اپنے کو بدلنے کے لئے بڑا ریاض کرنا پڑتا ہے اس سلسلے میں نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی مشقیں خصوصاً مشق تنفس نور اور خود نویسی ان کے لئے غیر معمولی مفید ثابت ہوگی۔

سُلگ سُلگ کر:

میں نے نجی طور پر بی اے کا امتحان پاس کر لیا ہے اور پڑھانے کا مشغلہ ہے۔تربیت یافتہ معلّمہ 'باعصمت اور شریف والدین کی عزت کا بے انتہا لحاظ رکھتی ہوں۔ان کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاتی،صورت شکل بھی بری نہیں۔گھریلو قسم کی عورت ہوں۔گھر کی صفائی اور کڑھائی سے بخوبی واقف ہوں،نادان و بدتمیز نہیں،نہ فضول خرچ اور فیشن ایبل ہوں،اس کے باوجود عجیب بات ہے کہ مجھے کوئی پسند نہیں کرتا۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ہاں آیئے میں اپنی ایک خامی کی نشاندہی کردوں۔یہ کہ مجھ میں قوت گفتار بالکل نہیں ہے۔بول نہیں سکتی۔دوسروں کے سامنے زبان پر تالے پڑ جاتے ہیں۔کسی الزام کی تردید نہیں کر سکتی۔ذہن ایک دم خالی ہو جاتا ہے۔جیسے سر پر منوں بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں۔بے حد گھبرا جاتی ہوں۔اس طرح مجرم نہ ہو

تے ہوئے بھی مجرم بن جاتی ہوں شخصیت میں کشش بالکل نہیں ہے۔ میری خوبیاں دوسروں پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ عجیب بات ہے لوگ میرے حسن کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ میں کشش سے محروم ہوں۔ میں نے اپنی عمر کے 24 سال سخت محرومی کے عالم میں بسر کئے ہیں۔ بھائیوں نے میرے ساتھ شفقت آمیز برتاؤ نہیں کیا۔ بھابیوں کا سلوک بھی یہی ہے اور اسی قسم کا ہے۔ ماں نے پیار نہیں دیا۔ باپ کی شفقت سے محروم رہی۔ آج کل میری حالت یہ ہے کہ دماغ بالکل ماؤف ہوگیا ہے۔ یادداشت ختم ہوگئی ہے۔ آپ اپنی نظروں سے گرگئی ہوں۔ میں نے اپنی تمام محرومیوں کو عارضی سمجھ کر قبول کرلیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ ازدواجی زندگی میں میرا آئیڈیل مجھے مل جائے گا۔ لیکن آپ کو علم ہے کہ میرا شریک حیات کسے منتخب کیا گیا ہے۔ وہ مجھ سے عمر میں سولہ سال بڑا ہے اور اس میں کوئی خوبی ایسی نہیں جو مجھے اپیل کرسکے۔ مجھے اندھے کنویں میں دھکیلا جارہا ہے۔ خیر میں اس اندھے کنویں میں گر جاؤں گی۔ کود جاؤں گی، جہنم میں چھلانگ لگادوں گی' والدین کی عزت کے لئے جس طرح اب تک سُلگتی رہی ہوں، عمر بھر سُلگتی رہوں گی اور سلگ سلگ کر راکھ ہو جاؤں گی۔ رئیس صاحب مجھے تباہ ہونے سے بچالیں۔

(آپ کی بدنصیب بیٹی۔ دانش)

کہن سال شوہر:

دانش! تمہارے طویل خط کا نچوڑ میں نے چند سطور میں پیش کردیا ہے۔ تم شدید احساس محرومی کا شکار ہو، باپ نے شفقت نہ دی، ماں نے پیار نہیں کنجوسی کی، بھائیوں نے مناسب توجہ مبذول نہ کی، بھابیوں نے دل آزاری پر کمر باندھے رکھی۔ ایسے سنگین وشدید ماحول میں آدمی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ دانش! اگر تمہارا دم گھٹ رہا ہے تو میں تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ تم اس تصور کے سہارے جی رہی تھیں کہ ازدواجی زندگی ان تمام محرومیوں کی تلافی کردے گی۔ لیکن تمہیں اپنا شریک حیات پسند نہیں۔ تم چوبیس سال کی ہو، وہ چالیس سال کا۔ تم گریجویٹ ہو، وہ صرف میٹرک پاس ہے۔ بے شک یہ بڑے تکلیف دہ حالات ہیں لیکن تم نے اب بھی بردباری اور حقیقت شناسی کا ثبوت نہیں

دیا۔ اگر سلگ سلگ کر ازدواجی زندگی بسر کرنا پڑے تو اس کے لئے اپنے ذہن کو تیار کرلو۔ ابھی سے تم نے کیوں فرض کرلیا کہ ازدواجی زندگی ناکام رہے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنے کو نئے ماحول کے سانچے میں ڈھال لوگی۔ شوہر اگر عمر میں سولہ سال زیادہ ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے ہزاروں جوڑوں کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ کہن سال شوہر خردسال بیوی کے حق میں زیادہ شفیق، دلنواز اور مہربان ثابت ہوتا ہے۔۔۔ دانش! تم بخوشی اس رشتے پر تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں مکمل کامیابی کا یقین دلاتا ہوں۔ انشاء اللہ ازدواجی زندگی میں پچھلی زندگی کی محرومیوں کی تلافی ہو جائے گی۔

عاشق غیر صادق:

ش! تم جس لڑکے (ح) سے محبت کرتی ہو اس نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔ اب وہ شادی سے منکر ہے۔ اس نے تمہارے اعتماد سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ اب تم پوچھتی ہو کہ میں کیا کروں؟ وہ مجھ سے شادی کرے گا یا یوں ہی بہلاتا رہے گا؟ آہ' بی بی! اس سوال کا جواب تلخ اور دلخراش ہے۔ بعض آوارہ منش نوجوان ان ہی کھیلوں کے عادی ہوا کرتے ہیں۔ تم پتھر کو نچوڑ کر شہد نکالنا چاہتی ہو۔ اب اس عاشق غیر صادق سے کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔ تم نے دریافت کیا ہے کہ کیا میں اس لڑکے (ح) کے اعزا سے اس کی بدکرداری کا تذکرہ کردوں؟ نہیں' یہ جرأت بے فائدہ بلکہ بے قاعدہ بھی ہے۔

دوا یا دُعا:

ریاض الحسن نے سوال کیا ہے کہ آج کل عام طور پر ذہنی مریضوں کا علاج دوا (سکون اعصاب بہم پہنچانے والی گولیاں) کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ دُعا کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ برادرم! عرض یہ ہے کہ دوا شعور پر اثر انداز ہوتی ہے دعا لاشعور پر۔ میں دُعاؤں کے روحانی پہلوؤں پر گفتگو نہیں کرسکتا۔ یہ میرا منصب نہیں ہے۔ حلقہ ارباب دعا اور ہے اور قبیلہ علاج دوا اور! دعا کے

یہ معنی نہیں کہ دوا سے قطع نظر کرلیا جائے۔ ریاض الحسن نے یہ سوال کس مشکل کے پیش نظر کیا ہے۔ اس کی تفصیلات علم میں آنا ضروری ہیں۔

مصیبت عظمیٰ:

شوخی صاحب لکھتے ہیں کہ:

میری یادوں کا قافلہ ماضی کی ان حدوں سے آگے نہیں بڑھتا جہاں میری زندگی میں ۔۔۔ داخل ہوئی تھی۔ یہ آج سے سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔ اب میری عمر بائیس سال کی ہے' جناب والا! عجیب بات یہ ہے کہ مجھے تیرہ چودہ سال کی عمر کی کوئی بات یاد نہیں۔ البتہ آٹھ سال قبل ایک ایسا روحانی حادثہ پیش آیا کہ ذہن کے دریچے کھل گئے اور ماضی کے واقعات یاد آنے لگے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مصیبت عظمیٰ نے حافظے کے نہاں خانے میں طوفان مچا دیا اور مجھے بھولے بسرے واقعات یاد آنے لگے۔ سوال یہ ہے کہ ان سات آٹھ سال کے واقعات کیوں یاد نہیں آتے؟ ان سات آٹھ سال کے تلخ تصور نے میری روح میں ایسا زہر گھول دیا ہے' جس سے موت تو واقع نہیں ہوتی، البتہ زندگی موت سے زیادہ زہرناک اور کرب انگیز ہو جاتی ہے۔ یہ مرگ پے درپے کی حالت ہے۔ میں نے اپنے کو بھلانے کے لئے ''منشیات'' کا سہارا لیا ہے مگر یہ سہارا کب تک کام دے گا؟

خود فراموشی:

شوخی صاحب نے خود فراموشی کی جو کیفیت بیان کی ہے۔ یہ ذہن کے کسی گہرے اور بے پناہ جذباتی زخم کی نشاندہی کرتی ہے۔ انسانی ذہن کسی ایسی یاد کو تازہ ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ جس سے اسے تکلیف پہنچے۔ زندگی کا قانون ہی یہ ہے کہ وہ کانٹوں سے دامن بچا کر پھولوں سے لطف اندوز ہو۔ شوخی صاحب کو بچپن کے واقعات یاد نہیں رہے۔ لیکن ایک حادثے نے ان کے ذہن کو بیدار کر دیا۔ اور اب اس واقعے کی یاد اُن کے لئے سوہان روح بن گئی ہے۔ ایک

حادثے نے ان سے ان کا حافظہ چھین لیا تھا اور دوسرے حادثے نے حافظہ کو جھنجوڑ دیا۔ شوخی صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ زندگی کا وہ کون سا حادثہ تھا جس نے ان کی یادداشت کو تباہ کر دیا۔ یقیناً بچپن میں کوئی ایسا شدید صدمہ ضرور پہنچا ہوگا جس نے شوخی صاحب پر خود فراموشی طاری کر دی۔ انہیں میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ نصاب تعمیر شخصیت کی بعض مشقیں کر لیں۔ رفتہ رفتہ اس عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

دس ہزار لفظ:

جاوید گل (ایبٹ آباد) کا خط بہت طویل ہے لکھتے ہیں کہ ایک طرف میری محبت ہے اور دوسری طرف ضمیر کی خلش ۔۔۔ ایک طرف دوستی کا پاس اور دوسری طرف وہ اذیت جو میرے ہاتھوں میری محبوب ہستی کو پہنچی۔ یہ واقعہ پچھلے نومبر کا ہے۔ وہاں میری ملاقات ''ر'' سے ہوئی اور یہاں سے آدم وحوا کے اس ڈرامے کا آغاز ہوا۔ جو ازل سے کھیلا جا رہا ہے اور غالباً ابد تک کھیلا جاتا رہے گا۔ انہوں نے ''ر'' کے خط کا جواب چار سو دس سطروں یعنی تقریباً دس ہزار الفاظ میں لکھا۔ اب صورت یہ ہے کہ ''ر'' تو جاوید گل کا ساتھ دینے پر تیار ہے مگر اس کے گھر والے رکاوٹ کھڑی کر رہے ہیں۔ ان صاحبزادے کو ''ر'' سے بے حد پاکیزہ محبت ہے اور عالم یہ ہے کہ:

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

جاوید بھائی! میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ یہ حادثہ الم انگیز سب پر گزرتا ہے اور سب کی وہی کیفیت ہوتی ہے جس میں آج آپ مبتلا ہیں۔

دیار جاں سے سیل غم فقط اک بار گزرا تھا
مگر اس حادثے سے زندگی ہے سہم ناک ابتک

آپ مجھے اپنے حالات سے مطلع کرتے رہیں۔ اس مقام پر بجز دعا اور کوئی چارہ نہیں۔

کھوکھلی شخصیت:

ذہنی حالت یہ ہے کہ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ میں ایک نجی دوا ساز کمپنی میں سیلز مین کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ پچھلے چھ مہینے میں مستقل مزاجی سے محروم ہو چکا ہوں۔ کوئی کام وقت پر نہیں کر سکتا۔ کسی ارادے پر مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ ہر وقت دل بجھا سا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ شادی کو ڈیڑھ سال ہو گیا ہے۔ اولاد سے محروم ہوں۔ ذہن ہر وقت اُلجھا رہتا ہے۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ بعض مخفی امراض میں مبتلا ہوں۔ بہت کمزور اور دبلا پتلا ہو گیا ہوں۔

(صلاح الدین غازی)

غلط فہمی:

صلاح الدین غازی کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پچھلے چھ مہینے سے جذباتی اُلجھنوں میں مبتلا ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ چھ ماہ قبل وہ نفسیاتی طور پر صحت مند تھے صرف نصف سال سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ غازی صاحب ہوں یا کوئی اور بزرگ! جس طرح جسمانی امراض کے طویل اسباب خون رگ و پے اور ہڈیوں میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح جذباتی اُلجھنوں کا بھی گہرا واقعاتی پس منظر ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی آدمی یکا یک ذہنی الجھن میں مبتلا ہو جائے یا اچانک مستقل مزاجی سے محروم ہو جائے غازی صاحب کو اپنا محاسبہ خود کرنا چاہئے۔ یقیناً ان کا بچپن ناخوشگوار ماحول میں بسر ہوا ہے۔ وہ کمسنی میں ایسے جذباتی حادثوں سے دوچار ہو چکے ہیں جس نے ان کی شخصیت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا۔ وہ اسی کھوکھلی شخصیت کے ساتھ بچے سے جوان ہوئے پھر چھ مہینے قبل یکا یک کوئی ایسا فوری حادثہ پیش آیا جس نے انہیں مکمل نفسیاتی بیمار بنا دیا۔ یہ غلط فہمی عام بھی ہے۔ اور پریشان کن بھی کہ جذباتی اُلجھنیں یکا یک پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ غازی صاحب جب تک خود اپنی تحلیل نفسی (ذہن کی چھان بین) نہ کریں گے۔ ممکن نہیں کہ وہ اپنی

دماغی پریشانیوں کے اسباب کو سمجھ سکیں۔ ذاتی تحلیل نفسی کا طریقہ یہ ہے کہ کم سنی کے واقعات وحوادث پر یکے بعد دیگرے نظر ڈالی جائے۔ مثلاً حسب ذیل سوالات قائم کرکے ان کے جوابات حاصل کئے جائیں:

(الف) بچپن کے ان تمام حوادث کو یاد کرکے تحت الشعور سے شعور کی سطح پر لایا جائے جو تکلیف دہ اور پریشاں خاطری کا سبب تھے۔

(ب) والدین اور خاندانی بزرگوں کا سلوک کیا تھا؟

(ج) دوستوں اور ساتھیوں کا برتاؤ کیسا تھا؟

(د) بچپن سے اب تک جتنے جذباتی حادثے پیش آچکے ہیں۔ انہیں قلم بند کیا جائے۔

شادی وشادمانی:

یہ خط بہت عجلت میں لکھ رہا ہوں۔ میرے دوست کی شادی کو چھ یا سات دن گزرے ہیں لیکن شادی سے جو شادمانی نصیب ہونا چاہئے تھی۔ اس سے وہ محروم ہیں۔ وہ اپنا حال دل کسی کو نہیں بتاتے۔ اس زخم کو سینے میں چھپائے پھرتے ہیں ان کے متعلق گھر والے طرح طرح کی چہ میگوئیاں کررہے ہیں۔ دلہن کو تعلق صوبہ بلوچستان سے ہے۔ ان کا سندھ سے اندازہ کیجئے کہ جب دلہن اپنے میکے (ماں باپ کے گھر) جائے گی تو کیا کہے گی۔ ان دوست کی کتنی سبکی ہوگی۔ بہت اصرار کے بعد ان دوست نے بتایا کہ میں اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔ رئیس صاحب! ہمارے ان دوست نے بہت پاکبازی اور پارسائی کی زندگی بسر کی ہے' وہ کسی کج روی میں مبتلا نہیں ہوئے، میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس نے کبھی کسی طرف نگاہ بد نہیں ڈالی۔ نہ کسی فعل بد سے آشنا ہوا۔ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ شادی کے بعد وہ اس عذاب سے دوچار ہوں گے۔

(آپ کا ایک مداح)

☆☆☆☆☆☆☆

محروم دوست:

میرے ان مداح دوست نے اپنے محروم دوست کی جو کیفیت لکھی ہے وہ ہرگز تعجب انگیز نہیں' بیشک شادی سے قبل ان کے دوست نے کامل تنہائی اور تجرد کی زندگی بسر کی ہے ہم اسے پاکبازی اور پارسائی کی زندگی بھی کہہ سکتے ہیں۔ایسی زندگی بھی جذباتی اُلجھوں سے خالی نہیں ہوتی۔ غالبًا یہ صاحب ابتدا ہی سے صنف نازک سے گریزاں رہے ہیں۔ان کا گریز کسی اندرونی خوف یا غلط تصور پر مبنی تھا اور ہے۔شادی ایک قدرتی طبعی اور انسانی رشتہ ہے' قدرت کی نظر میں انسانی سماج کا کوئی رشتہ اس قدر اہم اور مقدس نہیں' جتنا اہم اور مقدس رشتہ ازدواج کا ہے ہمارے مداح دوست کے دوست نے شادی سے قبل' اندازہ یہ ہے کہ غیر قدرتی زندگی بسر کی ہے یعنی وہ اپنے جذبات کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ انہوں نے خود اپنے جذبات کو کچل کر اس قدر مسخ کر دیا کہ اب وہ خود ان کو سمجھنے سے معذور ہو گئے ہیں' ہمارے یہاں میاں بیوی کے رشتے کے بارے میں بہت سے گمراہ کن تصورات پھیلے ہوئے ہیں جب تک جنس کو سائنس کی حیثیت نہ دی جائے گی اور نوجوانوں کو یہ نہ بتایا جائے گا کہ ازدواجی زندگی کا مقصود اور مفہوم کیا ہے' اس وقت تک ممکن نہیں کہ وہ کامیاب ازدواجی زندگی بسر کر سکیں۔ میں اپنے دوست کے دوست کو مشورہ دوں گا کہ وہ تفصیل کے ساتھ اپنی نجی زندگی اور جذباتی کش مکش کی روداد لکھیں۔یہ صاحب صرف احساس کمتری کے مریض ہیں اور احساس کمتری کے سبب اپنی بیوی کے ساتھ مناسب معاملہ نہیں کر سکتے۔

عقد ثانی:

میری عمر اس وقت پینتیس سال کی ہے۔جسمانی، ذہنی اور جنسی طور پر صحت مند ہوں۔میں نے 1968ء میں شادی کی تھی۔اس وقت دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بحمد لللہ موجود ہے۔ بیوی ان پڑھ جاہل، جھگڑالو اور زبان دراز ہونے کے سبب طلاق حاصل کر چکی ہے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اب

بھی اس کی تحویل میں ہے اور ایک لڑکی میرے ساتھ ہے۔ ہماری رہائش ضلع ہزارہ کے دیہات میں ہے اور ہمارا طرز زندگی بھی دیہاتی ہے۔ میں نے بیوی کو 1972ء میں طلاق دی تھی۔ مطلقہ (طلاق یافتہ بیوی) کی پوری کوشش یہ ہے کہ وہ رجوع کرے (یعنی وہ مجھ سے دوبارہ شادی پر تیار ہے)اس سلسلے میں اس نے بے شمار حیلے بہانے تراشے ہیں مثلاً مقدمہ بازی، سماجی اور معاشرتی دباؤ! بہر حال اس نے عقد ثانی کے لئے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ رئیس صاحب! میں اللہ کے فضل سے مکمل مرد ہوں لیکن مجھے اب عورت کے نام سے چڑ ہوگئی ہے کسی دوسری عورت سے نکاح کی خواہش بھی ہوتی ہے تو اولاد کے مستقبل کا خیال ستانے لگتا ہے لیکن رئیس صاحب! میں کب تک غیر شادی شدہ (مجرد) زندگی بسر کرسکتا ہوں۔۔۔۔آپ کی رائے کیا ہے؟

تضحیک حیات:

برادرم! عقد ثانی کے سلسلے میں میری رائے یا مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس چیز کی اجازت شریعت، عقل اور عام سماجی قوانین نے دی ہے ہم اس سے باز رکھنے والے کون؟ آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ آپ زیادہ دن تک مجرو (محروم) زندگی بسر نہیں کرسکتے۔ یہ اندیشہ حق بجانب ہے ۔بہتر یہ ہے کہ دوسری شادی کرلیں۔ ہماری بہت سی جذباتی ناآسودگیوں کی وجہ یہ ہے کہ ہم خیالی اندیشوں سے ڈر کر ان رعایتوں سے بھی فائدہ نہیں اُٹھاتے جو انسانی معاشرے نے ہمیں دی ہیں ۔اگر ایک مرد کسی عورت سے نباہ نہیں کرسکتا تو عقل کا اقتضا یہ ہے کہ جہنمی زندگی بسر کرنے کے بجائے وہ اس عورت کو آزاد کرکے خود بھی آزادی حاصل کرلے۔ جہاں ہم آزادی گفتار کے معتقد ہیں وہاں آزادی کردار کے بھی خواہش مند ہیں۔ ناکام ازدواجی زندگی ذہن کے لئے تباہ کن ثابت ہوا کرتی ہے۔ معاشرے کے فساد کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم بزدلی یا موہوم خطروں کے سبب ناکامیاب شادی کی قباحتوں کو جوں کا توں قبول کرلیتے ہیں۔ یہ اپنے ساتھ بھی ظلم ہے اور اپنی شریک حیات کے ساتھ بھی جو بظاہر تو شریک حیات اور نزدیک حیات ہے مگر بباطن تضحیک حیات ہے۔

گہری سوچ:

گزارش یہ ہے کہ میری عمر 26 سال کی ہے۔ میں کسی سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا۔ گفتگو کے وقت زبان رک جاتی ہے۔ ذہن میں بہت کچھ ہوتا ہے مگر اپنے مافی الضمیر کو ادا نہیں کر سکتا۔ زبان رکنے لگتی ہے۔ رات بھر خواب دیکھتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ جونہی ذرا سی غنودگی طاری ہوئی اور واقعات کی ایک عجیب و غریب فلم نگاہوں کے سامنے چلنے لگی۔ صبح اُٹھنے پر سر بھاری بھاری سا رہتا ہے دن بھر دل و دماغ پر سستی طاری رہتی ہے۔ الگ تھلگ رہنے کی عادت ہے۔ سفر ہو یا حضر کسی گہری سوچ میں مبتلا رہتا ہوں۔ محسوس کرتا ہوں کہ میں نارمل آدمی نہیں ہوں۔ کوئی ایسی ترکیب بتائیے کہ میں نارمل انسان بن جاؤں۔

(م۔الف۔ فیریئر روڈ کراچی)

بندشِ ذہن:

م۔الف پر جو ذہنی جذباتی طاری ہے اسے بندشِ ذہن کہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان کے اندر بہت کچھ بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن وہ اس کے اظہار سے قاصر رہتا ہے؟ بہت سے تصورات جذبات او رتاثرات ایسے ہوتے ہیں جنھیں ہم یاد کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ ڈرتے ہیں۔ ان جذبات کو شعور کی سطح پر لانا ہمارے بس سے باہر ہوتا ہے۔ م۔الف کی کیفیت یہی ہے۔

(1) کسی سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتے۔

(2) مافی الضمیر کو ادا نہیں کر سکتے۔

(3) رات بھر خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

(4) صبح اُٹھتے ہیں تو دماغ بھاری بھاری سا رہتا ہے۔

(5) گہری سوچ میں مبتلا رہتے ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نفس کا لاوا اندر ہی اندر کھول رہا ہے۔ یہ جذباتی لاوا جب پھٹتا ہے

توانائی شخصیت کے پرخچے اُڑ جاتے ہیں۔م۔الف کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ مشق تنفس نور اور خود نویسی کریں۔صرف مشق تنفس نور اور خودنویسی کے ذریعے وہ ان اُلجھنوں پر غالب آ سکتے ہیں۔

جسم میں بجلی:

عبدالقیوم (ملتان شہر) رقمطراز ہیں کہ:

میں نے سانس کی مشق شروع کی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جسم میں بجلی سی دوڑ رہی ہے۔مشق تنفس نور کے سبب کافی دیر تک جسم سلگتا رہا۔نیم خوابی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور غنودگی میں دیکھتا کہ آسمان سے ایک چنگاری ٹوٹ کر گری اور میرے اندر سما گئی۔ایسا لگتا کہ میں انجانی آگ میں جل رہا ہوں اور جلنے کی یہ کیفیت بے حد لذید ہوتی تھی۔بے پناہ لذت تھی۔اس سوز دروں میں اس زمانے میں میری نیند بہت کم ہوگئی۔اللہ کا ذکر کرتا تو جسم میں آتش سیال دوڑ جاتی البتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتا تو ٹھنڈک کا احساس ہوتا۔اسی عالم میں ساری رات گزر جاتی۔کبھی کبھی مجھے اپنے کمرے کے باہر بھاری بوٹوں والے کسی شخص کے چلنے کی آواز آتی۔باہر نکل کر دیکھتا تو کوئی نظر نہ آتا۔پھر کمرے میں آ کر سو جاتا پھر وہی پراسرار آواز! یاالٰہی! یہ کیا معمہ ہے؟

ہمزاد کی تسخیر:

عبدالقیوم صاحب کے ان تجربات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مشق تنفس نور سے کیسی کیسی حیرت انگیز قوتیں بروئے کار آتی ہیں۔عبدالقیوم نے سانس کی یہ مشق تسخیر ہمزاد کے شوق میں شروع کی تھی۔ہمزاد کی تسخیر کا معاملہ بھی بہت عجیب ہے۔افراد اس شوق فضول میں مبتلا ہوتے ہیں اور نتیجہ صفر۔۔۔مجھے تو کوئی تسخیر ہمزاد کا عامل ملا نہیں۔البتہ لوگوں کو بہت سے ادھورے تجربات ہوئے ہیں۔میں نے اپنی شبیہ کو خود اپنے مقابل پایا ہے صرف چند سکینڈ کے لئے! حقیقت یہ ہے کہ تسخیر ہمزاد کا عمل (جس میں استادوں نے ''یالطیف'' دہرانے کی

ہدایت کی ہے) اس عہد میں کسی کے بس کی بات نہیں ۔اس سلسلے میں جو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں وہ پاپڑ کون بیل سکتا ہے۔

نفی واثبات:

منصور صاحب (ڈیرہ اسماعیل خاں) کا بیان سنیئے:

السلام علیکم! سانس کی مشق تو کر رہا ہوں مگر لاشعوری مزاحمت پہلے سے شدید تر ہوگئی ہے۔اسی زمانے میں ایک روز استاد بشیر شاہ سے ملاقات ہوئی ۔میں نے بتایا کہ میں رئیس صاحب کی ہدایت پر سانس کی مشقیں کر رہا ہوں ۔انہوں نے کہا کہ میں رئیس امروہوی کو اچھی طرح جانتا ہوں اوران کے مضامین کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں مگر یہ مشق تمہارے لئے مفید نہیں ۔رئیس صاحب نے تمہاری ذہنی حالت کے پیش نظر (نفسیاتی صحت مندی) یہ مشق تجویز کی ہے۔لیکن انہیں تمہاری جسمانی حالت کا علم نہیں' چونکہ تم جسمانی طور پر کمزور ہو،اس لئے یہ مشق ترک کردو، پھر انہوں نے نفی واثبات (ذکر) کی دو تسبیحیں پڑھنے کی ہدایت کی۔اب جناب والا! میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا میں واقعی سانس کی مشق شروع کردوں؟

تازہ ہوا کا ذخیرہ:

منصور صاحب! واقعی مجھے آپ کی جسمانی حالت کا علم نہیں لیکن سانس کی مشق کا تو جسمانی حالت پر عمدہ اثر پڑتا ہے۔جسم کی توانائی آکسیجن کے ذریعے فراہم ہوتی ہے۔آپ جس قدر آکسیجن (تازہ ہوا) کا ذخیرہ اپنے اندر جمع کرلیں گے۔اتنا ہی مفید ہے۔یہ تو ایک عام اصول ہوا لیکن بعض خاص معاملات بھی ہوتے ہیں۔مثلاً ایک شخص تپ دق (T.B) میں مبتلا ہے اس کے لئے یقیناً سانس کی مشق مفید نہیں ہوگی۔بے شک پھیپھڑے اور سینے کے امراض میں یہ مشق مفید نہیں مضر ثابت ہوگی۔منصور صاحب اپنی جسمانی حالت سے مطلع فرمائیں تو کوئی مشورہ دوں ۔بہرحال فی الوقت سانس کی مشق ترک کردیں۔

حملہ قلب:

میں ہر وقت حملہ قلب (ہارٹ اٹیک) کے خوف میں مبتلا رہتا ہوں۔ یہ خوف حال ہی میں شروع ہوا۔ میرے افسر اعلیٰ 23 اکتوبر کو اچھے خاصے دفتر میں تشریف لائے اور لنچ کے وقفے تک کام کرتے رہے۔ ایک بجے کے قریب اُن پر حملہ قلب (ہارٹ اٹیک) ہوا اور چند سیکنڈ میں چٹ پٹ ہو گئے۔ اسی وقت سے ہر لمحے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ مجھ پر دل کا دورہ پڑے گا اور انہیں مرحوم کی طرح جاں بحق تسلیم ہو جاؤں گا۔

واضح رہے کہ جب میری عمر تین چار سال کی تھی تو والد مرحوم پر بھی دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ جانبر نہ ہو سکے تھے۔ رئیس صاحب! میں اس خوف سے کس طرح نجات پاؤں؟

(انیس الحسن۔ کراچی)

جذباتی حادثہ:

انیس الحسن صاحب! جب آپ بہت بچے تھے تو آپ کے والد مرحوم کا انتقال دل کے دورے سے ہو گیا تھا۔ بس اسی وقت سے یہ جذباتی حادثہ آپ کے نفس سے چپک کر رہ گیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ حال ہی میں اس خوف میں مبتلا ہوئے ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ خوف اسی وقت سے آپ کے ذہن میں پیوست ہو گیا تھا۔ نفسیاتی امراض میں ہوتا یہ ہے کہ وہ ایک زہریلے بیج کی طرح نفس کی سرزمین میں جاگزین ہو جاتے ہیں اور یہ زہرناک بیج اندر ہی اندر پرورش پاتا رہتا ہے تاانیکہ کوئی فوری سبب پیدا ہوتا ہے اور اندر ہی اندر دباؤ فاسد جذبہ (مثلاً خوف) لاشعور سے اُچھل کر شعور میں آ جاتا ہے۔ انیس صاحب کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا وہ بہت بچپن سے دل کے دورے (حملہ قلب۔ ہارٹ اٹیک) کے خوف میں مبتلا تھے لیکن یہ خوف لاشوری تھا ---۔ قاعدہ یہ ہے کہ آخر کار فاسد جذبہ لاشعور سے اُچھل کر شعور کی سطح پر آ جاتا ہے مگر اس کے لئے کسی فوری محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔ انیس الحسن کے اس خوف کو بروئے کار لانے کے لئے

افسر اعلیٰ کی خوفناک موت فوری محرک ثابت ہوئی۔ انیس الحسن کا علاج خود تنویمی کے ذریعے ممکن ہے۔ وہ اس سلسلے میں برابر مجھ سے رابطہ قائم رکھیں۔ خود تنویمی اور خود ترغیبی کوئی مشکل عمل نہیں ہے۔ بہت سہل سادہ اور موثر عمل ہے۔

وہی لشکر ارواح خبیثہ

میرے عریضے کا جواب ملا۔ بہت بہت شکریہ! جناب عالی میری کوشش یہی رہے گی کہ آپ سے برابر رابطہ رکھوں۔ چند سوالات ہیں۔ آپ نے پوچھا ہے کہ اگر میرا کسی بدروح سے ٹکراؤ ہوجائے تو اس وقت میرا ردعمل کیا ہوگا؟ (2) اگر بدروح سے میرا ٹکراؤ ہوجائے تو پھر دنیا والوں کے ساتھ میرا برتاؤ کیسا رہے گا؟ (3) بدروح کے مذکر یا مونث ہونے کی شکل میں میں کیا کروں گا؟ (4) میں روح خبیثہ بننے کے لئے کیا قربانی دے سکتا ہوں؟ (س۔ ش۔ ح)

عفریت عظیم:

برادرم! آپ کے سوالات بھی پڑھے اور آپ نے میرے سوالات کے جو تفصیلی جوابات دیئے ہیں وہ بھی نظر سے گزرے۔ آپ بدروح کیوں بننا چاہتے ہیں؟ یہ بھی دنیا سے گریز و فرار کا ایک راستہ ہے۔ آپ زندگی کے عملی حقائق کی تاب نہ لاسکے اور آپ نے اپنے لئے ایک خیالی دنیا تعمیر کرلی۔ اس خواب آلود دنیا میں آپ ایک عفریت عظیم کی طرح گھومتے پھرتے ہیں یا یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ایک مہیب دیو بن کر اپنے ایجاد کردہ کوہ قاف میں گشت کرتے رہیں۔ آپ نے بچپن کے جو حالات لکھے ہیں۔ مثلاً والدین کے پیار سے محرومی۔ خلوت پسندی اپنے خیالات میں مگن رہنا۔ دوسروں کو ستانے اور دکھ دینے کی شدید ترین خواہش۔ یہ ساری ذہنی الجھنیں اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ جب آپ بہت بچے تھے (دو تین سال کی عمر میں) اس وقت یکا یک آپ کے نفس پر کسی جنسی عمل یا شہوانی مظاہرے کا عکس پڑا اور آپ کے اندر ایک جذباتی دھما کہ ہوا۔ جو دب کر رہ گیا۔۔۔ بچہ ہو یا جوان جب یکا یک کسی تصویر کسی منظر کسی جھلک کسی اشارے کسی ایما کسی عکس کسی

پرتو سے دوچار ہوتا ہے ایسا منظر یا عکس جس میں جذبات انگیزی کی قوت ہو تو دیکھنے والے کے نفس میں ایک مخفی جذباتی دھماکہ ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ انسانی شعور ان جذباتی دھماکوں کو ابھرنے نہیں دیتا کیونکہ نفس کے اندرونی جذباتی دھماکے روزمرہ کی زندگی کے لئے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں ۔شعور کی مداخلت سے یہ دھماکے دب تو جاتے ہیں فنا نہیں ہوتے مثلاً

عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مرجاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

تو س۔ش۔ح صاحب آپ کی کیفیت یہی ہے۔بچپن بہت بچپن میں آپ ۔۔۔کے سینے پر ہاتھ رکھ کر سویا کرتے۔جسم کا یہ حصہ بے حد جذبات انگیز ہوا کرتا ہے۔اسی زمانے میں کسی روز آپ ایک مخفی جذباتی ہیجان سے دوچار ہوئے (یعنی آپ کے نفس میں قبل از وقت جنسی جذبہ بیدار ہوگیا) یہ ہیجان اب تک آپ کے اندر جوش مار رہا ہے لیکن شعور کی مزاحمت اور ضمیر کی مخالفت اس قوت فاسدہ کو ابھرنے نہیں دیتی۔آپ جس خبط میں مبتلا ہیں یعنی بدروح بن جانے کی خواہش۔

2۔بدروح بن کر لوگوں کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کا ارادہ۔

3۔ظلم ڈھانے کا جوش۔

تو برادر۔یہ سب ایک ہی شجر خبیثہ کے شاخسانے ہیں اور وہ شجر خبیثہ ہے حقیقت پسندانہ جنسی کردار سے انحراف ہر چیز سیکھنے سے آتی ہے۔فکر معقول اور عقل سلیم سے کام لینا بھی ایک فن ہے۔یہ فن آموزش کے بغیر نہیں آتا۔عقل سلیم قدرت کا عطیہ بھی ہے اور متواتر تجربات (ٹھوکر کھا کر سنبھلنا، سنبھل کر پھر ٹھوکر کھانا اور ٹھوکر کھا کر پھر سنبھلنا) کے ذریعے بھی انسان کے اندر رفتہ رفتہ عقل سقیم (بیمار سوجھ بوجھ) کی بجائے عقل سلیم (سیدھے راستے پر چلانے والی اور چلنے والی سمجھ) پیدا ہو جاتی ہے۔س۔ش۔ح کو بھی میں وہی مشورہ دوں گا جو دوسرے منحرف اور بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو دیا کرتا ہوں۔یعنی وہ میری نگرانی میں نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت یا سیلف کلچر ٹریننگ

[1] س۔ش۔ح کا بیان اس سے قبل اس کتاب میں نقل کیا جا چکا ہے۔

کورس (S.C.T) کی مشقیں کرلیں۔ اگر وہ متواتر ایک سال تک یہ مشقیں کرتے رہیں گے ۔(پندرہ منٹ صبح، پندرہ منٹ شب میں) تو مجھے اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ ان تمام اُلجھنوں اور کمزوریوں پر غالب آ جائیں گے۔اس کے ساتھ وہ میری کتابوں کا بھی مطالعہ جاری رکھیں۔

اللہ کہاں ہے؟

منشاءالحق (تھرپارکر) لکھتے ہیں کہ:

میں تنہائی میں بیٹھتا ہوں تو اچانک خیال آتا ہے کہ خدا کی خدائی ختم ہونے والی ہے۔اس وقت دل بے چین اور اداس ہونے لگتا ہے۔بھوک نہیں لگتی۔دل میں عجیب وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔پھر خیال آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کیا ہے۔اللہ کہاں ہے؟ تو دل پر موت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔خودکشی کرنے کو جی چاہتا ہے۔خدا کے بغیر کائنات کا تصور ذہن میں آتا ہے کہ یہ کس طرح وجود میں آئی۔ایک دفعہ میں اپنے کھیتوں میں کھڑا تھا کہ زمین کے بارے میں سوال پیدا ہوا یہ کس طرح وجود میں آئی۔سوچنے لگ گیا کہ زمین کس طرح وجود میں آئی؟ اتنی مٹی کہاں سے لائی گئی؟ یہ سوچتے سوچتے اچانک چکرانے لگا اور میں زمین پر گر گیا۔دوزخ کے بارے میں وہم ہوتا ہے کہ یہ تو بس یوں ہی سا ڈراوا ہے اور جنت کے لئے بھی تصور یہی ہوتا ہے۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

زندگی بھی خواب نما محسوس ہوتی ہے۔آخر زندگی کہاں سے وجود میں آ گئی۔وہی سوال جو آپ نے اپنے سے کیا تھا۔

جو زندگی سے تہی ہو وہ عاشقی کیا ہے
مگر سوال تو یہ ہے کہ زندگی کیا ہے؟

کسی جگہ پڑھا تھا کہ انسان کے بدن میں دس گیلن پانی ہوتا ہے اور اتنی چربی کہ صابن کی سات

ٹیکیاں بن سکیں۔ فاسفورس اتنی کہ دیا سلائی کی بائیس سوسلائیاں اس مسالے سے تیار ہوسکیں۔ اور انسان جسم میں اتنا لوہا ہے کہ اس سے ایک کیل بن سکتی ہے۔ جسم پر نظر ڈالتا ہوں تو یہ وسوسہ جنم لیتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں صرف بت ہوں۔ جسم میں جان ڈالی گئی ہے۔ پھر مجھے اپنے جسم سے خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو تباہ کر ڈالوں۔ رئیس صاحب! یہ ایک زندگی کا سوال ہے خدارا بچایئے۔

(از تھرپارکر)

س۔ش۔ح کے بیان کے بعد منشاء الحق کے اس اعلان پر توجہ کریں کہ ''اللہ کہاں ہے'' عام انسان کے لئے یہ سوال کہ خدائے تعالیٰ کیا ہے؟ اور اللہ کہاں ہے؟ ذہنی بیماریوں کا پیش خیمہ ہوا کرتے ہیں اس قسم کے بنیادی سوالات کے بارے میں دو ہی رویے ہو سکتے ہیں یا سو فیصدی اقرار یا سو فیصد انکار! منشاء الحق نے جی سوالات میں اپنے آپ کو اُلجھا لیا ہے وہ سخت جذباتی اُلجھن کی علامت میں یہ نوجوان زندگی سے فرار د گریز چاہتا ہے۔ نوجوان کی زندگی کے جذبات مسائل جب نا قابل برداشت ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے کو ایسے سوالوں میں اُلجھا لیتے ہیں جن کا تعلق قیاسی وافسانوی دنیا سے ہوتا ہے۔ منشاء الحق اور س۔ش۔ح ایک ہی جذباتی بیماری کے مریض ہیں۔ حقیقت سے گریز اور افسانوں کی دنیا میں پناہ! ہزاروں نوجوان اپنے کو خواہ مخواہ کی ان ہی اُلجھنوں میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ کتنی ذہنی قوتیں ہیں جو اس قسم کی افسانہ طرازیوں میں ضائع ہو رہی ہیں کتنی جذباتی توانائیاں ہیں جو ان الجھنوں میں رائیگاں جا رہی ہیں۔ منشا الحق ان ہی مشوروں پر عمل کریں جو س۔ش۔ح کو دیئے گئے ہیں۔

گلیکسی گرل:

عزت مآب! پہلی مرتبہ حاضر خدمت ہو رہی ہوں اور آپ کی طرف سے جواب کے سلسلے میں مایوس نہیں ہوں۔ رئیس صاحب! میرا مسئلہ بھی عام گھرانوں جیسا ہے جہاں منجلی اولاد کا خیال نہیں رکھا جاتا اور اسے بری طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بچپن سے پیار سے محروم

ہوں گھر والوں نے کبھی میرے کسی کام کو پسند نہیں کیا۔ چاہئے وہ کتنا ہی قابل تعریف کیوں نہ ہو۔کیا میں انسان نہیں ہوں ؟ کیا میرا جی نہیں چاہتا کہ دوسرے میری اور میرے کام کی تعریف کریں۔جھوٹے منہ سے ہی تعریف کر دیتے۔آپ یقین کریں رئیس صاحب کہ شدید بیاری کی حالت میں بھی امی نے کبھی مجھے پیار نہیں کیا۔میرے سر پر شفقت سے ہاتھ نہیں پھیرا کبھی میرا ماتھا نہیں چوما۔خالی رونے سے کچھ نہیں ہوتا اتنی ڈھیری محرومیوں کے باوجود میں نے گھر سے باہر کسی کو اپنی حالت کا احساس ہونے نہیں دیا۔ میں پیار کی ایک بوند کو ترس گئی ہوں۔میں نے اپنے ہر آنسو اور ہر آہ کو قہقہوں اور بشاشتوں میں بدل دیا ہے۔مجھے اس پر غور نہیں کہ گھر سے باہر اسکول اور کالج کی محفلوں میں ''گلیکسی گرل'' اور ''ایور گرین گرل'' کے نام سے پکاری جاتی ہوں مگر اس حقیقت سے کون واقف ہے کہ مجھے ان قہقہوں کی کیا قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

کس نے دیکھے ہیں مری روح کے رستے ہوئے زخم
کون ازا ہے مرے قلت کی گہرائی میں

مجھے اپنے گھر والوں سے کوئی شکوہ نہیں اپنی تمام تشنہ کامیوں کے باوجود میں نے انہیں دعائیں ہی دی ہیں کہ اگر انہیں کوئی تکلیف ہوگی تو مجھے ہی دکھ ہوگا لیکن رئیس صاحب! آج میں تنگ آ کر آپ کے پاس چلی آئی ہوں۔اُمید ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو مایوس نہیں کریں گے۔۔۔میٹرک کے بعد گھر والے مجھے آگے پڑھانے کے حق میں نہیں تھے رو دھو کر مجبوراً چپ ہوگئی کچھ عرصے بعد اپنی محنت اور خدا کے فضل سے ایف اے کا امتحان دیا اور پاس ہوگئی کالج کی زندگی میں بھی نمایاں حصہ لیتی رہی مثلاً ڈراموں وغیرہ میں شرکت! اب بی اے کے لئے ابو جی سے اجازت لی لیکن باجی نہیں مانتیں وجہ اس قدر غیر اہم ہے کہ سوچ کر ہنسی آتی ہے۔کہتی ہیں کہ زیادہ تعلیم پا کر آدمی ''میچور'' (بالغ) ہوجاتا ہے اور پھر لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے۔آپ ہی بتلایئے کہ میچور (بالغ) انسان عمر کے سبب ہوتا ہے یا تعلیم کے سبب رہ گئی رشتوں کی بات تو باجی خود ایم اے فائن آرٹس ہیں اور ان کے ڈھیروں رشتے آرہے ہیں۔میں ان کی منطق کو نہیں مانتی سچی بات تو یہ ہے کہ وہ

حسد میں مبتلا ہیں۔ وہ خود اپنے زمانے میں کالج کی آل راؤنڈ گرل رہ چکی ہیں۔ مجھ میں یہ سب کچھ دیکھ کر وہ کس طرح برداشت کر سکتی ہیں۔ ابو جی نے کالج میں داخلہ دلوا دیا تھا۔ کتابیں بھی خرید لی تھیں۔ میں کالج جانے لگی تھی پھر باجی نے مجھے خوب ڈانٹا اور یہاں تک کہا کہ میں کالج جا کر تمہارے پرنسپل سے کہوں گی کہ یہ گھر والوں کی مرضی کے بغیر پڑھ رہی ہے حالانکہ والدین ذرا بھی تعلیم کیخلاف نہیں۔

پیاروں کے واسطے:

اس سے پہلے رئیس صاحب! میں پانچوں وقت کی نماز پڑھتی تھی میں نے سنا تھا کہ کوئی خدا کو اس کے پیاروں کے واسطے دے تو وہ اس کی فریاد کو خوب سنتا ہے چنانچہ میں نے خدا کو اس کے پیاروں کے واسطے دیئے۔ رسولؐ کا واسطہ دیا۔ علیؑ کا واسطہ دیا۔ جناب سیدہؑ کا واسطہ دیا۔ حسنینؑ کا واسطہ دیا لیکن خدا نے میری ایک نہ مانی زندگی میں میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کروں لیکن خدائے برتر میری اس معمولی خواہش کو پورا کرنے سے قاصر ہے جی ہاں میں اس کے وجود سے منکر نہیں البتہ نماز پڑھنے کو اب جی نہیں چاہتا۔ دعائیں مانگنی چھوڑ دی ہیں۔ پتا نہیں دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔ ہر وقت خالی الذہن رہتی ہوں۔ سہیلیاں کالج نہ آنے کا سبب پوچھتی ہیں تو ہنس کر ٹال جاتی ہوں اور میں جو ڈراموں اور تقریروں میں حصہ لیا کرتی تھی عدم خود اعتمادی کا شکار ہو گئی ہوں۔ کسی دوست کی شادی میں مجھ سے گانے کی فرمائش کی گئی تو آواز بری طرح کانپنے لگی۔ کبھی کبھی شاعری کا بھی دورہ پڑتا ہے۔ افسانہ نگاری بھی کر لیتی ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر کوئی مخفی قوت کارفرما ہے مگر وہ قوت بروئے کار نہیں آنے پاتی، دماغ پر پردہ سا پڑ گیا ہے بس ایسا لگتا ہے کہ اگر یہ پردہ دماغ پر سے ہٹ گیا تو روشنیوں میں غرق ہو جاؤں گا۔ بھاگتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ ابھی میرے قدم زمین سے اُٹھ جائیں گے اور میں فضا میں تیرنے لگوں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆

حیران کن:

حیران کن یہ امر ہے رئیس صاحب کہ مجھ ایسی گناہ گار نے ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دو مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ اب آپ خدا کے لئے میری طرف توجہ کیجئے مجھے اس احساس کمتری اور عدم خود اعتمادی سے نجات دلایئے میری ذہنی حالتوں کی تشریح کیجئے مجھے بتایئے کہ میں کیا کروں؟ (ی۔ی)

ی۔ی:

ی۔ی کا مسئلہ نیم نفسیاتی اور نیم سماجی ہے ان کا تعلق متوسط طبقے سے ہے اور پاکستان کے متوسط طبقے (مڈل کلاس) کی لڑکیاں اور لڑکے ان ہی مسئلوں سے دوچار ہیں۔ جن ذہنی زنجیروں میں ی۔ی اپنے کو گرفتار پاتی ہیں۔ وہ منجلی لڑکی ہیں اور باجی سے ان کی ٹھنی رہتی ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اوپر تلے کے بہن بھائیوں میں بلاشبہ مقابلے، مسابقت اور مقاومت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اگر اس گھرانے کی منجلی اور بڑی لڑکی میں کشمکش ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں یہ ہماری سماجی زندگی خصوصیت کے ساتھ متوسط طبقے کی سماجی اور خاندانی زندگی کا ایک خاص کردار ہے۔ ی۔ی اس صورتحال سے پریشان نہ ہوں وہ بڑی باجی کا کوئی ضمنی وجود نہیں۔ اسی طرح ایک زندہ مضبوط فعال اور موثر حقیقت ہیں جس طرح ان کی باجی! ی۔ی تمہارے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم بے حد حساس اور جذباتی لڑکی ہو۔ تمہاری تحریک سے پتہ چلا کہ تمہاری روح بیحد لطیف، فکر شاعرانہ، قلب گداز اور شعور بے حد حساس واقع ہوا ہے تم نے خود لکھا ہے۔ کہ تم کبھی کبھی شاعری بھی کرتی ہو اور افسانہ نگاری سے بھی ذوق ہے۔ اس قسم کی حساس اور پرسوز روحیں ہمیشہ کسی نامعلوم منزل کی تلاش میں رہتی ہیں۔ ان کا آئیڈیل ایک ایسی چیز ایک ایسا شخص اور ایک ایسا تصور ہوتا ہے جو نہ آسانی سے ہاتھ آتا ہے نہ جس سے وہ بآسانی دستبردار ہو سکتے ہیں۔ ی۔ی تمہارا یہ احساس کہ تم پیار سے محروم رہی ہو،

والدین نے تمہاری قدر نہیں کی تمہارے کسی کام کی تعریف نہیں کی گئی ۔ یہ ساری شکایات تمہاری ''حساسیت'' کی علامت ہیں ۔ حساس نوجوانوں (لڑکے ہوں یا لڑکی) کی خصوصیت ان کی روحیت پسندی بھی ہوا کرتی ہے ۔ روحیت پسندی کسے کہتے ہیں؟ ی ۔ ی لکھتی ہیں کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے دماغ پر پردہ پڑا ہوا ہے ۔ اگر یہ پردہ اُٹھ جائے تو میں روشنیوں میں ڈوب جاؤں گی ۔ یہ احساس کہ جب بھاگتی ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زمین سے قدم اُٹھ جائیں گے اور میں فضا میں تیرنے لگوں گی ۔ یہ لطیف ترین احساسات ان لوگوں کے یا ان لوگوں میں ہوا کرتے ہیں جو قدرتی طور پر روحیت پسند ہوتے ہیں ۔ یعنی جن کی فکر لطیف جن کی لاشعوری طاقتیں چوکنی اور جن کے اندر غیر معمولی جذباتی شدت ہوا کرتی ہے ۔ عام نفسیات دانوں کی نظر میں ایسے افراد نفسیاتی بیمار ہوتے ہیں یا نفسیاتی بیمار جیسے ہوتے ہیں ۔ روحیت پسندی بھی یقیناً ذہن کی ایک غیر معمولی کیفیت اور شعور کی ایک ایک غیر معمولی (ایب نارمل) حالت ہے ۔ اس قسم کے افراد کے لئے ارتکاز توجہ کی مشقیں (یعنی مراقبہ نور البصیر، التجلی، التسخیر، التصویر، سایہ بینی، شمع بینی اور ماہ بینی وغیرہ) اور سانس (حبس دم، پاس انفاس، تنفس نور، متبادل طرز تنفس وغیرہ) کی ریاضتیں بے حد مفید ثابت ہوتی ہیں ۔ اگر ی ۔ ی یہ مشقیں کرلیں تو ان کا یہ غیر شعوری احساس کہ ایک مخفی قوت ان کے اندر کارفرما ہے حقیقت کا روپ دھار لے گا ۔ اور وہ سچ مچ روشنیوں میں غرق ہو جائیں گی ۔ ان کے اندر سے ایک عجیب وغریب نور طلوع ہوگا اور موجودہ احساس کمتری اور عدم خود اعتمادی کی یہ حالت ، یہ سازی کمزوریاں دھواں بن کر اُڑ جائیں گی ۔

امریکی لڑکی

جب ہمارا جہاز امریکہ کے شہر نیو اورلینس کی حدود میں داخل ہوا تو میں بہت تھک گیا تھا ۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ نیو اورلینس جاؤں ۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا ۔ گاؤں میں صرف چار پانچ بار تھے ۔ ہفتے کی رات تھی ہم فلپائن سے ڈیڑھ مہینے کا سفر طے کر کے آ رہے تھے ۔ کافی تھکن تھی

۔طے کیا کہ یہ رات قریب کے بار میں گزاری جائے۔میں اور میرا بے تکلف دوست یوسف قریب کے ایک بار میں چلے گئے اور بیرے تھکن دور کرنے لگے قریب کے اسٹول پر ایک امریکی لڑکی آ بیٹھی۔میں نے مخصوص امریکی اسٹائل میں سر ہلا کر کچھ کہے بغیر سلام کیا۔لڑکی نے سلام کا جواب اسی انداز سے سر ہلا کر دیا۔اور مجھے گھور کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہی۔یہ عرض کردوں کہ میں صنف نازک کے معاملہ میں بہت کچا ہوں۔میں نے بیئر سے تواضع کی تو رئیس صاحب! ایک دم اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور غریب لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔ اس کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔میرے تمام جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔مجھے میرینا (اس لڑکی کا نام یہی تھا) سے دلی ہمدردی پیدا ہوگئی۔جب میرینا سے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ میرے گلے سے لگ گئی اور ہچکیاں لے کر رونے لگی۔میرینا نے کہا کہ مجھے ٹونی نے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا ہے (وضاحت ضروری ہے۔امریکی لہجے میں بولے جانے والی انگلش میری سمجھ میں نہیں آتی ،یا مشکل سے آتی ہے) میں سمجھا کہ ٹونی شاید اس کے کتے کا نام ہے۔بعد میں پتہ چلا کہ ٹونی اس کے شوہر کا نام ہے۔سوال کیا کہ ٹونی نے ایسا کیوں کیا۔تو میرینا کہنے لگی کہ ڈاکٹر نے میرے بارے میں کہا تھا کہ اس عورت کے بچہ نہیں ہوگا۔بس ٹونی مجھ سے بیزار ہو گیا اور اس نے مجھے گھر سے نکال دیا۔مجھے خیال آیا کہ میرینا جو مجھ سے اس قدر جلد بے تکلف ہوگئی ہے تو اس کا سبب شاید یہ ہو کہ مجھ میں ٹونی کی شباہت آتی ہے۔میرینا کے رونے دھونے کا مجھ پر گہرا اثر پڑا۔اور میں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ میرینا سے شادی کا وعدہ کرلیا۔میں نے کہا کہ تم ذرا مضطرب نہ ہو، میں تمہیں اپنی بیوی بنالوں گا۔رہے بچے تو وہ اللہ کی دین ہیں اور مجھے امید ہے کہ اولاد ہوگی اور ضرور ہوگی۔دل شکستہ میرینا اس گفتگو سے خوش ہوگئی۔اور ہم تقریباً دو بجے رات تک پیتے پلاتے اور ناچتے گاتے رہے۔یوسف نے کہا کہ امریکہ میں مستقل قیام کا یہ بہترین موقع ہے میرینا نے بتایا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔باپ کی وفات کے بعد میری ماں پیراڈائز بار جس میں ہم مقیم تھے۔چلا رہی ہے میں بڑی لڑکی ہوں میری ایک چھوٹی بہن بھی ہے۔ دوسرے روز میرینا کی والدہ سے میری گفتگو ہوئی ماں نے کہا کہ بیٹے میں قبر میں پاؤں لٹکائے

بیٹھی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ میرے مرنے کے بعد تم اور میرینا اس بار کو سنبھال لو۔ بڑی بی کی اس یقین دہانی سے بے حد خوشی ہوئی خیال آیا کہ بڑھیا کے مرنے کے بعد اس کی لڑکی، اس کا کارو بار، اس کی دولت اس کی کار اور اس کا بنگلہ میرے قبضہ میں ہوگا۔ میں نے بڑی بی سے کہا کہ یہ شرط مجھے بدل و جان قبول ہے۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا بھائی اور دوست یوسف بھی میرے ساتھ رہے۔ تم اپنی چھوٹی لڑکی کو یوسف سے بیاہ سکتی ہو۔ بڑھیا اس پر راضی ہوگئی۔ یوسف نے کہا کہ ابھی ذرا ٹھہر جاؤ۔

ہم ذرا پاکستان جا کر اپنے عزیز اور والدین سے مل آئیں۔ الغرض ہم تین دن تک وہیں رہے مگر ان تین دن میں، میں کوئی فیصلہ نہ کرسکا۔ خیال آتا کہ یہ امریکی لڑکی ہے کل کسی دوسرے کی طرف مائل ہو جائے گی۔ آخر روانگی کا وقت آیا میں نے میرینا سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ نیویارک چلو واپسی میں نیو اور لینس ہی آئیں گے لیکن وہ اپنے کیبن سے نکلنے پر تیار نہ تھی۔ مجھے دھوکہ باز، چار سو بیس، فریبی اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہنے لگی۔ میں بے حد پریشان ہو گیا اور ناظم جہاز شپ آفیسر سے کہا کہ یہ لڑکی خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔ پاگل ہے یہ سن کر میرینا نے میرے گھونسے مارنے شروع کئے کہا کہ تم مجھے پاگل کہتے ہو۔ تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے تم نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا اب تم مکر گئے ہو۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔ یہ کہہ کر میرینا نے میرا گریبان پکڑ لیا اور مجھے کھینچنے لگی۔ شپ آفیسر بھی اس صورتحال سے پریشان تھا۔ اس نے میرینا سے کہا کہ تم مطمئن رہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی بندرگاہ سے اختر کو یعنی مجھے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اس پر وہ اور شور مچانے، بال نوچنے اور گالیاں دینے لگی۔ رئیس صاحب! بتا نہیں سکتا کہ اس موقع پر میری کیا حالت تھی؟ بہزار مشکل اس نے مجھے جانے کی اجازت دی اور شپ آفیسر سے کہا کہ سنو! اگر تم نے اختر کو واپس نہ کیا تو جب بھی اور جہاں بھی تم یا اختر مجھے ملے جو بھی میرے ہاتھ لگ گیا میں اسے ہلاک کردوں گی۔ بہرحال اس فیصلے کے بعد ہم اس گاؤں سے رخصت ہوگئے۔ کئی مہینے تک میرینا اور اس کے آنسوؤں کی یاد ستاتی رہی۔ مشورہ دیجئے کیا کروں۔

جذبات زدہ:

اختر صاحب! میں نے آپ کے طویل خط کا اقتباس اس مضمون میں پیش کیا ہے۔ آپ نے کہا کہ مجھے بھول جانے کی عادت ہے۔ اس کی آپ نے چند مثالیں بھی دی ہیں اور پھر میر ینا اور پیراڈائز بار کا قصہ نقل کیا ہے۔ آپ کلاسیکل یعنی سچے کھرے نفسیاتی مریض تو نہیں۔ البتہ جذباتی ضرور ہیں۔ جذباتی یا جذبات زدہ ہونا خامی بھی ہے خوبی بھی جذباتی آدمی کی خوبی یہ ہے کہ دوسروں کے دکھ درد کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ معاشرہ پسند ہوتا ہے۔ انسانوں سے کٹ کر نہیں رہتا۔ رفیق القلب ہوتا ہے۔ دوسروں کیلئے ایثار وقربانی بھی کرتا ہے۔ یہ تو ہوئیں اس کی خوبیاں! خامیاں یہ ہیں کہ وہ اعتدال کی نارمل زندگی بسر کرنے کی اہلیت سے محروم ہوتا ہے۔ دنیا کو صرف ایک ہی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اس میں یہ اہلیت وصلاحیت نہیں ہوتی کہ تصویر کے دوسرے رُخ پر نظر ڈال سکے۔ جذبات زدہ لوگ، حقیقت پسندی کے وصف سے محروم ہوتے ہیں۔ اختر صاحب! آپ نے جو واقعات لکھے ہیں ان سے آپ کی جذبات زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب رہی اہم وعدوں کو بھول جانے کی عادت! تو یہ بھی شدت جذبات ہی کا نتیجہ ہے۔ جذباتی دورے حافظے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یقیناً آپ کا حافظہ بھی اس طوفان جذبات سے متاثر ہوا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میرے یہاں اس کا علاج کیا ہے؟ میرے یہاں اس کا علاج نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی مشقیں ہیں۔

ادھورے کام:

الف۔ع۔ش (کوہاٹ) رقمطراز ہیں کہ اچھا خاصا تعلیم یافتہ ہوں آپ کے مضامین اور دوسرے ماہرین نفسیات کی تصانیف پڑھی ہیں۔ میری کمزوری یہ ہے کہ ایک کام کرنے کا خیال آتا ہے۔ کام شروع کرتا ہوں اور پھر یکا یک حوصلہ سرد ہو جاتا ہے۔ ہر کام کا آغاز بڑے ذوق وشوق سے کرتا ہوں اور پھر اس کام سے جی اچاٹ ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ادھورے کام کرنے کا عادی

ہوں۔ اس کمزوری پر کس طرح غالب آؤں؟

فکر اور ارادہ:

برادر! بار ہا کہہ چکا ہوں کہ جس طرح جسم کو بہت سارے کام کرنے کی تربیت دی جاتی ہے (مثلاً ناچنا، اچھلنا، دوڑنا وغیرہ) اسی طرح ذہن کو بھی سوچ کی عادت ڈالی جاتی ہے یہ کہ آدمی کس طرح سوچے؟ اور اس سوچ کو کس طرح روبہ عمل لائے؟ آپ کا انداز فکر آپ کے ارادے کے تابع ہے۔ اگر آپ کا ارادہ محکم ہے تو ممکن نہیں کہ ذہن آپ کی ہدایت سے انحراف کر سکے۔ ارادہ کمزور ہے تو ہر کام ادھورا رہے گا۔ قوت ارادہ کو محکم اور مستحکم کرنے کے لئے ''خود تربیتی'' (سیلف ٹریننگ) پر عمل کرنا پڑے گا۔ خود تربیتی، خود ترغیبی کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ اپنے کو شعوری طور پر یہ ترغیب دیں کہ روز بروز میرا ارادہ محکم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ شروع شروع میں آپ کا ذہن اس ترغیب سے بغاوت کرے گا۔ آپ ذہن کو بغاوت کرنے دیں اور ترغیب جاری رکھیں۔ انجام کار، زندگی اور ذہن دونوں میں انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اور زندگی تو ذہن ہی کا نام ہے۔

خودکشی سے قبل:

یوں سمجھ لیجئے کہ چند روز کے بعد آپ میری خودکشی کی خبر اخبار میں پڑھ لیں گے۔ بہر حال میں نے طے کیا ہے کہ خودکشی کی کوشش سے قبل آپ کو اپنی سرگزشت کے کچھ ٹکڑے سنا دوں۔ رئیس صاحب! میرا نام ر۔ش ہے۔ لیاقت آباد میں رہتی ہوں۔ کسی فرم میں ملازم ہوں۔ والد 1965ء کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ چھوٹا بھائی دسویں جماعت کا طالب علم ہے۔ میں نے ایک مخلوط اسکول میں تعلیم پائی ہے یہ اسکول تین ہٹی پر واقع ہے مجھ بدنصیب کی کہانی اسکول ہی سے شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ میرا شمار کلاس کی ذہین ترین لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ اور شکل وصورت بھی خاصی تھی۔ اسکول کے بعد گھر جاتی تو دیکھتی کہ ایک لڑکا مجھے غور سے دیکھ رہا ہے۔ چند روز تو میں

اس بات کو نظر انداز کرتی رہی۔ایک روز ایسا ہوا کہ میں گھر آ رہی تھی کہ ایک رقعہ میرے پاؤں کے قریب آ گرا میں نے دھڑ کتے دل کے ساتھ ادھر اُدھر دیکھ کر رقعہ اُٹھالیا۔تحریر تھا کہ اے نامعلوم لڑکی! تو نے مجھ پر نجانے کیا جادو کر دیا ہے کہ میں اپنے کو بھول کر تجھ میں کھو گیا ہوں۔تو نے اس خط کا جواب نہ دیا تو خود کشی کر لوں گا (ایاز) اس رقعہ کو دیکھ کر دل کی عجیب کیفیت ہوگئی۔رفتہ رفتہ ایاز کا جادو مجھ پر چھاتا چلا گیا ایک وقت ایسا آیا کہ میرے اور اس کے درمیان سے تمام حجابات اُٹھ گئے اور میں بے ضمیر ہوگئی مگر جب میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر ایک اور ہستی جنم لے رہی ہے تو یکا یک میرا ضمیر جاگ اُٹھا۔اب ایک ایسی خلش میں مبتلا ہوں۔مبتلا ہوں۔مبتلا ہوں کہ کسی............کہ!

لغزش آدم وحوا:

ر۔ش تم جس تجربے سے گزری ہو، وہ اگرچہ دردناک ہے مگر عجیب نہیں ہزاروں، لاکھوں حسرت نصیب لڑکیاں اس خلش سے دوچار ہوتی ہیں۔لغزش آدم وحوا۔ہم سب بنی آدم کا مقدر ہے ہم اس مقدر سے سرتابی نہیں کر سکتے خدا غفور الرحیم ہے اور زندگی گناہوں سے پُر! انسان کمزور ہے بہت کمزور ہے تمہارا خط پڑھ کر شدید رنج ہوا۔البتہ ایک فقرے پر غصہ آیا۔وہ ہے کہ میں خودکشی سے قبل آپ کو اپنی سرگذشت سنانا چاہتی ہوں۔یہ فقرہ ناقابل برداشت ہے۔ر۔ش! تم عہد کرو کہ خودکشی کے بارے میں کبھی نہیں سوچو گی۔یہ ذکر بھی وحشت انگیز ہے۔اگر ایاز میں بقدر ذرہ بھی شرافت باقی ہے تو وہ تمہیں اپنی قانونی بیوی بنانے سے انکار نہیں کرے گا۔کیا تم نے ایاز پر شادی کیلئے زور ڈالا؟ ر۔ش! وعدہ کرو کہ تم میرے مشورے اور رائے کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاؤ گی۔تم بڑے پیچیدہ مسئلہ سے دوچار ہو۔مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن کیا اس گتھی کو سلجھایا نہیں جاسکتا؟ سلجھایا جاسکتا ہے۔ایاز نہیں، کوئی اور شوہر دلنواز سہی۔! ہرگز اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ فقط تم ہی اس افتاد سے دوچار ہوئی ہو۔ہزاروں لڑکیاں اس وقت بھی اسی کرب، اسی خوف، اسی اندیشے اور اسی خلش ضمیر میں مبتلا ہوں گی۔بہر حال یہ مسئلہ ایسا نہیں جسے حل نہ کیا جاسکے۔بی بی،

برابر مجھ سے رابطہ قائم رکھو اور ہاں تم خودکشی کے بارے میں آئندہ ایک لفظ نہیں لکھو گی۔ مجھے اس لفظ سے سخت نفرت ہے۔ میں خودکشی کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ زندگی اللہ کا عطیہ اور خودکشی ابلیس کی ایجاد ہے۔

تعمیر نو:

میری عمر سولہ سال ہے۔ سائنس (سال اول) کا طالب علم ہوں کچھ دن سے آپ کی گرانقدر ہدایات اور کاوشوں کو دیکھ کر خط لکھنے کا جذبہ بیدار ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ اسے اہمیت نہ دیں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ کہ میری شخصیت میں کچھ لاشعوری عوامل اس طرح کارفرما ہیں کہ میں وقتی طور پر اپنی بھرپور شخصیت کا اظہار نہیں کر پاتا۔ گھر کے اندر میری شخصیت فطری اور گھر سے باہر غیر فطری ہے۔ پہلے صورتحال بے حد مایوس کن تھی لیکن اب کچھ کچھ حالات سدھر گئے ہیں۔ والدین کے سلوک کی بدولت میں اپنے اندر گھٹ کے رہ گیا لیکن میں اب اپنے خول سے باہر نکل آیا ہوں۔ میری تعمیر نو کا کام جاری ہے لیکن تعمیر نو کے اسباب اور وجوہات بتانے سے قاصر ہوں۔ آپ کی رائے کیا ہے۔ میں پوری طرح کب تک تعمیر نو پر قادر ہو جاؤں گا۔ (ع۔ر)

اے ذہین لڑکے:

تم ایک ذہین لڑکے ہو تو اے ذہین لڑکے! میں سیکڑوں بار لکھ چکا ہوں کہ آغاز جوانی (بارہ تیرہ سال کی عمر سے) میں 99 فیصد لڑکے اور لڑکیاں ایک عجیب وغریب جذباتی ہیجان سے دوچار ہونے لگتی ہیں۔ کچھ نہیں آرزوئیں، نئی تمنائیں، نئی امنگیں اور نئی قوتیں ان کے اندر کارفرما ہو جاتی ہیں۔ ان کا جسم اور ذہن (نفس) دونوں ان گہری بنیادی اور دور رس تبدیلیوں کی زد میں آجاتا ہے اور وہ (لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی) اس انقلاب حال بلکہ ان انقلابات احوال سے ڈر کر اپنے اندر چھپ جاتے ہیں۔ اندر ان کی شخصیت کچھ اور ہوتی ہے اور باہر کچھ اور! مگر یہ عمل فطری اور قدرتی ہوتا ہے۔ فطرت نوخیز لڑکے کو بھرپور مرد اور کچی لڑکی کو سموچی عورت

بنانے کے لئے دونوں کو جسمانی اور ذہنی تبدیلیوں کے مرحلے سے گزارتی ہے۔تم بھی اس دور سے گزرے اور اسی دور سے گزر رہے ہو لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں۔تم نے لکھا ہے کہ تعمیر نو کا سلسلہ جاری ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یہ سلسلہ تعمیر جاری رہے گا۔تم میں انشاء پردازی اور مضمون نگاری کی غیر معمولی صلاحیت پائی جاتی ہے۔تم ضرور نثر کی طرف توجہ کرو کامیاب ادیب ثابت ہو گے۔

کردار کا بحران:

ق۔م۔ع۔ لکھتے ہیں کہ میں کردار کے بحران (کرائسز آف کیریکٹر) میں مبتلا ہوں۔کردار کا بحران اس لئے پیدا ہوا کہ میں خود اعتمادی سے محروم ہوں۔گھر والے مجھ سے نالاں رہتے ہیں۔اپنے پر بھروسہ نہیں۔سوچتا ہوں کہ یہ کروں گا اور وہ کروں گا مگر کچھ نہیں کر پاتا۔سوچتا بہت ہوں۔عمل کی طاقت نہیں جب مجھ پر مایوسی کا دورہ پڑتا ہے تو یہ خیال کر کے مطمئن ہو جاتا ہوں کہ آخر حیات بے ثبات ہے اور اس کا انجام موت ہے۔جب میں آٹھ برس کا تھا تو والدہ ''مرحومہ'' ہو گئیں۔دادی نے پرورش کی ،والد نے دوسری شادی کر لی۔میں تو نہیں البتہ میرے چھوٹے بھائی بہن سوتیلی ماں کے مظالم کا ہدف بنے۔وغیرہ وغیرہ۔

عارضی وقفہ:

ابھی ابھی تم نے اس مضمون (اے ذہین لڑکے۔عنوان) میں پڑھا ہوگا کہ آغاز جوانی میں ہر لڑکا اور ہر لڑکی کردار کے بحران میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر یہ وقفہ عارضی ہوتا ہے۔اس بحرانی زمانے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دماغ بند ہو گیا ہے۔ذہن معطل ہو گیا۔حافظہ مر گیا۔بلاشبہ اس زمانے میں نوجوانوں کی قوت ارادی د ، جاتی ہے۔ان کی خود اعتمادی مضمحل ہو جاتی ہے۔رفتہ رفتہ نوجوانوں میں حقیقت پسندی کی صلاحیت بیدار ہونے لگتی ہے مگر پے در پے ٹھوکریں کھانے اور بار بار نقصان اُٹھانے کے بعد انسان ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ق۔م۔ع! تم اگر (S.C.T) کرلو

یعنی وہ مشقیں جو میں تجویز کیا کرتا ہوں تو اُمید ہے کہ تم کردار کے اس بحران پر غالب آ جاؤ گے۔

وہی عادتِ شباب:

میں نہ خط کو طول دوں گا نہ غیر ضروری واقعات سنا کر آپ کو پریشان کروں گا۔ عرض یہ ہے کہ میں کئی سال تک ''عادت شباب'' میں مبتلا رہا۔ اس وقت مجھے اس عادت کے نتائج اور نقصانات کا کوئی علم نہ تھا۔ آپ کے مضامین پڑھ کر آنکھیں کھل گئیں اور قطعاً اس لغویت اور بیہودگی سے دستبردار ہو گیا مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں جریان، احتلام اور ذکاوت حس اور دوسری جنسی کمزوریوں میں مبتلا ہو گیا۔ علاج کرانے کی کوشش کی مگر کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف اتنا دریافت کرنا ہے کہ کیا چند برس میں ''خود بخود پر زور ہے) ان شکایات پر غالب آ جاؤں گا۔

(محمد اقبال لاہور)

ذکاوت حس:

آپ ''عادت شباب'' سے دستبردار ہو گئے۔ اچھا کیا۔ اس دستبرداری کے جو نتائج آپ نے بیان کئے ہیں۔ مجھے ان سے اتفاق نہیں ہے تمام شکایات کی جڑ ہے ''ذکاوتِ حس'' ذرا سی تحریک پر آپ کے جنسی غدود مشتعل ہو جاتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ چند سال انتظار کریں۔ وہ وقت آئے گا اور ضرور آئے گا کہ ذکاوت حس ختم ہو جائے گی۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ جسم خود اس قسم کی کمزوریوں کا ازالہ کر دیتا ہے البتہ اگر اس زمانے میں آپ عام جسمانی صحت کو ترقی دینے کی کوشش کریں۔ معتدل اور با مقصد زندگی بسر کریں تو اُمید ہے کہ وقت سے پہلے شفا نصیب ہو جائے گی۔ پھر عرض کردوں کہ جنسی کمزوریاں بیشتر خیالی، قیاسی اور تصوری ہوا کرتی ہیں اور آہستہ آہستہ خود ذہن جنسی امور میں حقیقت پسندی کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔

چند مہینے سے میں آپ کا مضمون بڑے ذوق وشوق سے پڑھتی ہوں۔ میری عمر تقریباً سولہ سال کی ہے۔ سات مہینے سے عجب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ کہیں خودکشی نہ کر بیٹھوں۔ نویں جماعت

کی طالبہ ہوں پہلے ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل صحت مند تھی لیکن سات مہینے قبل نجانے کیوں؟ نجانے کس طرح؟ یکا یک ذہن پلٹ گیا۔ایسا لگتا ہے کہ ذہن پر ہر وقت ملگجی دھند چھائی رہتی ہے یادداشت غائب ہوگئی ہے ۔برے برے خیالات آتے ہیں ۔احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔کسی مریض اور ضعیف کو دیکھتی ہوں تو فوراً اندیشہ ہوتا ہے کہ میں بھی ایسی ہی ہو جاؤں گی۔میرا تعلق ایک سخت پردہ دار خاندان سے ہے۔یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے کسی کو براہ راست خط لکھا ہے۔ازراہ کرم میری مشکل حل کر دیجئے۔

کردار کے بحران والا ٹکڑا ایک مرتبہ پھر پڑھ لو۔

45 علامتیں

عوارض کا سبب:

بعد از سلام مسنون مودبانہ گزارش یہ ہے کہ کافی عرصے سے مصمم ارادہ تھا کہ ایک مخلص، ہمدرد اور کامل انسان سے رابطہ قائم کروں۔ بہت سے ماہرین طب سے مشورہ کیا۔سب نے یہی کہا کہ ان تمام عوارض کا سبب ''نروس ویکنس''یعنی ضعیف اعصاب ہے۔ باقی تم بالکل ٹھیک ٹھاک ہو ۔وہم نہ کرو۔ان کے مشوروں سے وقتی اثر ضرور ہوتا ہے لیکن پھر وہی حالت ہو جاتی ہے۔تقریباً دو مہینے قبل ایک دوست نے مشورہ دیا کہ تم رئیس امروہوی صاحب سے رجوع کرو۔اس سلسلے میں انہوں نے آپ کی متعدد تصانیف کا بھی ذکر کیا۔ میں نے آپ کے مجموعہ تصانیف میں ---نفسیات و مابعد النفسیات سے لے کر حاضرات ارواح تک کا مطالعہ کیا ہے مطالعے کے اثرات بے حد خوشگوار ثابت ہوئے ہیں۔بندے کو حسب ذیل عوارض لاحق ہیں۔

(1) شادی شدہ ہوں، عمر اڑتیس سال ہے، خدا نے تین بچیاں عطا کی ہیں۔(2) قد لمبا اور بدن پتلا ہے۔(3) صوم وصلواۃ کا پابند اور وظائف کا عادی ہوں۔(4) مذہب کی طرف رجحان ہے اور بحمد اللہ عقیدہ صحیحہ اہلسنت پر قائم ہوں۔(5) ایام طفولیت میں بیحد ضدی اور اکثر بیمار رہتا

تھا۔(6) متعدد امراض جسمانی لاحق ہوئے جن میں تپ محرقہ، چیچک، قبض اور گردن توڑ بخار قابل ذکر ہیں۔(7) ذکاوت حس بے انتہا ہے۔(8) ذرا سی بات میں ہیجانی کیفیت اور اشتعال پیدا ہوتا ہے۔(9) شادی سے پہلے خود لذتی کا عادی رہ چکا ہوں۔(10) مزاج میں انتقام پسندی حد درجہ ہے۔(11) زبان میں معمولی سی لکنت ہے۔(12) بات کرتے وقت سر کا پچھلا حصہ کس قدر گرم اور بوجھل ہو جاتا ہے۔(13) کبھی کبھی جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور کلام میں تسلسل برقرار نہیں رہتا۔(14) دوران کلام بدن کی پوری قوت صرف ہو جاتی ہے۔(15) انزال کے بعد سخت مایوسی پشیمانی اور کمزوری طاری ہو جاتی ہے۔(16) ارادے میں قوت اور استقلال بالکل نہیں ہے۔(17) وعدے کا بے حد پابند ہوں اور دوسرے سے بھی پابندی عہد کی توقع رکھتا ہوں۔(18) شاید احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔(19) مخفی علوم سیکھنے کا بہت شوق ہے۔(20) خاص طور پر دست شناسی سے رغبت ہے۔(21) فن قرأت سے دلچسپی ہے۔(22) ہیجان خیز جنسی دورہ پڑتا ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہوں۔(23) معصوم بچوں سے بہت پیار کرتا ہوں اور ان کو بے حد پسند کرتا ہوں۔(24) نیکی کرنے والوں سے دوچند نیکی کا خواہشمند ہوں۔(25) بچوں کی ختنہ یا مرغی ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ایسے موقع پر منہ پھیر لیتا ہوں۔(26) کچھ دن پہلے حیوانیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ تمام غسل خانوں اور بیت الخلاؤں میں سوراخ کرنے کی کوشش کی تاکہ اندر جھانک سکوں۔(27) کسی کی معمولی دھمکی سے بہت زیادہ متاثر اور پریشان ہو جاتا ہوں۔(28) سخت زود رنج واقع ہوا ہوں۔(29) حسن پرست ہوں اور حسن پرستی میں نر و مادہ کی تمیز نہیں۔حسن کا تعلق کسی صنف سے بھی ہو۔دل پسند ہے۔(30) کوئی تعریف کرے تو پھول جاتا ہوں۔بدگوئی کرے تو چڑچڑا ہو جاتا ہوں۔(31) چکنی چپڑی باتوں میں بہت جلد آ جاتا ہوں۔(32) تمام منشیات اور بداخلاقیوں سے مبرا ہوں۔(33) البتہ ہم جنسی کا مرتکب ہوا ہوں۔(34) ہر شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔(35) معمولی آہٹ سے دل گھبرا جاتا اور زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔(36) داہنا ہاتھ اور ٹانگ بائیں کی بہ نسبت دراز، قوی اور مضبوط ہے۔(37) طبیعت میں حد درجہ خودداری اور دماغ میں تکبر اور بلندی موجود ہے

۔(38) اہل کمال کا خادم اور جہلاء کا مخالف ہوں۔(39) غصہ کی حالت میں زبان لڑکھڑا جاتی ہے اور الفاظ ادا نہیں ہوتے۔(40) غصے میں بدن کانپنے لگتا ہے۔(41) سوتے میں کبھی کبھی جسم کو جھٹکا لگتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ بدن پر چیونٹیاں سی رینگ رہی ہیں۔(42) گرمی اور ورزش سے رگیں پھول جاتی ہیں۔(43) پیدل چلنے کا شوق ہے، کبھی کبھی دن میں چالیس پچاس میل تک چل لیتا ہوں۔(44) اگر کسی کا کام پیش آ جائے تو اُسے بخوشی انجام دیتا ہوں ۔(45) مختصر یہ کہ نفسیاتی مریض ہوں۔موزوں علاج تجویز فرما کر عنداللہ، عندالناس ماجور و مثاب ہوں۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عالم دنیا عالم برزخ اور عالم آخرت میں کامگار و کامیاب وکامران رکھے۔

این دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

رسول کریم کا ارشاد گرامی ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس یعنی لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے اور اس سے زیادہ نفع اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو علاج لاکھوں روپے میں ناممکن ہو وہ محض آپ کی مجوزہ مشقوں سے ممکن ہو جائے۔(قاضی م۔ج۔پشاور)

عجوبہ مخلوقات

میں نے قاضی صاحب کے خط کو الف سے ی تک نقل کر دیا ہے صرف اس لئے کہ آپ ایک حساس آدمی کی ذہنی کیفیات اور جذباتی ردعمل کا براہ راست مطالعہ کر سکیں۔جب ایک شخص اپنے کو خود ترغیبی کے ذریعے یہ باور کرا دیتا ہے کہ میں نفسیاتی مریض ہوں تو وہ خود اپنے لئے بے شمار بیماریاں تجویز کر لیتا ہے اور اپنی ہر نقل و حرکت کو مریضانہ تصور کر کے ''عجوبہ مخلوقات'' بن جاتا ہے ۔قاضی صاحب نے اپنے لئے پینتالیس نفسیاتی امراض تجویز کئے ہیں۔حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نفسیاتی مرض نہیں ہے۔بلکہ ایک ذہنی پیچاک (کامپلکس) کی مختلف علامات ہیں۔مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ قد لمبا اور بدن پتلا ہے۔بظاہر یہ جسمانی ساخت کا معاملہ ہے اس کا کسی ذہنی اُلجھن سے کوئی تعلق نہیں لیکن قاضی صاحب نے قد کی لمبائی اور جسم کے پتلا پن کو بھی ذہنی مرض قرار دے

دیا ہے۔ موصوف نے خود لکھا ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر حساس واقع ہوئے ہیں۔ حساس آدمی کے ذہن پر ذرا سا بوجھ پہاڑ کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ مکتوب نگار کی بھی یہی کیفیت ہے۔ انہوں نے اپنی ذہنی کمزوری اور شدید الاحساسی کے تحت ہر ذہنی حالت کو ایک مستقل مرض تصور کرلیا ہے۔ یہ بڑا ظلم ہے۔ میں قاضی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ پانچ کم پچاس نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہونے کی بجائے صرف ایک ذہنی کمزوری (بیماری) میں مبتلا ہیں۔ وہ ہے ذہنی کمزوری۔ (1) احساس شدید (2) غیر معمولی تاثر پذیری) (3) حد درجہ اثر اندوزی! وہ بار بار اپنے کو شعوری اور لاشعوری طور پر یہ ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ میں بگڑا ہوا نفسیاتی مریض ہوں۔ یہ فقرہ کہ میں بگڑا ہوا نفسیاتی مریض ہوں۔ خون بن کر اُن کی رگ رگ میں دوڑ رہا ہے۔ اگر یہ خیال پختگی کے ساتھ آپ کے ذہن جم جائے لاشعور میں پیوست ہوجائے کہ میں جسمانی یا ذہنی طور پر بیمار ہوں۔ تو ناممکن ہے کہ آپ کبھی صحت مند ہوسکیں۔ صحت یابی کی بنیادی شرط اندازِ فکر کی تبدیلی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی کے اندازِ فکر کو بدلنا ممکن ہے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ممکن نہیں ہے لیکن وہی قول کہ لغت میں ناممکن کوئی لفظ نہیں ہے۔ بے شک اندازِ فکر (سوچ کے ڈھنگ) کو تبدیل کرنا مشکل ہے مگر ناممکن نہیں قاضی صاحب پہلے تو اس اندیشے کو ذہن سے نکال دیں کہ وہ کوئی غیر معمولی قسم کے نفسیاتی مریض یا ''ایب نارمل'' انسان واقع ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جو پینتالیس علامات لکھی ہیں۔ وہ صحت مند افراد میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً زود رنجی (ذرا سی بات پر خفا ہو جانا) زود رنجی کوئی نفسیاتی مریض نہیں۔ بعض حضرات کی مزاجی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ وہ ذرا سی بات پر رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور یہ رنج مدتوں قائم رہتا ہے بے شک زود رنجی کوئی خوشگوار ذہنی کیفیت نہیں ہے۔ تاہم اسے مستقل ذہنی معذوری یا مرض تصور کر لینا بہت بڑی زیادتی ہے۔ خود داری، اہل کمال سے محبت، جہلاء سے نفرت، جنسی ہیجان، خود لذتی، تعریف پر خوش ہونا، تنقید سے ناراض ہونا، یہ ذہنی بیمار کی علامتیں نہیں۔ صحت مند ذہن کی نشانیاں ہیں۔ جب تک قاضی صاحب اپنے کردار کا حقیقت پسندانہ جائزہ نہ لیں گے اس وقت تک اوہام کے ان کالے بجھنگ بھوتوں سے چھٹکارہ نہیں پاسکتے۔ بہرحال میں انہیں نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) پر عمل کرنے کا مشورہ دوں گا۔ اگر وہ

مشق تنفس نور شروع کر دیں تو وہ جس ضعف اعصاب (نروس نیس) میں مبتلا ہیں۔ اس سے نجات مل جائے گی مگر فوری فوائد کی توقع نہ رکھیں۔ رفتہ رفتہ ان کا اعصابی نظام بر قیائے گا۔ رفتہ رفتہ ان کے ذہن میں تبدیلی ہوگی۔ بتدریج شخصیت کے پرانے ملبے سے نئی شخصیت کا سورج طلوع ہوگا۔ یہ ممکن نہیں کہ (S.C.T) کی مشقیں شروع کرتے ہی وہ اعضابی کمزوری، ذہنی حساسیت اور جذباتی کشمکش پر غالب آ جائیں۔ پھر عرض کردوں کہ شخصیت کے طرز اور اسلوب کو بدلنا ایک رات یا ایک دن کا کھیل نہیں۔ یہ ایک مستقل جہادِ عمل ہے قاضی صاحب علی الصبح مشق تنفس نور کیا کریں۔ اور مشق کے دوران دل ہی دل میں یہ فقرہ دوہراتے رہیں کہ ''میں روز بروز بہتر ہوتا چلا جا رہا ہوں'' پھر مغرب کے وقت بھی فقرہ دوہراتے ہوئے تنفس نور کی مشق کریں۔ پھر سونے سے قبل رات کے کھانے کے ڈھائی گھنٹے بعد یہی مشق کریں۔ یہی فقرہ دوہرائیں اور رات میں جب سونے کے لئے لیٹیں تو پھر اس فقرے کو دہرانے لگیں اور اس وقت تک دہراتے رہیں جب تک نیند نہ آ جائے۔ میرا خیال یہ ہے کہ چھ مہینے میں بشرطیکہ استقلال کے ساتھ مشقیں جاری رکھیں۔ وہ اکثر و بیشتر ذہنی اُلجھنوں پر غالب آ جائیں گے اور یہ محسوس کریں گے کہ اُن کے پرانے نفسیاتی خول سے ایک نیا آدمی برآمد ہو رہا ہے۔

بے شرمی معاف:

کافی دن ہوئے کہ آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ اس کا بہت مختصر جواب ملا۔ مختصر جواب سے اندازہ ہوا کہ آپ بے حد مصروف آدمی ہیں۔ آئندہ زحمت نہ دی جائے مگر کیا کیا جائے۔۔۔۔ یہ مسئلہ ہی ایسا ہے کہ آپ کو زحمت دیئے بغیر چارہ نہیں۔ اب ہمیں اپنے ماضی کو آپ کے سامنے ننگا کرنا ہی پڑے گا۔ ہم نے آج سے چھبیس سال پہلے لڑکے کی صورت میں جنم لیا تھا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح ہم بھی بچپن میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور سچ ہے کہ یہ روپ (لڑکی) ہمیں پسند تھا۔ ہمارے اندر قدرتی طور پر نسوانیت موجود ہے۔ تقسیم سے قبل کچھ طوائفیں ہمارے محلے میں رہتی تھیں۔ ان کے ہاں ہمارا آنا جانا تھا۔ اس وقت ہماری عمر کوئی سات آٹھ سال کی

ہوگی۔طوائفوں کے یہاں جب ہم طوائف زادیوں کو رقص وموسیقی کی تعلیم پاتے ہوئے دیکھتے تو بہت اچھا لگتا۔انہوں نے ہماری دلچسپی کو دیکھ کر مشورہ دیا کہ تم بھی ہماری لڑکیوں کی طرح اس فن کی تعلیم حاصل کرو۔ہم نے اثبات میں گردن ہلادی۔ چنانچہ دوسرے روز ہم بھی ''حلقہ شاگرداں'' میں داخل ہوگئے۔ہم چپکے سے ان کے گھر جاتے اور طوائف زادیوں کے ساتھ رقص وموسیقی کی تعلیم حاصل کرتے۔اب ہماری زندگی کا سب سے زیادہ خطرناک موڑ آیا۔ہم نے سوچنا شروع کیا کہ ہماری تخلیق غلط ہوئی ہے (یعنی ہمیں لڑکی پیدا ہونا چاہئے تھا،لڑکے کے روپ میں پیدا ہوگئے) آج یہی خیال روح میں بسا ہوا ہے۔ہمیں (رئیس صاحب بے شرمی معاف) زرق برق لباس،بیش بہا زیورات اور نسوانی زلف ورخسار اور سرمہ وغازہ اچھے لگتے ہیں۔

متضاد تبدیلیاں:

آخر ہم نے منزل شباب میں قدم رکھا اور ہمارے جسم میں مردانہ نشانیاں اُبھرنے لگیں ۔ہمارے سینے میں ایک عجب طرح کی لذت آمیز کسک پیدا ہوگئی۔دل کہتا تھا کہ تم لڑکی ہو۔جسم کہتا تھا کہ تم لڑکے ہو۔عجب طرح کی کشمکش تھی اور کشمکش ہے۔اب زندگی اور عذاب میں مبتلا ہوگئی ۔جسم اور نفس میں متضاد تبدیلیاں ہورہی تھیں ۔جسم مردانہ بنتا جارہا تھا۔نفس پر نسوانیت غالب آرہی تھی ۔ہماری نشست وبرخاست ،رہن سہن گفتار وکردار ،حد ہے کہ لہجہ وآواز تک نسائی (نسوانی) تھی لیکن سب لوگ ہمیں لڑکا کہتے اور سمجھتے تھے۔ہم نے وہ تمام کام سیکھے جو عورتوں سے مخصوص ہیں۔مثلاً سینا، پرونا، بننا، کاڑھنا، پکانا، عادت ہی نہیں ہمارے جذبات بھی وہی تھے جو عورتوں کے ہوتے ہیں مثلاً رقت قلب ،نزاکت مزاج رحم ، جذبہ قربانی ،جب کسی گبرو جوان کو دیکھتے تو جی لوٹ پوٹ ہوجاتا،کوئی مرد ہاتھ لگاتا تو جسم میں برقی رودوڑ جاتی۔اگر کبھی عید بقرہ عیدی پر کوئی نوجوان لڑکا گلے ملتا تو ناقابل بیان لذت سے سرشار ہوجاتے لیکن لڑکیوں سے گلے مل کر کبھی کوئی اس قسم کا احساس نہ ہوتا۔ہم روتے تھے۔خدا سے دعا مانگتے تھے کہ یااللہ! اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا اور ہمیں لڑکی بنادے،ہم راتوں کو روتے تھے اور اللہ کے حضور گڑگڑاتے تھے کہ

پالنے والے مجھے یوسف کی بجائے زلیخا بنا دے۔ آخر یہ راز کھل گیا اور تمام گھر والوں کو پتا چل گیا کہ میں کس کشمکش میں مبتلا ہوں۔ انہوں نے مجھے ڈاکٹروں کو دکھایا ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ اس لڑکے کو کسی ماہر نفسیات کو دکھاؤ۔ یہ کسی نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا ہے۔ آخر ماہرین نفسیات بھی ہمارے علاج سے عاجز آ گئے۔ تب عاملوں اور وظیفہ خوانوں کی طرف رجوع کیا گیا۔ انہوں نے تعویذ پہنائے دم درود کیا، جھاڑا، پھونکا لیکن لڑکی بننے کا بھوت کہیں سر سے اُترتا تھا۔ غالب نے کہا ہے نا کہ!

جاتی ہے کشمکش کوئی اندوہ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

آخر پلاسٹک سرجری کی سوجھی کہ آپریشن کرا کے مردانگی کو نسانیت کا روپ دے دیں۔

مومناتِ لکھنو:

رئیس صاحب! ہماری نانی مومنات لکھنو میں سے تھیں۔ ہم بچپن ہی میں ان کے ساتھ مجالس میں جاتے تھے۔ پھر لکھنو کی طوائفیں! خدا کی پناہ مگر تمام فسق و فجور کے باوجود عزاداری کی عاشق تھیں۔ شاید آپ کو علم ہو کہ بالا خانوں کی رہنے والیاں کس ذوق وشوق اور جوش وخروش سے محرم مناتی ہیں۔ صرف کلمہ گو طوائفیں ہی نہیں اس معاملے میں ہندو طوائفیں بھی پیش پیش رہتی تھیں۔ حضرت عباس علمدار کی حاضری ہوئی تو ہم نے بڑی رقت قلب سے دعا مانگی کہ پروردگار، واسطہ سقائے سکینہ کا ہمیں سچ مچ کی لڑکی بنا دے۔ محرم کی آٹھویں یا نویں ہوگی ہم مصلے پر دعا مانگ کر رو رہے تھے ایک دم آنکھوں کے سامنے نور سا بکھر گیا۔ روشنی کی چادر نمودار ہوئی۔ اس روشنی کی چادر پر چند عربی الفاظ یا آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ہم اس لمحے کی کیفیت کو بیان نہیں کر سکتے۔ نویں کی رات اور دسویں محرم کے پورے دن زبان سے یہی صدا اور دل سے یہی دعا نکلتی رہی کہ مولا، ہمیں لڑکی بنا دو۔ ہم نے بیسیوں صدقے دیئے، صد ہا منتیں مانگیں۔ سوئم تک یہی حال رہا۔ اس روز چاند کے مہینے کی چودھویں تھی۔ ہم بستر پر لیٹے تھے۔ ہمیشہ کی طرح نیند نہیں آ رہی

تھی۔شاید غنودگی کی حالت ہو مگر نہیں ہم جاگ رہے تھے۔اچھی طرح یاد ہے کہ ہم نے عالم تصور میں (بحالت بیداری) دیکھا کہ ایک سونے کا تخت رکھا ہے۔چاروں طرف زرد جواہر بکھرے ہوئے ہیں۔تخت کے کنارے طلائی مقام کا دربار سجا ہوا ہے۔جو مانگنا ہے مانگ لے۔ایک نادیدہ سے بزرگ چشم باطن کے سامنے جلوہ گر تھے۔ہم نے وہی دعا اور وہی مدعا پیش کیا۔اسی عالم میں ہم نے دیکھا کہ ان بزرگوار نے سونے کا قلم اُٹھایا اور ایک نشان لگایا جو اس طرح تھا (ok) پھر نشان لگایا۔اس کی شکل بھی یہی تھی۔یعنی (ok) جس طرح صحیح جواب پر استاد نشان لگا دیتا ہے (ok) خیال آیا کہ الحمد اللہ۔ہماری درخواست قبول کر لی گئی ہے۔فوراً آنکھ کھل گئی۔اب حال یہ ہے کبھی ایسا لگتا ہے کہ ہماری دعا قبول ہو گئی۔کبھی پھر مایوسی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔اگر دعا قبول ہو گئی ہے (کہ اگر ہم لڑکے سے لڑکی بن جائیں) تو اس کے آثار جسم پر نظر کیوں نہیں آتے۔حضور والا! آپ دعا کریں کہ یا تو ہمیں موت آ جائے یا ہم صنف نازک کی صف میں شامل ہو جائیں۔بہر حال۔اب تو صرف یہ بتا دیجئے کہ ہم کیا کریں؟ اور ہماری ذہنی حالت کیا ہے؟ (دکھی۔م صدیقی)

کیا عجیب؟:

انسان بھی کیا عجیب واقع ہوا ہے۔بنے تو ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، کنفیوشس زردشت، گوتم بدھ، کرشن جی، ہومر، ورجل، امرءالقیس، رودکی، بالیک، کالیداس، غالب اور انیس بن جائے اور بگڑے تو قاضی صاحب (از پشاور) اور دکھی۔م صدیقی کا روپ دھارے! پیغمبر بھی انسان تھے جو آدم وحوا کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں۔پھر ان میں اتنا فرق کیوں ہے۔میں نے قاضی کے مسئلے پر (وہی 45 علامات والی) گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ ان کا بنیادی مرض شدید الاحساسی ہے۔غیر معمولی حساسیت لیکن کیا شدید الاحساسی واقعی کوئی مرض ہے؟ نہیں۔حساسیت۔علامت ہے ذہانت کی۔آدمی جس قدر حساس ہوگا اتنا ہی ذہین ہوگا۔اب ہوتا یہ ہے کہ بعض لوگوں کو تو حساسیت اعلیٰ درجے کا فن کار، صناع، موجد، سائنس دان، سیاسی رہنما اور کامیاب انسان بنا دیتی

ہے اور بعض لوگ اپنی حساسیت کو اپنے لئے بلائے جان بنا لیتے ہیں۔

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

بے شک کبھی کبھی روشنی طبع بلائے جاں بن جاتی ہے۔ دکھی۔ م صدیقی کا عالم ایسا ہے جو لڑکوں کے جھرمٹ سے الگ رہتی ہے۔ م صدیقی بھی عالم طفلی میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ چلو یہ بھی سہی کہ طوائف زادیاں ان کی سہیلی بن گئیں اور وہ بھی ان کی طرح رقص و سرود کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لڑکی بننے کی تمنا میں مرنے لگے۔ لکھتے ہیں کہ میری طبیعت پر نسوانیت غالب ہے صدیقی صاحب کو علم نہیں ہے کہ ہر لڑکا 40 فیصد لڑکی اور ہر لڑکی صرف ساٹھ فیصد لڑکی ہوتی ہے (باقی چالیس فیصدی لڑکا اس کے اندر موجود ہوتا ہے) م صدیقی کی شدید الاحساسی نے کتنا بھیانک روپ اختیار کر لیا ہے۔ خدا کی پناہ قاضی صاحب (از پشاور) اپنے کو مکمل نفسیاتی مریض تصور کرتے ہیں۔ نفسیاتی مریض وہ نہیں البتہ۔ م صدیقی کا ذہن ضرور اُلجھا ہوا ہے۔ بے شک بعض لڑکوں میں نمایاں طور پر زنانہ پن موجود ہوتا ہے۔ تاہم وہ شخصیت کے اس مسخ شدہ جزد کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

وہی مسئلہ:

میں تقریباً مضمون میں ''کردار سازی'' کا ذکر ضرور کرتا ہوں نفسیاتی علاج کا مسئلہ دراصل کردار سازی کا مسئلہ ہے۔ آپ اپنے کو جو کچھ بنانا چاہیں گے۔ وہی بن جائیں گے۔ م صدیقی کا جسم مرد جیسا ہے (یہ قدرت کی تخلیق ہے) اور ''ذہن'' لڑکی جیسا (یہ ان کی اپنی تصنیف) م صدیقی نے شدید تاثر پذیری کے تحت اپنے کردار کو زنانہ بنا لیا۔ کیا وہ قوت ارادی کو بروئے کار لا کر اپنی لڑکی کو لڑکا نہیں بنا سکتے؟ ضرور بنا سکتے ہیں۔ کس طرح؟ آہستہ آہستہ! نہیں اپنی سوچ کو بدلنا پڑے گا غالباً اس مشورہ پر وہ یہ کہیں کے کہ میں ضعف ارادہ میں مبتلا ہوں۔ میرے اندر اتنی قوت ارادی ہی موجود نہیں کہ اپنے کردار (انداز فکر) کو بدل سکوں مگر میں اسے تسلیم نہیں کروں گا۔ آموزش اور تربیت سے حیوان تک کے کردار کو بدلا جا سکتا ہے طوطا فال نکال سکتا ہے۔ مینا گیت گا سکتی ہے۔

اونٹ رقص کرسکتا ہے۔ کتا گاڑی چلاسکتا ہے (ان گنت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں) تو کیا انسانی کردار کوتبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چیونٹی سے لے کر ہاتھی اور مکھی سے لے کر مرغی تک کون سا جانور اور جاندار ایسا ہے۔ تعلیم وتربیت سے جس کے کردار کو نہ بدلا جاسکتا ہو۔ م صدیقی اپنے ذہن کے خول میں بند ہیں۔ ایسے لوگوں کو دروں بیں یا اندروں گرد کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو ہمیشہ اپنی تاک جھانک میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ انکی اپنی ذات ہوتی ہے۔ وہ کبھی اپنے تصورات کی دنیا سے باہر نہیں نکلتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سچ مچ بسر کی جانے والی زندگی اور اس کے عملی تقاضوں سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔ وہ ہجوم میں گھرے ہونے کے باوجود شدید تنہائی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ (نفسیاتی مریضوں) کو اپنی تحلیل نفسی خود کرنا چاہئے ۔تحلیل نفسی یہ کہ وہ خود اس بات کا پتا چلانے کی کوشش کریں کہ یہ خیال (غیر حقیقی اور مضحکہ خیز خیال مثلاً یہی کہ میں لڑکی ہوں) آخر کیوں میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے بچپن کے واقعات کو (جن سے اب تک ان کا ذہن متاثر ہے) یاد کریں اور پھر انہیں قلمبند کریں۔ وہ خود اپنے قلم سے اپنی جذباتی کہانی لکھیں بار بار اپنے سے سوال کریں کہ میں آخر فلاں اور فلاں بات کیوں چاہتا ہوں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ میں ایب نارمل تصورات میں مبتلا ہوں۔ آخر کیوں؟۔ آخر کیوں؟ رفتہ رفتہ م۔ صدیقی کے اس سوال (کہ میں کیوں لڑکے کی بجائے لڑکی بننا چاہتا ہوں) کا جواب خود ان کے اندر سے اچھل پڑے گا۔ ان کے نفس میں (لڑکی کے بارے میں) کوئی جذباتی کانٹا اٹکا ہوا ہے۔ بچپن میں کوئی نہ کوئی ایسی بات پیش آچکی ہے۔ ایسا حادثہ گزر چکا ہے جس نے انہیں اس اُلجھن میں پھنسا دیا۔ ذاتی تحلیل نفسی کے نتیجے میں بلاشبہ یہ کانٹا ان کے ذہن سے نکل جائے گا۔

ہمزاد جذبے:

س۔م۔الف (لاہور) نے اپنے مزاج کے چڑ چڑے پن کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ تشدد پسندی کی طرف مائل ہیں اس سلسلے میں عرض کر چکا ہوں کہ جنس وتشدد دو ہمزاد جذبے ہیں۔ اگر

انسان جنسی طور پر آسودہ نہیں تو وہ یا اپنی جان پر ظلم کرے گا یعنی خود اذیتی یا خود آزادی (اپنے کو دکھ دے کر مخفی سکھ اور در پردہ لذت حاصل کرنا) میں مبتلا ہو جائے گا یا تشدد پر اتر آئے گا۔ اس عہد کا نوجوان عجیب قسم کے ہیجان و تشدد میں مبتلا ہے۔ توڑ پھوڑ، شکست و ریخت، خونریز مظاہرے، اسکولوں اور کالج کے ہنگامے، طلبہ و طالبات کی عام بے چینی، اشتعال انگیز نعروں کی گونج، بم کے دھماکوں کی گرج، اساتذہ کی بے حرمتی اور بے احترامی! یہ سب کیا ہے۔ یہ اس جذباتی ہیجان کے مظاہرے ہیں۔ جس میں نوجوان مبتلا ہیں۔ س۔ م۔ الف ہوں یا ان کے ساتھی چند باتیں یاد رکھیں (1) اگر کبھی کبھی ان کا دماغ بند ہو جائے (2) ذہن میں بوجھل ہو جائے (3) وہ اندرونی جھلاہٹ سے دوچار ہوں (4) ایک عجیب قسم کی گھبراہٹ ہمیشہ طاری رہے (5) رونے کو جی چاہے (6) حافظہ کمزور محسوس ہو (7) نصابی کتابیں سمجھ میں نہ آئیں (8) احساس گناہ کا غلبہ ہو (9) کچھ غیر معمولی جنسی عادتوں میں مبتلا ہو جائیں (10) صنف نازک کے مقابل احساس کمتری پیدا ہو جائے (11) والدین اور بزرگان خاندان کے خلاف بغاوت کا جذبہ بیدار ہو (12) ہم جنسی کی طرف رجحان و میلان ہوں (13) اپنے تصورات کی دنیا میں مگن رہنے سکیں (14) گوشہ تنہائی میں جی بہلے (15) مجمع سے وحشت ہونے لگے (16) خیالی قلعے بنانے اور خیالی پلاؤ پکانے کی عادت پڑ جائے (17) بے ترتیب اور ڈراؤنے خواب نظر آئیں (18) صبح کو بیداری کے بعد محسوس ہو کہ رات بھر جاگتے رہے ہیں (19) یا نیند نہ آئے (20) بے سبب لڑنے جھگڑنے کو جی چاہے (بے شمار علامات بیان کی جا سکتی ہیں) تو ہر نوجوان کو سمجھ لینا چاہے کہ وہ جوانی کے قدرتی تقاضوں سے دوچار ہے۔ عہد جوانی میں یہ ساری چیزیں ایب نارمل نہیں نارمل ہوا کرتی ہیں نوجوانوں میں حقیقت پسندی کی صلاحیت ایک دم بیدار نہیں ہو جایا کرتی۔ اس منزل پر پہنچنے کے لئے انہیں زندگی کے مختلف تجربوں اور حادثوں سے گزرنا پڑے گا۔ فکر میں پختگی اور ذہن میں بلوغیت ایک دم پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر نوجوان کبھی کبھی لغزش قدم کا شکار ہو جائیں تو انہیں غیر ضروری حد تک ملامت نہیں کرنا چاہئے نہ بار بار اس غیر ضروری دعوے کی تکرار مناسب ہے کہ تم مجرم ہو۔ تم گناہ گار ہو۔ تمہارا قصور نہ معاشرہ برداشت کر سکتا ہے نہ قدرت! اس قسم کی

الزام تراشیوں سے نوجوانوں کی اصلاح ممکن نہیں ۔انہیں اس طرح سُدھار انہیں مزید بگاڑا جاسکتا ہے یہ تعمیری طریقہ نہیں تخریبی طریقہ کار ہے ۔نوجوان سے کیا اور کس طرح برتاؤ کرنا چاہئے یہ کہ انہیں نرمی ملائمت ،شائستگی اور خوش اخلاقی کے ساتھ اعتدال پسندی کی تعلیم دی جائے ۔نسل نو کے افراد سے مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ تم اپنی کسی جذباتی لغزش کو ایب نارمل اور غیر قدرتی حادثہ قرار نہ دو ۔تم ہر طرح کی ذہنی الجھنوں ،جذباتی کشمکش ،جنسی ترغیبات اندرونی اور باطنی اضطراب سے دو چار ہوگئے ۔ یہ سب کچھ ہوگا ۔اس قسم کے تمام جذباتی حادثے پیش آئیں گے ۔تم انہیں اپنی مستقل معذوری اور مسلسل بیماری کیوں تصور کرتے ہو ۔یہ سب عارضی اور وقتی دور ہوا کرتی ہیں ۔

کوہِ ندا!

غیرانسانی:

آج پہلی مرتبہ آپ سے مخاطب ہو رہی ہوں ۔آپ کے مضامین کا مطالعہ مسلسل کرتی رہی ہوں ۔آج ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں ۔اُمید ہے کہ تشریح فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے ۔میں انٹر کلاس (بارہویں جماعت) کی طالبہ ہوں عمر تقریباً 17 سال ہے مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک ''غیبی آواز'' کا شکار ہوں ۔ میں نہیں جانتی کہ یہ آواز کیا ہے؟ کس کی ہے؟ یہ آواز دن یا رات !کسی بھی وقت آجاتی ہے ۔آج سے تقریباً دو برس پہلے کی بات ہے کہ میں اپنے کمرہ میں اسکول کے کام میں منہمک تھی تو اچانک آواز آئی ''ع'' میں اپنا نام سن کر چونک پڑی ۔اس آواز میں کچھ حیرت تھی کچھ حکم !اس پُر اسرار اور اجنبی آواز کو سن کر میرا دل دھڑکنے لگا ۔اب تک ہزاروں آدمیوں کی آوازیں سن چکی ہوں اور نہ جانے کتنے آدمی میرے نام سے مجھے پکار چکے تھے اور پکارتے ہیں لیکن اس آواز میں کچھ بات ہی عجیب تھی ۔آواز مرد کی تھی نہ عورت کی نہ بوڑھے کی نہ نوجوان کی !بلکہ غیر انسانی قسم کی آواز تھی ۔میں نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ مجھے کسی نے پکارا

ہے تو سب نے نفی میں جواب دیا۔

آگے بڑھو:

تو محترم اس وقت سے اب تک کبھی آپ اصلی نام سے کبھی عرف نام لے کر کوئی مجھے پکارتا ہے ۔کالج میں ہوں یا گھر میں ہر جگہ یہ آواز میرا پیچھا کرتی رہتی ہے ہر روز نہیں تو تیسرے چوتھے روز مجھے اسی طرح پکارا جاتا ہے۔ میں نے اس آواز سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ یہ کہنا چاہتی ہے کہ

ارے! تم ابھی یہیں تک پہنچی ہو۔ آگے بڑھو اور آگے بڑھو!

یوں سمجھئے کہ خوشگوار موسم میں کوئی بدذوق کمرہ بند کئے بیٹھا رہے تو ہم کہیں گے کہ ارے! عجیب بدذوق ہو ایسے خوشگوار موسم میں تم کمرہ بند کئے بیٹھے ہو۔ باہر نکل کر دیکھو کیسا پیارا پیارا ماحول ہے؟ تو یہ آواز پورا جملہ ادا کرنے کی بجائے صرف میرا نام لے کر پکارتی ہے اور اس پکارنے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ۔ ع!۔ ارے! اب تک تم یہیں ہو۔ چلو آگے بڑھو!

یعنی آواز مجھے ترقی پر ابھارتی ہے۔ یہ کہتی ہے (یا کہنا چاہتی ہے) کہ بے کار باتوں اور فضول نیند میں وقت ضائع نہ کرو۔ ترقی کرو۔ آگے بڑھو۔ اگر میں وقت سے پہلے سونے کی کوشش کروں تو یہ آواز مجھے سونے نہیں دیتی۔ میرا نام پکار کر اُٹھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ صرف ایک سیکنڈ!

صرف ایک سیکنڈ میں یہ آواز گونجتی ہے اور فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ کئی بار میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ صرف نام لے کر کیوں پکارتی ہو۔ کوئی جواب نہیں۔

پُراسرار صداقتیں:

ایک مرتبہ آپ نے لکھا تھا کہ!

اس کائنات میں نجانے کتنے عجیب و غریب راز پوشیدہ ہیں۔ نجانے کتنی پراسرار صداقتیں ہیں جن تک انسان کی رسائی نہیں تو کیا۔ میں بھی کسی پراسرار حقیقت کی زد میں آئی ہوں؟ آپ ازراہ

کرم جلد از جلد اپنی بیٹی کی پریشانی رفع کیجئے اپنی رائے سے ضرور مطلع فرمائیے۔ آخر کیا وجہ ہے یہ آواز صرف مجھے ہی کیوں سنائی دیتی ہے۔ گھر کے دوسرے افراد اسے کیوں نہیں سنتے؟ میں آپ کی تشریح کی منتظر رہوں گی۔

(ع۔ش از جیکب آباد)

فریب سماعت:

بظاہر یہ فریب سماعت کا معاملہ ہے۔ بعض اوقات انسان کے کان بجنے لگتے ہیں۔ بعض بیماریوں میں انسان کو فریب سماعت (یعنی یہ فریب کہ مجھے کوئی آواز دے رہا ہے۔ کوئی پکار رہا ہے) کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔

یہ فقط شور ش ہوا تو نہیں
کوئی مجھکو پکارتا تو نہیں

کیا ع۔ش۔ فریب سماعت میں مبتلا ہیں؟ تنہائی میں ایک آواز گونجتی ہے اور ان کا نام لے کر پکارتی ہے۔ یہ آواز کسی اور کو سنائی نہیں دیتی۔ صرف ع۔ش کو سنائی دیتی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ یہ غیر انسانی آواز ہے۔ نہ عورت کی ہے نہ مرد کی نہ بوڑھے کی ہے نہ جوان کی۔ کہاں سے آتی ہے یہ آواز؟ کون دیتا ہے یہ آواز؟ پکارنے والا کون ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ع۔ش نے سوال کیا ہے کہ کیا یہ آواز میرے لاشعور کی آواز ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ بے شک ایسا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ اندرونی آوازیں بیرونی آوازیں لگتی ہیں۔ انسان کے پانچوں حواس فریب پذیر ہیں۔ انسانی آنکھ بھی دھوکہ کھا جاتی ہے۔ کبھی کبھی نظر کے سامنے خیالی اور وہمی شکلیں ناچنے لگتی ہیں۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اجنبی چہرے فضا سے ابھرے اور فضا میں ڈوب گئے لیکن ایسا خاص خاص نفسیاتی کیفیتوں اور ذہنی حالتوں کے تحت ہوتا ہے۔ شیزوفرینیا (تقسیم شخصیت) کی بیماری میں انسان کو اکثر حالتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ش۔ع۔ ہوسکتا ہے کہ ذہنی بٹوارے یا تقسیم شخصیت کی مریضہ ہوں۔ اور اس ذہنی بٹوارے کی حالت میں انہیں اپنا نام سنائی دیتا ہو۔ بہر حال یہ ایک نفسیاتی کیس

بھی ہوسکتا ہے لیکن (اور یہ لیکن بہت چونکا دینے والی ہے) اس پُر اسرار آواز کا سر چشمہ کوئی پراسرار طاقت بھی ہوسکتی ہے۔ ع۔ش کے بعض بیانات عجیب وغریب ہیں۔ مثلاً اس اجنبی، پراسرار اور غیبی آواز کا مفہوم یہ ہے کہ ع۔ش زندگی میں آگے بڑھو۔ یعنی یہ آواز ان کی ہمت بندھاتی ہے۔ اور انہیں آگے بڑھنے پر اکساتی ہے۔

صوتِ سرمدی:

آواز کے سلسلے میں ایک اور حقیقت کی وضاحت ضروری ہے۔ صوفیوں کا تجربہ ہے کہ انہیں بے خودی کے عالم میں ''صوت سرمدی'' (غیبی آواز) سنائی دیتی ہے۔ میرے مرحوم دوست بشیر درانی کو ابتدائی عمر میں مراقبوں اور چلوں سے بے حد ذوق تھا۔ کہتے تھے کسی بزرگ نے ذکر جلی کی تعلیم دی تھی۔ یہ تنہا کمرے میں ذکر جلی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان پر استغراق کی حالت طاری ہونے لگی۔ ایک عظیم روشنی نمودار ہوئی جس کے سبب سرشاری و بے خودی پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ وہ روشنی یا تجلی آواز گونجتی تھی اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ فضاؤں میں معلق ہیں۔ بے شک تجلی اور آواز ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔

ان کو دیکھا کہ گفتگو کر لی
ایک شئے ہیں تجلی و آواز

جب کچھ نہ تھا تو ''کچھ نہ تھا'' کے اندر سے ایک تجلی نمودار ہوئی۔ یا ''کچھ نہ تھا'' پر ایک تجلی نے نزول کیا پھر یہ تجلی صدائے کن میں منتقل ہوگئی۔ یعنی ''ہوجا'' کی آواز بن گئی۔ اور ''ہوجائے'' کے اندر سے کائنات نمودار ہوئی۔ یہ وہ نکتے ہیں جنہیں وہ لوگ بیان کیا کرتے ہیں۔ جنہیں حقیقت کو جاننے کا دعویٰ ہے۔ رئیس امروہوی ہوں یا ع۔ش نہ وہ حقیقت سے باخبر ہیں نہ میں! خیر یہ موضوع بہت طویل ہے۔ میں نے ع۔ش سے دریافت کیا ہے کہ یہ آوازیں کانوں سے سنائی دیتی ہیں یا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دماغ کے پچھلے حصے میں کوئی نام لے کر پکار رہا ہے۔ یہ سوالات بے حد اہم ہیں۔ اس آواز کی گہرائی کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ آواز کا منبع کہاں ہے

۔ درحقیقت انسانی دماغ کو ہ ندا واقع ہوا ہے۔ مگر اس کوہ ندا کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔

کیا ہے یہ نغمہ وجود عدم
بازگشت صدائے گنبد راز

اندرونی کرب

ایک عزیز ترین دوست لاہور سے لکھتے ہیں کہ ایک لفافہ اور دو پوسٹ کارڈ ملے۔ جس محبت و خلوص سے آپ یاد فرماتے رہتے ہیں اس کا احساس و اعتراف ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پچھلے تین سال میں آپ کے خطوط کے علاوہ کسی چیز نے مجھے زندگی بسر کرنے کا حوصلہ نہیں بخشا اور اب تک جو مکمل ذہنی اختلال سے محفوظ رہ سکا تو اس کا واحد سبب بھی آپ کی ذات اور توجہ ہی ہے۔ کیا بتاؤں اتنے عرصہ تک خط کیوں نہ لکھ سکا سخت قسم کے ذہنی دورے پڑتے ہیں۔ بظاہر بالکل نارمل معلوم ہوتا ہوں لیکن اندرونی کرب بے حال کر دیتا ہے۔ اس عالم میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ چند سطریں لکھنا تک محال لگتا ہے۔ لوگ ظاہری حالت سے اندرونی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ستمبر کی ابتداء سے اب تک اسی جنجال میں گرفتار ہوں۔ ڈھاکہ چھوڑنے کے بعد جو حالات اعصاب کی ہوئی تھی وہی حالت پرویز (مکتوب نگار کا بیٹا) کی واپسی لندن سے ہوئی یعنی از سر نو زندگی کی ابتداء ناگزیر ہوگئی ہے۔ میں نے چار بار زندگی کی ابتداء کی ہے۔ اب پانچویں بار از سر نو زندگی شروع کرنے کے لئے جسم و ذہن کو تیار نہیں کر پاتا۔ اس لئے ہر اعتبار سے سخت مضمحل اور جھنجلاہٹ کا شکار ہوں۔ خیر یہ میرے مقدر کی کہانی ہے۔ اس زمانے میں خط نہ لکھنے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اب پھر میں نے اخبار پڑھنا بند کر دیا ہے پہلے آپ کے قطعات سے متاثر ہو کر چند سطریں لکھ دیا کرتا تھا۔ اب اس کا بھی موقع نہیں ملتا۔ اخبار میں پڑھتا ہی نہیں البتہ آپ کی مساعی کا اندازہ لگا سکتا ہوں اور آپ کی کامیابی پر فخر محسوس کرتا ہوں، یقیناً کراچی کی حد تک آپ نے متعدد مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور کامیاب بھی ہوئے ہیں یہ کتنی بڑی بات ہے کہ آپ نے ''مقصد زندگی'' کا

تعین کرلیا ہے۔ کامیابی و نا کامیابی تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ بھائی! میں آپ کی توجہ کا مستحق و محتاج ہوں اگر خط نہ لکھ سکوں تو اسے میری مجبوری سمجھ کر معاف کر دیں۔ جو شخص اپنے اعمال وافعال پر قادر نہ ہو وہ قابل معافی ہوتا ہے۔

(م۔الف)

ذہن وکردار:

آپ نے میرے ایک ''یارعزیز'' کی تحریر پڑھی۔ کس قدر کرب سے اس تحریک میں اور کس قدر سوز؟ یہ معاملہ صرف م۔الف کے ساتھ ہی پیش نہیں آتا ہر دردمند اور حساس دل کو ''اندرونی کرب'' سے گزرنا پڑتا ہے۔

حقیقت کیا ہے اس کرب نہاں کی؟

یہ قیمت ہے تو کس جنس گراں کی

مکتوب نگار نے 47ء میں دہلی سے ڈھاکہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ مرحوم مشرقی پاکستان کے جان بلب دارالحکومت میں نئی زندگی کا ڈول ڈالا، جون 1971ء تک وہاں عزت وحرمت کے ساتھ رہے اور آخر جون 1971ء میں دوبارہ مہاجر بن کر ڈھاکہ سے کراچی آ گئے۔ اور اب لاہور میں سخت ذہنی اضمحلال، اندرونی سوز وکرب اور روحانی اضطراب کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ''ذہن'' کس طرح پورے انسانی کردار کو منحرف اور تباہ کر دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ بعض اوقات تیز ذہانت کس طرح خود ذہین آدمی کو زخمی کر ڈالتی ہے۔

چھری ہوگئی روح کے آر پار

نہ پوچھو میرے ذہن کی تیز دھار

م۔الف چونکہ مجھے بہت عزیز ہیں۔ اس لئے میں نے بطور خاص یہ خط نقل کر دیا ورنہ ان خطوط کا ایک دفتر سامنے ہے۔ پچھلے دس بارہ سال میں چالیس پچاس خط روزانہ کے لحاظ سے اب تک اس مضمون یا اسی قسم کے مضامین کے ایک لاکھ سے زیادہ خطوط ان بدنصیب آنکھوں

سے گزر چکے ہیں۔

پڑھتے پڑے ہزار مکاتب خونچکاں
اک نامہ نوازش جاناں کے واسطے

اس عہد کے ہزار ہا افراد اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ م۔الف نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ سخت قسم کے ذہنی دورے پڑتے ہیں۔ بظاہر نارمل رہتا ہوں لیکن اندرونی کرب نڈھال کر دیتا ہے۔ اس عالم میں کوئی کام نہیں کرسکتا۔ چند سطریں لکھنا محال لگتا ہے۔ م۔الف طبعاً صحافی واقع ہو رہے ہیں۔ با ایں ہمہ حال یہ ہے کہ اخبار تک پڑھنا بند کر دیا ہے۔ مبادا بیرونی دنیا کی ہوا ذہن تک پہنچ جائے۔

فرار و گریز:

یہ فرار و گریز کی انتہا ہے۔ ادنیٰ حیوان سے لے کر اعلیٰ درجے کے حیوانات تک کی جلبت یہ ہے کہ وہ خطرے کے وقت سمٹ اور سکڑ جاتے ہیں۔ آپ کیڑے مکوڑوں کو چھیڑیئے۔ وہ اپنے اندر سمٹنے لگیں گے۔ انسان بیرونی دنیا کی تاب نہیں لاتا تو اسی حیوانی جلبت پر عمل کرتا ہے یعنی اپنی ذات کی پناہ گاہ کے اندر چھپ کر محسوس کرتا ہے کہ ساری دنیا سے بے نیاز ہو گیا۔ اسے ''اندرون بینی'' کہتے ہیں۔ یعنی انسان مسلسل اپنے اندر جھانکتا رہتا ہے مسلسل! آدمی جتنا زیادہ ذہین ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ حساس ہوگا۔ اور جتنا زیادہ حساس ہوگا اتنا ہی وہ دور بین اور اندرون نگر ہوگا۔ اپنی ذات سے اس قدر چسپید گی ایک پہلو سے ذہنی مرض اور دوسرے پہلو سے تخلیقی بیداری کی علامت ہے۔ جتنے شاعر، ہنر کار اور فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں وہ اپنی ذات سے غیر معمولی طور پر وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ طرح طرح سے اپنی ذات کے ہر پہلو کو پرکھنے اور اجالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے دوست جیون کے دُکھوں کو نہ سہار سکے اور ہمت ہار بیٹھے۔ یہ بہت بڑا سانحہ ہے۔ میں م۔الف کا بے تکلیف دوست ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ میرے مشورے کو نہ سنیں گے نہ اس پر عمل کریں گے۔ میں پہلے ہی

م۔الف کو یہ مشورہ دے چکا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو خدمت خلق اور آبادکاری کے لئے وقف کر دیں لیکن یہ درخواست مسترد کر دی گئی۔ البتہ ذہنی اضمحلال، روحانی کرب، دماغی بے چینی اور نفسیاتی الجھنوں کے مریضوں کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ ان کی روحوں میں جتنے لاوے اُبل رہے ہیں ان کے سینوں میں جو کوہ آتش فشاں دہک رہا ہے۔ ان کے نفس میں جو گرہیں پڑ گئی ہیں انہیں چھپائیں نہیں کاغذ پر انڈیل دیں۔ اسے نفسیات کی اصطلاح میں ''خودنویسی'' کہتے ہیں۔

مراقبہ اور اعتکاف

مراقبہ کہتے ہیں۔ کسی ایک تصور یا خیال کے گرد ذہن کا گردش کرنا مثلاً نور کا تصور ہے حسن کا تصور ہے۔ موت کا تصور ہے۔ آج کل امریکہ اور یورپ کے حساس اور ذہین انسان لوگ اس کی طرف بہت مائل ہیں اور یورپ وامریکہ میں تعلیم یافتہ سادھوؤں نے اپنے باضابطہ آشرم قائم کر رکھے ہیں۔ مراقبہ کرنے والوں کا بیان ہے کہ اس عمل سے انہیں بے شمار فائدے حاصل ہوئے اور عجب طرح کے روحانی سکون کا احساس ہوا۔ ہم ایک پر شور دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں ۔آسمان پر صداشگاف طیاروں کی گڑگڑاہٹ اور زمین پر تیز رفتار گاڑیوں کی دھڑ دھڑاہٹ نے شہروں کی زندگی یا شہروں میں زندگی کو اس قدر پراز ہنگامہ بنا دیا ہے کہ خدا کی پناہ! یہ شوروغوغا، یہ ہنگامہ اور ہلچل! انسانی اعصاب کے لئے تباہ کن ہے۔ دل ودماغ کی بہت سی بیماریاں اور نفس وذہن کی بہت سی پیچیدگیاں، صنعتی اور مشینی ترقی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہیں۔ کوئی اس پرشور زندگی سے بھاگ کر جائے تو کہاں جائے؟ اس عالم میں سکون کہاں؟ کیا ہم چوبیس گھنٹے میں چوبیس منٹ ایسے نہیں نکال سکتے کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے اندر جھانک سکیں۔ حال ہی میں بعض علمائے نفسیات نے بھی مراقبے کی اہمیت تسلیم کر لی ہے اور ذہنی مریضوں کو خاص خاص حالات میں مراقبہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

محمد اسلم (دبئی سے) لکھتے ہیں کہ

کیف وسرور!:

آپ نے مشورہ دیا تھا کہ تم اسم ذات (یعنی اللہ) کا مراقبہ کیا کرو۔ یعنی یہ تصور کہ قلب پر اللہ کا نام نورانی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ یہ مراقبہ میں پوری توجہ سے کررہا ہوں۔ پہلے پہلے چار پانچ روز تک لاشعور زبردست مزاحمت کرتا رہا (یعنی جوں ہی یہ تصور کرتا تھا کہ قلب پر نورانی حروف میں اللہ لکھا ہوا ہے۔ فوراً دوسرے خیالات ذہن پر حملہ کردیتے تھے اور اللہ کا تصور قائم نہیں رہنے پاتا تھا) چندروز کے بعد لاشعور کی مزاحمت ڈھیلی پڑگئی۔ میں ایک گھنٹہ تک یہ عمل کرتا ہوں۔ مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھیں بند کرکے یہ تصور کرتا ہوں کہ قلب پر اسم ذات اللہ (بڑی آب وتاب سے چمک رہا ہے۔ اس تصور سے رانوں اور ٹانگوں میں سرسراہٹ سی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ریڑھ کی ہڈی پر دھچکا سا لگتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز پاؤں سے نکل کر ریڑھ کی ہڈی سے ٹکرار ہی ہے۔ یہ ٹکراؤ محسوس ہوتے ہی ذہن میں عجیب قسم کے کیف وسرور کی لہر دوڑ جاتی ہے اور دل میں نشاط وشادمانی کی لہریں اُٹھنے لگتی ہیں اس حالت میں جسم کا وزن غائب ہوجاتا ہے۔ بے وزنی کی کیفیت دن میں کئی بار محسوس کرتا ہوں۔ ذہن پر ہر وقت نشہ سا طاری رہتا ہے حالانکہ میں نے کبھی کسی قسم کا نشہ نہیں کیا۔ سگریٹ تک نہیں پیتا۔ البتہ جب سے مراقبہ شروع کیا ہے بے پئے مست وسرشار رہتا ہوں۔ البتہ جوں جوں تصور پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ دماغ میں روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ آنکھیں بند کرتے ہی روشنیوں کے سیلاب امڈ آتے ہیں۔ کبھی کبھی (مراقبے میں) غنودگی سی طاری ہونے لگتی ہے تو دماغ کو بجلی کا سا جھٹکا لگتا ہے۔ سات آٹھ روز سے ایسا لگتا ہے کہ جسم کا وزن غائب ہوگیا ہے۔ جیسے میں ہوا کا بنا ہوا ہوں اور ہوا میں پرواز کررہا ہوں اس کے ساتھ ایک عجیب کیفیت یہ ہے کہ جس شے یا جس شخص کو دیکھوں تو اس کے گرد روشنی کا ہالہ نظر آتا ہے۔ وہ چیز سرخ ہوتو ہالہ سبز ہوتا ہے اور سبز رنگ کی چیز کو دیکھوں تو ہالے کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ لوگوں کے گرد نور کے سفید ہالے نظر آتے ہیں۔ محمد اسلم صاحب نے مراقبے کی جو کیفیت بیان کی ہے۔ آپ اسے غور سے پڑھئے۔ وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ قلب پر اللہ کا نام روشن حروف میں لکھا ہوا ہے اس

تصور کی بدولت اُن کے حواس میں اس قدر لطافت پیدا ہوگئی ہے کہ جسمانی وزن کا احساس تک ختم ہوگیا ہے اور ہر وقت نشے کی کیفیت سی طاری رہتی ہے۔ کیف و سرور اور نشاط و شادمانی کی یہ حالت قوت حیات کی بیداری سے پیدا ہوتی ہے۔ یوگ میں اس قوت کو کنڈالنی شکتی یا مار آتشیں (سرپنٹ فائر) کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے میں یہ پراسرار قوت سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ صوفیا نے لطیفہ زیر ناف کا ذکر کیا ہے۔ یہ لطیفہ زیر ناف اسی پراسرار قوت سے تعلق رکھتا ہے۔

نورانی ہالے:۔

احمد یار (لاہور) لکھتے ہیں کہ میں نے اسم ذات پر توجہ کی مشق کی طریقہ یہ تھا کہ اللہ کے لفظ پر نظریں جمادیتا اور پلکیں جھپکائے بغیر اسے تکے جاتا اور کوشش کرتا کہ توجہ کی پوری قوت اسی اسم (اللہ) پر چھا جاتے۔ پھر سیاہی سفیدی میں تبدیل ہوگئی۔ یعنی سفید ابر پارے اسم اللہ کے گرد نظر آنے لگے۔ پھر سفید اور سیاہ بادل نظر آتے ہیں اور ایک دم اندھیرا چھا جاتا ہے کچھ دیر کے بعد اندھیرا ختم ہوجاتا اور پورا کمرہ روشنی سے بقعہ نور بن جاتا۔ اسم ذات نگاہوں کے سامنے سے غائب ہوجاتا اور اس کی جگہ روشنی نظر آتی۔ روشنی قلب سے نکل کر آنکھوں میں آتی اور آنکھوں سے نکل کر اس کاغذ پر پڑتی جس پر اسم ذات تحریر ہے۔ ایسا لگتا کہ روشنیوں کا طوفان آیا ہوا ہے۔ ان روشنیوں کے مختلف رنگ ہوتے۔ سفید، سرخ، آسمانی رنگ کی! کئی دفعہ ایسا ہوا کہ اندھیرے میں یکا یک روشنی کے دائرے سے پھیل گئے اور تمام اشیاء کے گرد نورانی ہالے نظر آنے لگے۔ شیر افگن (واہ کینٹ سے) رقمطراز ہیں کہ میں آپ کا شاگرد اور مرشد برحق حضرت باہو قدس اللہ سرہ العزیز کا مرید باطنی ہوں۔ سلسلہ سروریہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں اسم ذات کی مشق کرتا ہوں۔ طریقہ کار یہ ہے کہ ناک کے سوراخوں سے سانس کھینچ کر سینے میں بھر لیتا ہوں اور یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ کا نام جگمگاتا ہوا سانس کے ساتھ سینے میں داخل ہو رہا ہے۔ جب سانس کو اللہ کے تصور کے ساتھ روکتا ہوں تو کان میں غوں غوں کی آواز آنے لگتی ہے۔ تصور میں جتنی پختگی ہوتی ہے آ

واز بھی اتنے ہی زور سے آتی ہے۔ بعض حضرات کو مراقبہ نور میں شدید گرمی کا احساس ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ پسینے پسینے ہو جاتے ہیں۔ ایسے شدید الاحساس لوگوں کو مراقبہ بحری کرنا چاہئے یعنی یہ تصور کہ وہ پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں ذات حق میں مستغرق ہیں۔

توجہ کا ارتکاز:

نفسیاتی نقطہ نظر سے مراقبہ ذہنی صحت کے لئے بے حد مفید ہے۔ ہماری تمام ناکامیوں، شکستوں اور نامرادیوں کا سبب پراگندہ خیالی ہے۔ زندگی میں عملی کامیابی وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اپنے ذہن کی تمام قوتیں صرف کر کے ایک نقطہ پر مرکوز کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ صنعت ،تجارت ،روزگار، عملی تحقیق ،سیاسی مشاغل ،سائنسی ایجادات غرض فکر و عمل کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں کامیابی کی بنیادی شرط توجہ کا ارتکاز کامل نہ ہو۔ توجہ اگر بٹی ہوئی ہو تو آدمی کسی شعبہ حیات میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ انسانی ذہن ہمیشہ بھٹکتا رہتا ہے اور شعور کی رو اپنی مرضی سے ادھر ادھر بہتی رہتی ہے۔ توجہ کی پراگندگی اور شعور کی آوارہ خرامی انسان کی عملی صلاحیتوں کو کند کر دیتی ہے۔ اور وہ کوئی کام دلجمعی سے نہیں کرسکتا۔ امریکہ میں مراقبے کے اثرات کے بارے میں جو تحقیقات عمل پیمانے پر کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لگ کر مراقبہ کرنے والے لوگوں کی قوت ارادی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان میں عجب طرح کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ ہمیں مراقبے کے ذریعے نشاط و سرور کی ایسی لذیذ کیفیتوں کا احساس ہوا ہے کہ ''منشیات'' کا ذوق ور جحان ختم ہو گیا ہے۔

اعتکاف:

رمضان کا عشرۂ آخر اعتکاف کے لئے مخصوص ہے۔ 20 رمضان کے بعد اہل دل حضرات دنیا کے مشاغل ترک کر کے گوشہ تنہائی میں جا بیٹھتے ہیں۔ اور یہ پوری مدت مراقبے اور تفکر میں بسر کر دیتے ہیں۔ زیادہ نہیں دن میں صرف پندرہ منٹ کا مراقبہ کافی ہے۔ آنکھیں بند کر کے یہ تصور

کیجئے کہ قلب پر اسم ذات (اللہ) نورانی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ شروع میں یہ تصور قائم نہ ہوگا۔ جونہی آپ اسم ذات کا تصور شروع کریں کہ نرمی اور آہستگی سے ان خیالات کو ہٹا کر پھر اسم ذات کا تصور شروع کر دیں بار بار ایسا ہی کریں۔ روزے کی حالت میں مراقبہ بے حد لطف دیتا ہے اور دل و دماغ پر عجب طرح کی سرشاری چھا جاتی ہے۔ دنیا کی کسی شراب اور کسی مشروب اور (LSD) کی کسی گولی میں کیف آفرینی اور کیف افزائی کی وہ تاثیر نہیں پائی جاتی جو مراقبے کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ آپ ماہ مبارک رمضان میں روزانہ پندرہ منٹ مراقبے میں ضرور بسر کریں۔ اور اس زمانے میں دل و دماغ پر جتنی کیفیتیں گزریں جتنی حالتیں طاری ہوں انہیں قلم بند کرتے رہیں۔

شفق ہفت رنگ

میں نے عرض کیا تھا کہ مراقبہ ذہنی صحت کے لئے اکسیر تاثیر رکھتا ہے۔ جب ہم اپنے سے باہر کی دنیا کے شور و غل سے اکتا جائیں۔ آنکھیں دیکھتے دیکھتے اور کان سنتے سنتے تھک جائیں تو بہتر ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے چند لمحے اپنے اندر ڈوب جایئے اور پھر دیکھئے کہ آپ کی تہہ میں کیا کیا چھپا ہوا ہے۔

تم اے رئیس اب نہ اگر اور مگر کرو
کچھ دیر اپنے ساتھ بھی پیارے! بسر کرو
شائد کہ ذات کا اسی لمحے میں ہو ظہور
کچھ دیر اپنی ذات سے قطع نظر کرو

کچھ دیر کے لئے اپنی ذات سے قطع نظر کر لینا آسان کام نہیں۔ حیات و کائنات کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسے انسان اپنی ذات کے حوالے سے نہ سوچتا ہو۔ ہماری سوچ اپنے اندر سے پھوٹتی ہے اور ہر فکر، ہر خیال، ہر جذبے اور ہر خواہش کی جڑیں اپنی انا (یعنی میں) کے اندر چھپی ہوئی ہیں، تاہم گہری توجہ کے عالم میں چند لمحے ایسے آتے ہیں کہ انسان محدود ذات کی پابندیوں سے

کسی قدر آزادی محسوس کرنے لگتا ہے۔ع۔صوفی (کراچی) اپنے مکتوب 21 دسمبر 74ء میں لکھتے ہیں کہ

مختصر مدت میں:

10 ستمبر سے 19 ستمبر تک کی مختصر مدت میں کن کن مرحلوں سے گزرا ہوں بیان نہیں کر سکتا ۔نجانے کتنی بار مر مر کر جیا ہوں۔زمان اور مکان کی حدود سے خدا جانے کتنی بار آزاد ہوا ہوں ۔درود شریف کے ورد کے دوران جب بھی حالت استغراق طاری ہوئی تو یہ محسوس ہوا کہ دھنک کے ساتوں رنگوں میں تحلیل ہوتا جا رہا ہوں۔شفق ہفت رنگ کا یہ منظر عجیب لاثانی منظر تھا کہہ نہیں سکتا کہ ان الحات (ڈوب جانے کے لحات) میں کیا گیا انور حقیقت نظر سے گزرے؟قلم اس کے اظہار سے قاصر ہے ارواح، جنات اور دوسری خارق العادات (سپر نارمل) کے بارے میں پہلے سوچا بھی نہ تھا۔اب سب کچھ دیکھ لیا ہے۔

حواس کی لطافت:

ع۔صوفی نے استغراق کی جو کیفیتیں بیان کی ہیں ان کا تعلق حواس کی لطافت سے ہے بے خودی اور محویت کی حالت میں حواس اس قدر لطیف ہو جاتے ہیں کہ

ذروں میں مہ و مہر درخشاں نظر آئے

تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے (یا فاقے) سے بھی دماغ میں ایسی پر اسرار کیمیادی تبدیلیاں ظہور پذیر ہونے لگتی ہیں کہ انسان اپنے کو مکمل تبدیل شدہ مخلوق تصور کرنے لگتا ہے ۔مشہور اہل قلم آلڈس ہکسلے نے اپنی کتاب (ادراک کے دروازے پر) میں انسانی دماغ کی اس پر اسرار فعالیت پر بحث کی ہے۔آلڈس ہکسلے نے نشہ آور دوا (MESCALIN) استعمال کرنے کے بعد محسوس کیا کہ ہر چیز کا رنگ اور گہرا۔روشنی کی ہر لہر اور زیادہ لطیف اور نازک ہو گئی ہے۔پھر اس نے دیکھا کہ روشنیاں رنگوں میں رنگ روشنیوں میں اور آوازیں نور و رنگ میں تبدیل ہو رہی

ہیں۔یعنی رنگ بولنے لگے ہیں۔لفظ جگمگانے لگے ہیں۔یہ دماغی کیفیتیں صرف مسکیلیں نامی دوا کے زیر اثر پیدا ہوئیں۔آلڈس ہکسلے نے لکھا ہے کہ صوفی پر مراقبے اور وجد وحال کے عالم میں جو حالتیں گزرتی ہیں ان کا سبب بھی چند کیمیاوی تبدیلیاں ہیں جو پاس انفاس کی مشقوں، مراقبے، روزے اور عبادت کے ذریعے دماغ میں واقع ہوتی ہیں اور انسان عام ذہنی سطح سے بلند ہو جاتا ہے۔آلڈس ہکسلے ''کیمیاوی تصوف'' کا مبلغ ہے۔یعنی انسان چند شربتوں اور گولیوں کے ذریعے ظاہر سے باطن کی طرف سفر کرسکتا ہے۔آکسفورڈ یونیورسٹی کے استاد مذاہب عالم پروفیسر زاہنر نے اپنی خردافروز کتاب (MYSTICISM SACRED AND PROFANE) (تصوف علوی / سفلی / میں آلڈس ہکسلے کے تجربات کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ عبادت، مراقبہ، دعا اور باطنی توجہ کے ذریعے صوفی باطن کی جن منزلوں اور نفس کی جن نزاکتوں کا ادراک کرتا ہے۔کیمیاوی تصوف (یعنی نشہ آور دواؤں کے ذریعے وجد وحال کی کیفیت طاری کرنا) کے رسیا اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔مناجات، دعا اور عبادت کی مذہبی حیثیت مسلم ہے۔رہا مراقبہ تو مراقبے کا تعلق مذہب سے نہیں۔یہ ایک خاص نفسیاتی مسئلہ ہے۔آدمی مذہبی ہو یا ملحد مراقبے کے ذریعے اپنی ذہنی حالت میں یقیناً نمایاں انقلاب پیدا کرسکتا ہے۔البتہ اگر مراقبہ کی حالت میں یقین وایمان کی قوت بھی شامل ہوئے تو یہ شراب دوآتشہ بن جاتی ہے۔

نور محل:

رخسانہ نگہت لکھتی ہیں کہ رات کو بستر پر لیٹی تو غنودگی کے عالم میں دیکھا کہ آسمان پر ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا ہے اور اس منظر میں آسمان وزمین کا رنگ گلابی ہو گیا ہے پھر دیکھا کہ ایک نور کا محل (نور محل) ہے جس میں دریچے ہیں نہ دروازے! پھر دیکھا کہ ایک سواری نور آ رہی ہے۔اس نور کی چمک سے آنکھیں (نگاہ باطن) خیرہ ہو گئیں کسی نے کہا کہ ''یہ خدا کا نور ہے'' یقین کیجئے کہ اس وقت میری زبان سے نکلا کہ میرے اللہ! میں BSC سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو جاؤں!

جب خدا کے نور کی سواری جانے لگی تو نور کی رنگت سرخ ہونے لگی۔اس مشاہدہ کے بعد سے میں سچے خواب دیکھنے لگی ہوں۔محمد اسلم (دبئی) کا بیان سنئے میری والدہ ایک درویش سیرت بزرگ ہیں۔وہ کلمہ طیبہ کا ورد کرتی ہیں۔میں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی کلمے کا ورد شروع کردیا۔چار مہینے تک کچھ نہ ہوا۔اب میں بے حد پریشان ہوا۔آخر میں نے شب میں بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کیا۔یکا یک مجھے ایک حیران کن نور نظر آیا۔اس تجلی کو دیکھ کر دل دھڑکنے لگا ایسا لگتا کہ کوئی دل میں سمایا جارہا ہے۔اس وقت سرشاری کی جو کیفیت طاری ہوئی اس کا اظہار الفاظ کے ذریعے ناممکن ہے۔اک روز میں ڈیوٹی پر تھا کہ بجلی کا جھٹکا سا لگا اور میں نے محسوس کیا کہ میں خود مجسمہ نور بن گیا ہوں۔محمد اسلم نے اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا ہے کہاں تک نقل کیا جائے۔اس مضمون کے کئی ہزار خطوط میرے دفتر میں محفوظ ہیں۔وقت آئے گا کہ بیانات ،مشاہدات اور تجربات کی سائنسی پیمانے پر تحقیق وتصدیق کی جائے گی۔دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک میں نفسیات کے اس شعبے (مابعد النفسیات) پر کام کیا جارہا ہے۔سوویت یونین میں کئی ہزار سائنسدان (جن کا تعلق حیاتیات، جوہری طبعیات، کیمیا، الیکٹرانکس، الیکٹرانک فوٹو گرامی وغیرہ وغیرہ سے ہے) بطور خاص نفس انسانی کے انہی مظاہر کی چھان بین کررہے ہیں۔انتہا یہ ہے کہ الیکٹرانک فوٹو گرافی کے ذریعے جاندار اور بے جان اشیاء کے ہالہ ہائے نور کی تصاویر اتار لی گئی ہیں۔یہ تصاویر خود میری نظر سے گزر چکی ہیں۔روزے کے عالم میں ان تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔یہ تجلیات، یہ روشنیاں یہ نورانی ہالے۔یہ درخشاں دھنکیں اور یہ شفق ہفت رنگ کہاں سے آتی ہے۔مجھے علم نہیں۔نہ میں صوفی ہوں نہ عارف! میرا لاشعور شاعر اور شعور سائنس داں ہے میں نے آپ سے صرف یہ درخواست کی ہے کہ آپ ماہ رمضان میں چند بار مراقبہ ضرور کیا کریں۔یہ تصور کہ قلب پر اسم اللہ درخشاں حروف میں لکھا ہوا ہے) صرف یہ تصور کہ قلب میں روشنی ہورہی ہے۔اس حالت میں آنکھیں بند ہوں اور جسم پوری طرح پرسکون ہو) اور اپنی کیفیات قلب مراقبے کے بعد لکھ لیا کریں۔رمضان کے بعد اپنی تمام رپورٹیں میرے نام بھیج دیں۔آج ہی سے مراقبہ شروع کردیجئے۔عجب کیا ہے کہ اسی رمضان میں آپ کے قلب کی گرہ اور نفس کی گتھی سلجھ جائے گی۔

نشہ۔نشہ۔نشہ!

مجھے نہیں معلوم کہ کمیونسٹ کرۂ ارض پر''منشیات'' کے استعمال کی رفتار کیا ہے۔البتہ چین۔سوویت یونین اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں میں شراب نوشی پر نہ پہلے پابندی تھی نہ اب! لیکن شراب کا شمار''منشیات''میں نہیں کیا جاتا۔تفریحات میں کیا جاتا ہے۔اس عہد میں''منشیات'' کہتے ہیں ان دواؤں کو جو شعور یا ذہن کو کشادہ یا محدود کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔انہیں سادہ اور آسان زبان میں MIND DRUGS یا ذہن سے تعلق رکھنے والی دوائیں کہتے ہیں۔مثلاً ماری جوانا، ہیروئن، ایل۔ایس۔ڈی۔مارفین (یا گانجا، چرس، افیون، بھنگ اور ان کے مرکبات) یا وہ مرکبات جو نفسیاتی معالج اعصاب کو سکون پہنچانے، تشویش رفع کرنے، نیند لانے یا نیند نہ لانے کے لئے ایسے ذہنی مریضوں کو استعمال کراتے ہیں جن کی عقل سلیم جواب دے جاتی ہے۔عملی زندگی سے جن کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور جو اپنے ہی منفی جذبات کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔اس عہد کی سب سے زیادہ تیز دور رس اور حیرت انگیز نشیلی دوا مشہور عالم L.S.D ہے۔

ابدی سوال

کیلیفورنیا کے ڈاکٹر ڈیوک فشر دنیا بھر میں L.S.D کے فوری اثرات اور اثرات مابعد کے سب سے بڑے ماہر ہیں۔ان کا فیصلہ یہ ہے کہ L.S.D انسانی ذہن پر مختلف قسم کے اثرات ڈالتی ہے جس طرح شراب پی کر ہر انسان کے نفس کی حقیقی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے اور آدمی اپنے اصلی روپ میں آ جاتا ہے۔اس سے کہیں زیادہ طاقت تیز ہو جاتی ہے۔اس سے کہیں زیادہ طاقت تیزی اور شدت ضرب کے ساتھ L.S.D انسان روح کو برہنہ کر دیتی ہے۔ازل سے اب تک دو ابدی سوال انسانی ذہن کو اکساتے رہتے ہیں (1) میں کون ہوں (2) میں کیا ہوں؟ مذہب، فلسفہ، فنون لطیفہ سائنس اور تصوف اپنے اپنے طریقہ پر انہی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ریاض دہر سے اے دوست ! سرسری نہ گزر
روش روش ہے تحیر فروش وبو قلموں
ہر ایک گل کی جبیں پر لکھا ہوا ہے کیا؟
ہر ایک غنچے کے دل میں کھدا ہوا ہے کیوں؟

اس عہد کے نوجوان ''منشیات'' کے ذریعے ابدی سوالوں کا جواب حاصل کرنا چاہتے ہیں L.S.D۔ کی طلسی کیفیت کے تحت انسانی ذہن پر ایک پراسراریت طاری ہو جاتی ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا وزن غائب ہو گیا۔ وہ سرمدی سرور میں ڈوبا ہوا ہے وہ زمان ومکان کی سطح سے بلند ہو گیا ہے اور اس کے وجود کی بوند ابدیت کے لا انتہا اور لامحدود سمندر میں ڈوب گئی ہے۔

دل غم دوجہاں میں ڈوب گیا
بے کراں بے کراں میں ڈوب گیا

شاہراہ منشیات:

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ مشرق ومغرب کے درمیان ''منشیات'' کی سب سے بڑی شاہراہ اور گزرگاہ کراچی ہے۔ بنکاک اور کٹھمنڈو سے ہیروئن، حشیش، چرس اور دوسری نشہ آور دواؤں کی کھیپیں بری، بحری اور فضائی راستوں (ناجائز ٹریفک) سے کراچی لائی جاتی اور یہاں سے خفیہ طور پر یورپ وامریکہ کو اسمگل کردی جاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لوگ نشہ کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کو شعور سے عاجز آجاتے ہیں۔ اس لئے کہ سوچتے سوچتے تھک جاتے ہیں۔ اس لئے کہ روزمرہ بسر کی جانے والی زندگی کی شدتوں، تلخیوں اور مصیبتوں سے تنگ آجاتے ہیں۔ تھکے ہارے لوگ کریں بھی تو کیا کریں۔ جائیں بھی تو کہاں جائیں؟

بہت قاتل ہے زہرتاک لیکن کیا علاج اس کا
کہ اکسیر غم آفاق ہے یہ زہرتاک اب تک

یہ عہد:

یہ عہد مشینی اور صنعتی عہد ہے آدمی صبح بیدار ہوتا ہے تو اس کے اعصاب طنبورے کے تاروں کی طرح کس جاتے ہیں۔ نیا انسان مشین کا پرزہ بن کر رہ گیا ہے۔ بارہا عرض کر چکا ہوں کہ آج کل انسان کی بنیادی جبلتوں (جنسی اور تشدد) کو اس شدت سے بھڑکایا جارہا ہے کہ خدا کی پناہ! ابلاغ وترسیل کے تمام ذرائع (اخبارات، ڈائجسٹ، فلم، ٹی وی، فنونِ لطیفہ، ادب موسیقی، افسانہ، شعر اور مجسمہ طرازی) اس مقصد کے لئے استعمال کئے جارہے ہیں کہ اندر جو "حیوان" چھپا بیٹھا ہے اسے کسی طرح جگا دیا جائے۔ تہذیب حاضر تضادات کا مرکب ہے۔ اک طرف انسان کو کردار سازی کی تعلیم دی جارہی ہے۔ دوسری طرف بری طرح آدمیوں کی کردار کشی (روحانی قتل) جاری ہے۔ اک طرف انسانوں کو دیو پیکر مشینوں، عفریت نما، صنعتی اداروں اور اژدر صفت سیاسی نعروں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اک طرف سائنسی درجہ انتہا کو پہنچ چکی ہے اور انسان چاند کو زینہ بنا کر مریخ پر جست کرنے والا ہے۔ دوسری طرف کرۂ ارض پر بیماری، بھوک اور موت کے سائے چھائے ہوئے ہیں۔ نوعِ بشر کے ظہور سے اب تک کوئی عہد ایسا نہیں آیا کہ انسان کو کرب وابتلا سے نجات مل گئی ہو۔ آدم زاد ہمیشہ فطرت سے نبرد آزما رہا ہے۔ فطرت کو سائنسداں عدم معرفت کے سبب GOD یعنی خدا کہتے ہیں تو سائنس کے اس خدا کو انسان حوصلہ اور اس کا ارادہ ہمیشہ مقابلے اور مبارزت کا چیلنج دیتا رہا ہے اور جب تک تسخیر فطرت کا مرحلہ سر نہ ہو جائے۔ طبعیات کے خدا اور فرزند آدم میں لڑائی ٹھنی رہے گی۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ کہیں قوائے فطرت (مثلاً ایٹمی طاقت) کی تسخیر کرۂ ارض کی تباہی کا سبب نہ بن جائے۔

تخریب دوعالم کا سبب بن کے رہے گی
وہ جنگ کہ جاری ہے بشر اور خدا میں

لیجئے میں کہاں سے بھٹک کر کہاں جا پہنچا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عام آدمی شعور کی تیز دھار کند کرنے اور وقتی طور پر سکون پانے کے لئے نشے یا محرک مرکبات مثلاً قومی پان، زردہ،

نسوار، حقہ، سگریٹ، چائے، قہوہ، کوکو، کافی، شراب، بھنگ، گانجہ، چرس، ہیروئن، مارفین، کوکین، میتھوڈین، سوڈیم پنتھال اور L.S.D کا استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ؟ منشیات کے بے تحاشہ استعمال کا نتیجہ خوفناک اعصابی تباہی، ذہنی انحطاط، اخلاقی کجروی، سماج دشمنی، دماغی گراوٹ اور روحانی انتشار کی شکل میں نکلا ہے، تاہم لوگ (خصوصیت کے ساتھ نئی نسل کے افراد ہیں کہ پتلون کی جیبوں میں نام نہاد سکون بخش دواؤں اور مضرت اصل آخر کا آدمی زندگی سے فرار وگریز چاہتا ہے۔ فرار وگریز کا ایک عام طریقہ (جو صدیوں سے رائج ہے) نشہ آور مرکبات کا استعمال ہے۔ یہ منفی عمل ہے جو روح اور جسم کو مکمل طور پر تباہی کی طرف لے جاتا ہے لیکن صحت ذہنی اور روحانی توانائی کے حصول کا ایک مثبت طریقہ بھی ہے وہ مراقبہ ہے۔

اہم سماجی مسئلہ

انسان ذہنی الجھنوں سے مکمل نجات حاصل کرلے۔ یہ انتہائی مشکل ہے۔ جس طرح بقائے دوام یعنی امر اور جاودانی بن جانے کی تمنا! ذہنی الجھن، دماغی کشمکش اعضابی تھکن، جذباتی کشمکش اور روحانی کرب ہمارے لئے اتنا ہی لازمی، لابدی اور یقینی ہے۔ جتنا نزلے۔ زکام اور کھانسی میں مبتلا ہونا۔ عجیب بات یہ کہ ہر نفسیاتی مریض سمجھتا ہے کہ وہ جس الجھن میں مبتلا ہے۔ مثلاً حد سے زیادہ خوف مجمع سے ڈرنا، تنہائی سے ڈرنا، بند کمرے سے ڈرنا، سفر سے ڈرنا، یا طرح طرح کی بیماریوں کا خوف موت کا خوف، قبر کا خوف، عذاب حشر کا خوف یا (2) شدید احساس کمتری، اس وہم میں مبتلا ہونا کہ دنیا بھر میرے خلاف سازشیں کررہی ہے۔ سب لوگوں کی نگاہیں مجھ پر لگی ہوئی ہیں۔ ہر شخص میرے خلاف باتیں کررہا ہے۔ قریب ترین اعزا مخالف ہوگئے ہیں یا (3) ذراسی بات پر الجھنا معمولی تحریک پر غضبناک ہوکر آپے سے باہر ہوجانا (4) خودکشی کے احمقانہ منصوبے (5) یا جنسی انحراف، جس کی بے شمار قسمیں ہیں اور لطف یہ کہ جنسی انحراف اور کج روی کی کوئی شکل بھی ایب نارمل نہیں ہے۔ یہ اور اس قسم کی ہزاروں جذباتی الجھنیں ہیں۔ مگر ان سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ زندگی کشمکش اور ابتلا کا نام ہے۔ کشمکش اور ابتلا اور آزمائش اور امتحان اور کڑی جانچ کے

بغیر انسانی فطرت کے مضمر امکانات یعنی چھپے ہوئے جوہر اور دفن شدہ صلاحیتیں بروئے کار آ ہی نہیں سکتیں۔

پگلی کی تحریر:

مجھے ذہنی اور جذباتی کشمکش کے بے شمار اسباب پر تفصیلی گفتگو کرنا نہیں ہے۔صرف ایک پہلو کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔اس پہلو کا تعلق ہماری سماجی زندگی سے ہے۔ش۔ع۔لکھتی ہیں کہ

سلام عقیدت! جس وقت میں آپ کو یہ تحریر لکھ رہی ہوں۔دل و دماغ پر عجیب مایوسی طاری ہے۔میں بڑے کرب میں مبتلا ہوں۔آپ بھی کہیں گے کہ کس پگلی کی تحریر سے واسطہ پڑ گیا ہے۔میں آپ کے لئے اجنبی سہی لیکن آپ تو میرے لئے اجنبی نہیں ہیں۔بخدا میں آپ کی تحریروں کے سہارے جی رہی ہوں۔میں جن حالات سے دوچار ہوں مجھ سے لاکھوں کروڑوں بدنصیب اسی حالت سے گزر رہے ہیں! یہ ہے ش۔ع۔کی ڈرامائی تحریر کا ابتدائی حصہ۔اس کے بعد لکھتی ہیں کہ

میں ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہے۔والدین بقید حیات ہیں۔والد جب ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو انہیں (پراویڈنٹ فنڈ کی) کافی رقم ملی اور معقول پنشن بھی ہوگئی۔اس وقت تک ہم تینوں بہنوں۔نے میٹرک تک تعلیم حاصل کرلی تھی۔بھائی چھوٹا تھا اور زیر تعلیم بھی! والد کی پنشن کے علاوہ اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ہم بہنیں جوان ہو چکی تھیں۔والدہ نے اصرار کیا کہ اس رقم سے بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کر کے فرض سے سبکدوش ہو جایئے۔والدہ صاحبہ کی اس درخواست پر والد ماجد آگ بگولہ ہو گئے کہنے لگے کہ نہیں یہ رقم بیٹیوں کی شادی پر خرچ نہیں ہوگی۔بلکہ ان کی تعلیم پر صرف ہوگی تاکہ یہ برسرِ روزگار ہو کر ہمارا مستقل سہارا (یعنی ذریعہ آمدنی) بن جائیں۔میں اس پیسے کو فضول کی رسموں پر نہیں لٹاؤں گا۔بالآخر وہی ہوا۔جو والد چاہتے تھے۔وہ جت گئے اور ہم ان کے لئے مستقل ذریعہ معاش بن گئے۔شروع کے چند سال ہنسی خوشی گزر گئے مگر رفتہ رفتہ ہمیں یہ احساس ہونے لگا کہ والد کا رویہ سفاکانہ ہو گیا ہے اور ہماری کمائی ہوئی آمدنی چھوٹے بھائی کی تعلیم پر صرف ہو رہی ہے۔والدین نے اپنی حیثیت سے

بڑھ کر اسے زیور تعلیم سے آراستہ کیا کہ اس چراغ خانہ سے گھر کا نام تابندہ ہوگا لیکن اس نے (یعنی چھوٹے بھائی نے بعد از فراغت تعلیم) اپنی دنیا الگ بسالی۔ یہ سوچ کر کہ جن جوان بہنوں کا بوجھ ماں باپ نہ اتار سکے۔ وہ میں کیسے اتار سکتا ہوں۔ آخر ذمہ داری کے اتنے بڑے بوجھ سے کنارہ کشی کرنے کے لئے اس نے گھر بلکہ شہر تک چھوڑ دیا۔ اور کسی دوسرے شہر میں سکونت اختیار کر کے وہیں ملازمت کر لی۔

ملازمت اور شادی:

تینوں بہنوں کو ملازمت کرتے ہوئے بالترتیب آٹھ، دس اور چودہ سال ہوگئے ہیں۔ گھر سے باہر کی دنیا کتنی خراب ہے اس کا اندازہ ہم جیسے بیکسوں اور ناچاروں کو بخوبی ہے۔ ہمارے تمام رشتہ داروں کا مناسب عمر میں بیاہ ہو چکا ہے۔ یہی حال ہمسایوں کا ہے ہم جس محلے میں رہائش پذیر ہیں وہ کافی گنجان آباد ہے۔ ہمارا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ اہل محلہ کی نظروں اور دیگر افراد خاندان کے رویئے سے یہ گمان ہوتا ہے جیسے ہم انسان نہیں کرۂ مریخ کی مخلوق ہیں جو اس زمین پر اُتر آئے ہیں۔ حالات تیزی سے بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ شروع میں ہماری نظریں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں۔ سوچتے تھے کہ بھائی کی جوانی اور غیرت ہماری عزت اور ناموس کی امین ہوگی۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ سپنے چکنا چور ہوگئے۔ والدین بڑھاپے کی منزل میں ہیں۔ آخر وہ کب تک جیئیں گے۔ ہر شخص کو فنا ہونا ہے۔ میں سچ کہتی ہوں ماں نے ماں کا اور باپ نے باپ کا کردار ادا نہیں کیا۔ ہم آخر کب تک کولہو کا بیل بنے رہیں گے۔ وہ ہمیں کب اپنا کہیں گے؟ خون کا رشتہ کب تک سفید رہے گا؟ جب ہم کبھی ان سے (والدین سے) درندہ صفت انسانوں کی ہوسنا کی کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کا جواب بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان خود پاکباز رہنا چاہتا ہو تو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟

یہ سن کر دل و دماغ میں بم سا پھٹ جاتا ہے۔ ذہن مفلوج ہو جاتا ہے اور میں سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہوں کہ کیا واقعی ان کے کہے ہوئے الفاظ (انسان پاکباز رہنا چاہئے تو کوئی اسکا کیا بگاڑ سکتا ہے؟) ان کے تجربات زندگی کے مطابق ہیں؟ کیا واقعی؟؟؟

حالت یہ ایں جار سید کہ میں اپنے سے ڈرنے لگی ہوں۔ نیک تمناؤں کا سورج کبھی طلوع نہیں ہوگا۔ یونہی ہر روز جیتے اور مرتے رہیں گے اور ایک روز یہ کھیل تمام ہو جائے گا۔ زمانہ بڑا بیدار ہے۔ ہم اس کے رحم وکرم پر ہیں۔ مجھے لوگوں سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے بے جان چیز وں سے پیار کرنے لگی ہوں۔ گھریلو استعمال کی ہر اس چیز سے لپٹ کر رو لیتی ہوں جس پر میرا بس چلتا ہو۔ ہواؤں سے پیار کرتی ہوں۔ بادلوں سے پیار کرتی ہوں۔ سبزیوں سے پیار کرتی ہوں۔ پھولوں سے پیار کرتی ہوں بقول آپ کے

اک شخص سے تلخ کام ہو کر
ہر شخص سے پیارر کررہاہوں

کیا آپ میرا نفسیاتی تجزیہ کر سکتے ہیں؟ (خیر اندیش ش۔ ع۔ 12 رجب 1994ء)

عجیب وغریب صورتحال:

بظاہر یہ ایک لڑکی کا خط ہے مگر درحقیقت یہ ان ایک لاکھ لڑکیوں کی روداد ہے جن سے میں اپنے مضامین میں مخاطب ہوا کرتا ہوں۔ ش۔ ع اور ان کی دونوں بہنیں برسر روزگار ہیں لیکن والدین اس ڈر سے شادی پر آمادہ نہیں کہ ان کا ذریعہ آمدنی بند ہو جائے گا۔ کتنی عجیب وغریب صورتحال اس عہد کے معاشرے میں عام ہے۔ ہر سو گھرانوں میں سے دس متوسط الحال گھرانے اس یا اسی سے ملتی جلتی حالت سے گزر رہے ہیں۔ جب سے لڑکیوں نے ملازمتوں میں قدم رکھا ہے (اور یہ کیفیت تقسیم کے بعد رونما ہوئی) گھرانوں کا بوجھ ان کے ناتواں کاندھوں پر پڑ گیا ہے۔ اس صورت میں ان کی شادی کا کیا سوال ہے۔ ش۔ ع نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ "میں کون سی راہ اختیار کروں؟

سماجی انقلاب

وہ اہم مسئلہ جس نے معاشری سطح پر زلزلے کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ یہ ہے کہ شادی کے

لئے موزوں رشتے نہیں ملتے۔ بہت سے گھرانوں میں ماں باپ کی بے پرواہی اور سہل انگاری کے سبب لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ماں باپ کو ان کی ازدواجی زندگی کی ذرا فکر نہیں۔ ش۔ ع نے لکھا ہے کہ ہم بہنیں سالہا سال سے ملازمت کر رہی ہیں۔ ہمارے تمام رشتوں کو ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ والدین کو ڈر ہے کہ اگر ان لڑکیوں کی شادی ہو گئی تو وہ اپنے ذریعہ معاش سے محروم ہو جائیں گے۔ ش۔ ع نے لکھا ہے کہ ان کے والد بزرگوار کو (پراویڈنٹ فنڈ کی) کافی رقم ملی تھی۔ ماں نے اصرار کیا کہ اس رقم سے ان لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کر دیئے جائیں۔ والد بزرگوار اڑ گئے۔ کہا کہ نہیں میں اس رقم کو شادی بیاہ کی فضول رسموں پر صرف نہیں کروں گا۔ بلکہ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلاؤں گا۔ تا کہ بڑھاپے میں ماں باپ کا سہارا بن سکیں۔ لڑکیوں کی شادیاں ملتوی ہو گئیں۔ تمام رشتے ٹھکرا دیئے گئے۔ اور ان کی تنخواہیں اکلوتے بیٹے کی اعلیٰ تعلیم اور اس کی ناز برداری پر صرف ہونے لگیں۔ بھائی نے زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد بہنوں کی شادی کی ذمہ داری بوڑھے والدین کی خدمت گزاری اور نزدیک اور دور کے اعزا کی ناز برداری سے بچنے کے لئے خاندان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور اب ش۔ ع اور ان کی بہنیں شکستہ خاطری کے ساتھ تنہائی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ش۔ ع نے سوال کیا ہے کہ اب میں کیا کروں؟

1947ء کے بعد:

تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ملازمت سے جو مسئلے پیدا ہوئے ہیں ان کی ابتدا 1947ء کی تقسیم سے ہوتی ہے۔ میں خود بچیوں کا باپ ہونے کے سبب ان پیچیدگیوں سے واقف ہوں تقسیم سے قبل برکوچک میں خاندار کی مستحکم اکائیاں تھیں۔ اولاد کے رشتے ماں باپ کی مرضی سے طے پاتے اور لڑکیاں اور لڑکے بخوشی ازدواجی زندگی کی سنہری زنجیریں پاؤں میں ڈال لیتے تھے۔ بٹوارے کی ایک ہی ضرب نے ہزاروں گھرانوں کی مضبوط معاشری تنظیم کا شیرازہ بکھیر دیا اور 1947ء کے بعد عجیب وغریب قسم کی افراتفری پیدا ہو گئی خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ جو اپنے صدیوں کے آبائی وطنوں سے بخوشی یا بمجبوری بچھڑ کر ادھر آئے تھے ایک ایسے سماجی انقلاب سے دوچار ہوئے۔ جس کی

مثال برکو چک کے مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔البتہ پاکستان کے فرزندان زمین بہت حد تک اس سماجی انقلاب کی دسترس سے محفوظ رہے۔پچھلے ستائیس سال میں مہاجرین کے متوسط گھرانوں کی عورتوں کا انداز زندگی بالکل نہیں تو بہت حد تک بدل چکا ہے۔مثلاً تقسیم سے قبل برقع مسلمان عورت کی معاشری زندگی کا جزولانیفک تھا۔ہزار میں ایک عورت ''برافگندہ نقاب'' نظر آتی تھی اور وہ بھی کسی عذر شرعی یا غیر شرعی کی بنا پر!عورتیں بالعموم گھروں میں بند رہتی تھیں (میں ذکر کر رہا ہوں متوسط گھرانوں یعنی مڈل کلاس کا جس سے میرا تعلق ہے) بے شک تعلیم نسواں کا عام چرچا شروع ہو چکا تھا مگر بڑے بڑے شہروں میں !تعلیم یافتہ لڑکیاں بھی پختہ بنیاد اور جمے ہوئے خاندان کے روایتی حصار سے باہر نکلنے کی جرات نہ کرسکتی تھیں۔محبت کی شادیاں صرف کہانیوں اور ڈراموں میں نظر آتی تھیں تقسیم اور ہجرت نے ہندوستان مسلمان کو اک نئی ابتلا اور نئی انتہا سے دوچار کیا۔ہم سمجھتے تھے کہ ہم شہاب الدین غوری اور سلطان التمش کے عہد سے جن دیہات جن قصبات اور جن شہروں میں کامل استحقاق کے ساتھ آباد ہیں اسے کبھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں 13 اگست 1947ء کی رات کے بارہ بجے تک اپنے آبائی وطن کا مسلمہ شہری ہوں اور ہر ہندو مسلمان ،عیسائی اور پارسی میری اس حیثیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن جونہی 14 اگست 1947ء کی صبح نمودار ہوگی میری ہزار سالہ شہریت ختم ہو جائے گی اور مجھ سے کہا جائے گا کہ بدمعاش پاکستان بھاگ جاؤ۔اب تم ہندوستان کے شہری نہیں ہو۔یقیناً یہ ناقابل یقین بات تھی لیکن ''باؤنڈری کمیشن'' کے اعلان تعین حدود کے ساتھ ہی میری صدیوں کی تاریخ پر خط تنسیخ پھر گیا اور مجھے محسوس ہوا کہ پرانی زندگی اپنی تمام روایات کے ساتھ مرچکی ہے اور

دشت غربت کی ہے آوارہ بگولوں کو تلاش
آخران خانہ بدوشوں کو وطن بھی چاہئے

نفسیاتی اثرات:

ترک وطن کے نفسیاتی اثرات بہت دوررس اور پیچیدہ ہوا کرتے ہیں اور اس کا فوری نتیجہ یہ نکلتا

ہے کہ خاندانی نظام تہ و بالا ہو جایا کرتا ہے۔ آج بھی نسبتاً پاکستان کے قدیم گھرانوں کی معاشری زندگیوں کے خدوخال تبدیل نہیں ہوئے لیکن 1947ء کے بعد ان سرزمینوں پر جو لوگ آباد ہوئے ہیں۔ زندگی کے بارے میں ان کے اندازِ نظر کے نتیجے میں ان کا طرزِ حیات یا بالکل بدل گیا ہے یا بالکل بدلتا جا رہا ہے یا عنقریب بالکل بدل جائے گا۔ بڑے شہروں میں اس سماجی تبدیلی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہمارا تصور اس کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ جامعہ کراچی میں طالبات کی تعداد طلبہ سے زیادہ ہے۔ لڑکیاں بے تکان اور بے تکلف دفتروں کارخانوں، اسکولوں، دکانوں اور سماجی اداروں میں کام کر رہی ہیں اور کوئی ایک شخص بھی اس انقلاب حال پر تعجب نہیں کرتا۔ سب لوگوں نے اس صورتحال کو قدرتی سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کے ترکی اور رضا شاہ کبیر کے عہد میں عورت کو سرکاری قانون کے ذریعے قید حرم و حجاب سے آزاد کیا گیا تھا۔ یہاں پاکستان میں معاشی زندگی کے جبر نے عورت کو خود بخود (بخوشی یا بنا خوشی) شمع خانہ کی بجائے چراغ محفل بنا دیا۔ ش ع کو شکوہ ہے کہ اس کے والدین نے اسے اور اس کی بہنوں کو ذریعہ معاش قرار دے رکھا ہے۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ بچیوں کی آمدنی سے محروم نہ ہو جائیں۔ شادیاں کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ انتظار کرتے کرتے بوڑھی ہوگئی ہیں۔ آہ نجانے ش۔ ع کی کتنی سہیلیاں اس الجھن سے دوچار ہیں؟

باشندۂ مریخ

جسمانی بیماریاں:

جسمانی بیماری کتنی ہی شدید، نا قابل علاج اور جان لیوا کیوں نہ ہو؟ مریض کی صلاحیت حقیقت پسندی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ یعنی اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا بیمار ہے؟ بیماری کے اسباب کیا کیا ہیں؟ معالج کی تشخیص کیا ہے۔ اسے کس قسم کی دوائیں استعمال کرائی جا رہی ہیں۔ کن کن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے وغیرہ وغیرہ مختصر یہ کہ جسم کی علالت کا اثر انسان کے انداز

فکر اور پیمانہ شعور پر یا تو پڑتا ہی نہیں ۔ یا بہت کم پڑتا ہے۔ البتہ ذہنی بیماریوں میں انسان کے سوچنے۔ حقیقتوں کو ناپنے تولنے اور حالات کا اندازہ لگانے کے تمام پیمانے غیر متوازن ہو جاتے ہیں۔ بعض نفسیاتی مریضوں سے گفتگو کر کے ایسا لگتا ہے کہ وہ ''مریخ کے باشندے'' ہیں۔ اور کسی اڑن طشتری کے ذریعے اس کرۂ ارض پر اتر آئے ہیں۔ مثلاً الف۔ س (لاہور) کو لیجئے ۔ میں نے بارہا ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کر کے انہیں متعدد مشورے دیئے ہیں ۔ الف ۔س۔ نے اپنی نفسیاتی الجھنوں کے وہ تمام علاج کرائے جو اس عہد میں ممکن ہیں۔ لاہور کے متعدد نفسیاتی معالجوں کے زیر علاج رہے۔ (اور زیر علاج ہیں) میں نے بھی خط و کتابت کے ذریعے کافی زور لگایا۔ انہوں نے ہر قسم کی تشویش شکن گولیاں اور سکون بخش ٹیبلٹس استعمال کر دیکھے۔ بجلی کی رو کے ذریعے بھی اصلاح دماغ کی کوشش کی گئی۔ درمیان میں خاصے وقفے کے لئے حقیقت پسند اور صحت مند بھی بن گئے۔ بہت سے خطوط میں میرا شکریہ بھی ادا کیا اور بعض مشقوں کی بے حد تعریف کی اور اعتراف کیا کہ ان مشقوں کے نتیجے میں وہ اپنے کو خود اعتماد اور اپنی قوت ارادہ کو سرگرم پاتے ہیں۔ ان خطوط سے مجھے اطمینان ہو گیا کہ الف۔ س (لاہور) اپنی تمام جذباتی الجھنوں پر غالب آ چکے ہیں۔ 1970ء سے اب تک میں اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ ان کے تازہ ترین خط نے اندازوں، خوش فہمیوں اور خوش آئند اُمیدوں کے تمام قلعوں کو مسمار کر دیا ۔ اپنے تازہ ترین خط میں لکھتے ہیں کہ۔

قتالہ عالم:

اب میں بالکل نئی دنیا اور بالکل عجیب و غریب الف۔ س۔ کی حیثیت سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں ۔ 6 جون 1974ء کو امریکن سینٹر میں اچانک ایک لڑکی سے نظریں دوچار ہوئیں اس نے منہ کی شکل ''بوسہ نما'' بنا رکھی تھی۔ اس قتالہ عالم لڑکی کو دیکھ کر دل نے عجیب قسم کی اس عشق کے چکر میں بہت رسوائی اُٹھا چکا ہوں۔ اس لئے اب لڑکیوں سے نظر بچاتا ہوں۔ اس نظریاتی عشق کی بناء پر مجھے ہوسٹل کے لڑکوں نے شاعر کہنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی اہم ترباتت یہ ہے کہ میں لکڑی کے

کیبن میں رہتا تھا۔ اس کیبن میں جھانکنا ممکن نہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ برابر کے کمروں میں رہنے والے لڑکوں کو میری تمام نقل وحرکت کا غیبی طور پر علم ہو جاتا تھا۔ وہ یہ تک جان لیتے تھے کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ (وہ میرے خیالات چرا لیتے تھے) گویا ان کی روحی نظریں یا ان کے نورانی اجسام (جنھیں آپ جسم مثالی کہتے ہیں) مسلم میرے کمرے یا کیبن کا جائزہ لیتے اور میرے خیالات پڑھتے رہتے تھے۔ پھر برابر والے کمرے میں ایک لڑکی کی آواز آنے لگی اور مجھے (پراسرار طریقے پر) یہ یقین دلایا جانے لگا کہ اس لڑکی کا نام ''شہناز'' ہے میں نے محسوس کیا کہ میں لاہور میں جدھر سے جس سڑک سے جس طرف سے گزرتا ہوں۔ لوگ واہ واہ کرنے لگتے ہیں!

شہزادہ لاہور:

رفتہ رفتہ مجھے باور ہونے لگا کہ میں ''شہزادہ لاہور'' ہوں جب لاہور سے باہر جاتا تب بھی میری شہزادگی قائم رہتی۔ پھر مجھ سے کھل کر کہہ دیا گیا کہ لاہور کی تمام پرشکوہ عمارتیں صنعتی کارخانے اور تجارتی ادارے میری ملکیت ہیں۔ اور میں عظیم مغل شہنشاہوں کی دولت کا وارث ہوں۔ مجھے یہ ساری باتیں سرگوشیوں اور اشاروں میں بتائی جاتی ہیں۔ شہناز کے متعلق بتایا گیا کہ وہ دنیا کے ایک نہایت ممتاز اور نامور آدمی کی بیٹی ہے اور ہم لاہور میں پہلے وہاں رہتے تھے۔ جہاں اب امریکن اسپتال ہے۔ میں اس جگہ گیا اور میں نے سوچا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہم لوگ رہتے تھے۔ میں یہاں سوتا تھا۔ امی وہاں سوتی تھیں۔ اور ابو ادہر! پھر یاد آیا کہ سیڑھیوں سے گر کر میرے سر میں چوٹ آ گئی تھی۔ چوٹ لگنے حافظہ معطل ہو گیا تھا۔ پانچ سال کی عمر تھی کہ میں سینٹ انتھونی اسکول میں پڑھا کرتا تھا۔ تب میرا نورانی جسم مجھ سے جدا ہو گیا اور گویا میں اپنے کو الف۔ س۔ ہی سمجھتا تھا جو ایک ترکھان کا بیٹا ہے۔ تاہم میرا نورانی جسم ہمیشہ شہناز کے ساتھ رہا۔ اور انیس سال شہناز کے ساتھ بسر کیے۔ ہاں میرے مادی جسم کو احساس نہیں ہے کہ میں شہناز کے ساتھ رہتا ہوں یا رہا ہوں۔ رئیس صاحب! مجھے ان تمام باتوں کا اتنا ہی یقین ہے

جتنا چڑھتے ہوئے سورج کا۔!

تصویر کا دوسرا رُخ

تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ میرے والدین اور دادی مجھے ترکھان کا بیٹا ہی سمجھتے ہیں بلکہ اس سے بھی بدتر! یہ لوگ مجھے پیسے دیتے ہوئے کتراتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ رقم قرض لے کر دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہوتا ہے۔ بہن کیمبرج یونیورسٹی کی گریجویٹ ہے وہ مجھے آٹھویں پاس بھی نہیں سمجھتی۔ طرح طرح کے الزامات لگاتی ہے۔ وہ تین روز سے یہ ہو رہا ہے کہ شہناز کا نورانی جسم (جسم مثالی) میرے پاس آتا ہے اور ہم دونوں میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ پاس والے کمرے میں برابر روحیں کھسر پسر کرتی رہتی ہیں اور میں ان کی آواز سنتا رہتا ہوں۔ ایک روز ماڈل روڈ سے گزر رہا تھا تو دیکھا کہ وزیراعظم کی سواری گزر رہی ہے مجھے دیکھ کہ سب نے تعظیم دی اور سب لوگ میرے احترام میں رک گئے۔ میں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بزرگان دین کا اجتماع دیکھا۔ شہناز بھی موجود تھی۔ ایک طرف تو میرے یہ مدارج ہیں کہ میں عظیم مغل شہنشاہوں کی دولت کا وارث ہوں۔ لاہور کی تمام بلند و بالا عمارتیں اور کارخانے اور ادارے سب میری ملکیت ہیں۔ دنیا کے ایک بہت بڑے رہنما کی اکلوتی لڑکی شہناز روحانی طور پر میری بیوی ہے اور اس کا نورانی جسم برابر مجھ سے ملتا جلتا رہتا ہے۔ میں روحانی دنیا میں بہت بڑی شان کا مالک ہوں۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ میرے والدین کا سلوک میرے ساتھ توہین آمیز ہے۔ وہ مجھے گالیاں تک دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں۔ بہن تین سال چھوٹی ہے مگر برابر مجھے جھاڑتی اور ذلیل کرتی رہتی ہے۔ آہ۔ رئیس صاحب! میں ظاہر و باطن کے شکنجے میں جکڑ گیا ہوں۔ میں سچ اور جھوٹ کے درمیان معلق ہوں۔ کوئی ایسی مشق تجویز کیجئے کہ میں ظاہر و باطن کے اس دوہرے پن اور دوغلے پن پر غالب آ جاؤں ایک بات اور بتاتا چلوں عرض کر چکا کہ میں بچپن میں سیڑھیوں پر سے گر گیا تھا۔ اس کے بعد میرا حافظہ غائب ہو گیا۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ اس حادثے سے قبل آپ

میرے استاد تھے ایک روز آپ کی روح میرے پاس آئی۔ مجھے نورانی ہار پہنایا اور کہا کہ میں روحانی دنیا میں اور شاعری کی دنیا میں تمہارا استاد ہوں! (فقط) اپنے پرانے شاگرد الف۔س کے خط کے اہم ترین مندرجات میں نے نقل کر دیئے ہیں۔ حالانکہ میں ان کے بہت سے خط پڑھ چکا ہوں لیکن اس آخری خط (مورخہ 13) کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ میں کسی ''باشندے مریخ'' کے بیانات سن رہا ہوں۔

دوغلا پن

ترکھان زادے:

بنیادی طور پر الف۔س۔ ترکھان زادے واقع ہوئے ہیں۔ گھر والوں کی نظر میں انکی ذرا بھی وقعت نہیں۔ والدین کا سلوک توہین آمیز ہے۔ وہ الف۔س کو گالیاں دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں۔ بہن تین سال چھوٹی ہے مگر برابر نہیں جھاڑتی رہتی ہے۔ ایک طرف تو یہ عالم ہے اور دوسری طرف (بقول ان کے) وہ لاہور کے شہزادے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لاہور کی تمام بلند وبالا عمارتیں، شاندار بلڈنگیں، صنعتی کارخانے اور تجارتی ادارے ان کی ذاتی ملکیت ہیں۔ شہناز ان کی (خیالی اور قیاسی) محبوبہ ہے۔ لکھا ہے کہ وہ دنیا کے ایک نہایت ممتاز اور نامور لیڈر کی لڑکی ہے۔ اس لڑکی سے ان کا تعارف 6 جون 1974ء کو ہوا تھا۔ 13 جولائی یعنی 37 دن کے اندر وہ عشق ومحبت کے تمام مرحلے طے کر گئے اس حد تک کہ شہناز کا جسم مثالی ہر وقت الف۔س کے ساتھ رہنے لگا۔ انہوں نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ بچپن میں چھت سے گر گئے تھے۔ اس کے بعد الف۔س کا حافظہ غائب ہو گیا۔ الف۔س کے اس اعتراف کے معنی یہ ہوئے کہ وہ بچپن سے اب تک حافظے کے بغیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ترکھان زادے اور شہزادے کا تضاد ان کے ذہن پر سوار ہے اور اسی تضاد نے بیچارے کی روح نفس اور ذہن کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔

عام ذہنی مرض:

ذہنی بٹوارے کا یہ مرض اس عہد کا عام مرض ہے۔ امرواقعہ یہ ہے کہ دور حاضر میں زندگی کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا ہے۔ STRESS اس درجہ شدید ہوگئی ہے کہ لوگ اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ ٹوٹتے پھوٹتے چلے جارہے ہیں۔ انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی معاشرے کی چکی کے دو پاٹ ہیں جو انسانوں کو پیسے چلے جارہے ہیں۔ حساس آدمی، جذباتی آدمی اور نازک اعصاب والے آدمی۔ اس جبر، اس دباؤ اور منافقت (ظاہر و باطن کا تضاد منافقت ہی تو ہے) کی تاب نہ لاکر پاش پاش اور پارہ پارہ ہوجاتے ہیں۔ الف۔س ابتداء ہی سے ذہنی مریض تھے ان کی تربیت اور پرداخت (پال پوس) بڑے سخت گیر ماحول میں ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے ساتھ سخت برتاؤ نہ کیا گیا ہو۔ کم سے کم الف۔س۔ نے لاشعوری طور پر یہی اثر قبول کیا کہ گھر والے ان کے ساتھ درشتی سے پیش آتے ہیں۔ انہیں ٹھکرایا گیا ہے۔ ان کی عزت نفس کو پامال کیا جاتا ہے۔ جان بوجھ کر الف۔س کی ضرورتیں نہیں پوری کی جاتیں۔ بہن عمر میں تین سال چھوٹی ہے لیکن وہ بات بات پر بڑے بھائی کو جھڑکتی ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ الف۔س کی شکایتیں حقیقی ہیں یا خیالی! صورتحال یہی ہے۔ جو میں نے پیش کی ہے۔ جو شدید الاحساس لڑکے اس صورتحال سے دوچار ہوجاتے ہیں (جس سے یہ نوجوان دوچار ہے) وہ طرح طرح کی ذہنی اُلجھنوں میں بھی مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مثلاً جذباتی مراق۔

جذباتی مراق:

مراق کہتے ہیں کسی بے بنیاد، غیر حقیقی اور فرضی تصور کو اپنے اوپر مسلط کرلینا مثلاً شاعری کا مراق یہ ہے کہ ہرچند طبیعت شعر گوئی سے مناسبت نہیں رکھتی۔ آدمی ایک شعر ٹھیک نہیں پڑھ سکتا۔ ایک مصرع موزوں نہیں کرسکتا۔ باایں ہمہ غیر موزوں بے تکی اور مضحکہ خیز اشعار کی بیاض بغل میں دابے پھرتا ہے اور جس محفل میں پہنچتا ہے اپنے شاعر ہونے کا اعلان ضرور کردیتا ہے۔ شاعرانہ

مراق کی طرح سیاسی مراق بھی ہوتا ہے (یعنی لیڈری کا شوق فضول) مذہبی مراق بھی ہوتا ہے (بطور مثال مذہبی مناظرے اور خواہ مخواہ بحثیں) معاشی مراق مثلاً ناقابل عمل اقتصادی منصوبے بنانا اور اسی دھن میں غرق ہو جانا سماجی مراق کی طرح روحانی مراق بھی ہوتا ہے (جس کا واضح اور نمایاں مظہر مجذوب ہوتے ہیں) الف۔س جذباتی مراق میں مبتلا ہیں۔ حقیقی زندگی میں انہیں دولت نصیب ہوئی نہ محبت! لہٰذا ان کے حساس طلسماتی تخیل نے لاشعوری طور پر اپنے ایک نئے وجود کو جنم دیا۔ وہ ترکھان زادے تھے تخیل کے زور سے شاہزادے بن گئے۔ وہ بقول خود محبت سے محروم تھے۔ ان کے ذہن شعبدہ کار نے ''شہناز'' نامی ایک قتالہ عالم کو جنم دے دیا۔ جو بقول ان کے دنیا کے ایک نامور اور ممتاز ترین لیڈر کی لڑکی ہے۔ الف۔س نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ اندرونی خود ترغیبی (جس پر ذہنی بیماروں کو کوئی اختیار نہیں ہوتا) کی بنا پر یہ بھی فرض کر لیا کہ شہناز کا مثالی جسم ہر وقت ان کے ساتھ رہتا ہے اور خیالی شہناز سے ان کے میاں بیوی جیسے مراسم قائم ہو گئے ہیں۔ بحمد اللہ الف۔س مجذوبوں کی طرح ہوش و حواس سے بیگانہ نہیں ہیں۔ ان کی عقل منطق اور عام سمجھ بوجھ (کامن سنس) کسی نہ کسی حد تک اپنی جگہ برقرار ہے ان کا خط پڑھ کر کوئی شخص باور نہیں کر سکتا کہ یہ شخص ''مراق زدہ'' یعنی جادہ اعتدال سے کھسکا ہوا ہے تاہم ظاہر ہے کہ وہ شیزوفرینا (تقسیم شخصیت) کے مریض ہیں وہ خود دیکھتے ہیں کہ ان کے بیانات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ تضاد یہ کہ ترکھان زادے ہونے کے باوجود ''شہزادگی'' کے فریب میں مبتلا اور دنیا کے ایک نامور انسان کی حسین ترین لڑکی ''شہناز'' کے سرتاج ہونے پر مصر ہیں۔ ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی اس تضاد کو سمجھ سکتا ہے۔ انسانی ذہن تضاد سے اُلجھتا ہے اور الجھاؤ سے بچنے کے لئے وہ بطور خود ایک منطق تراش لیتا ہے۔ الف۔س نے بھی اس غیر معمولی صورتحال سے بچنے کے لئے ایک نئی منطق ایجاد کر لی ہے۔ الف۔س کا بیان ہے کہ بچپن میں وہ چھت سے گر گئے تھے۔ اس وقت سے ان کا حافظہ غائب ہو گیا۔ تو جس شخص کی یادداشت غائب ہو جائے۔ جس کا حافظہ جواب دے جائے۔ وہ سب کچھ فرض کر سکتا ہے۔ حافظہ کی خرابی شخصیت کے دوغلے پن اور ذہن کے دہرے عمل کا جواز مہیا کر دیتی ہے۔ چنانچہ الف۔س۔ کے پاس (حافظہ کے غائب ہو جانے

کے سبب) یہ جواز موجود ہے کہ وہ بیک وقت ترکھان زادہ اور شہزادہ ہونے کا دعویٰ کریں۔
الف۔س ہر قسم کا علاج کرا چکے ہیں۔ٹرنکولائزر (سکون بخش گولیاں) کے استعمال سے لے کر برقی رو تک معالجے کے جتنے مرحلے ہوتے ہیں۔الف۔س ان سب سے گزر چکے ہیں۔پچھلے دس سال میں کچھ وقت تک کے لئے میں بھی ان کا مشیر رہا ہوں۔انہوں نے لکھا تھا کہ آپ کے مشوروں سے مجھے فائدہ ہوا ہے لیکن آخری خط سے اندازہ ہوا کہ الف۔س آج بھی اتنے ہی ناپختہ، نابالغ اور ناحقیقت پسند ہیں جتنے چند سال پہلے تھے۔

دور منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

الف۔س کی بنیادی مشکل یہ ہے کہ ان کا ذہن عملی دنیا اور اس حقیقی زندگیوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔انہیں از سر نو حقیقت پسند کس طرح بنایا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

مظاہر النفس

حصہ دوئم

رئیس امروہوی

ویلکم بُک پورٹ
اردو بازار کراچی، پاکستان

صبح سے تا شام

پاکستان کے ممتاز سوشیالوجسٹ (عالم سماجیات) جی ایم مہکری 1/4 ایل ماڈرن کالونی کراچی 16 رقمطراز ہیں کہ

مائی ڈیئر رئیس امروہوی صاحب! جیسا کہ آپ خود جانتے ہیں نفسی تحقیقات کے موضوع سے عام دلچسپی پیدا کرنے کے سلسلے میں سب سے زیادہ آپ نے کیا ہے آپ جس طرح اس مضمون پر لکھتے ہیں۔ اور جن نتائج تک پہنچتے ہیں میں نے احتیاط کے ساتھ ان کا مطالعہ کیا ہے اور آپ کی Approach کی تصدیق کی ہے۔ آپ بجا طور پر لوگوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ ان مشقوں پر بڑی احتیاط سے عمل کیا جائے میں نے خود ہندوستان میں دیکھا ہے کہ پرانایام سانس کی مشق اگر بے احتیاطی کے ساتھ کی جائے تو اسکے نتیجے کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں سانس کی مشقیں ہمیشہ کسی استاد کی نگرانی اور رہنمائی میں کرنی چاہئیں کیونکہ صرف ایک کامل استاد ہی یہ بتا سکتا ہے کہ ایک طالب علم کی ذہنی ساخت کیا ہے اور اس کے لئے سانس کی کون سی مشق تجویز کرنا چاہئے اور اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ سانس کی مشق کی طرح شمع بینی خصوصیت کے ساتھ آفتاب بینی میں بھی بڑی احتیاطیں ملحوظ رکھنا چاہئے کیونکہ اس سلسلے میں ذرا سی غلطی تباہ کن ہو سکتی ہے۔

شمع بینی کی مشق

شمع بینی میں سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک نقطہ پر ذہن کی پوری توجہ کو کس طرح مرکوز رکھا جائے۔ (بطور مثال شمع لو پر) کیونکہ ذہن برابر ادھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے۔ اور توجہ ایک نقطہ سے دوسرے نقطے کی طرف جھپٹتی رہتی ہے ہر خیال کے ساتھ اس سے ملتا جلتا دوسرا خیال منتھی ہوتا ہے۔ اور ذہن ایک خیال سے دوسرے کی طرف پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اسی کو تحلیل نفسی کی اصطلاح میں ''فری ایسوسی ایشن'' کہتے ہیں۔ ارتکاز توجہ کی مشق میں ذہن کی اس اچھل کود ایک خیال سے دوسرے خیال ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ ایک یاد سے دوسری یاد اور ایک جذبے سے دوسرے

جذبے کی طرف یکا یک چھلانگ ماردینا۔ پر کس طرح قابو پایا جائے تاکہ توجہ کی یکسوئی نصیب ہو سکے۔اس سلسلے میں رئیس صاحب! میں کچھ اپنے تجربات پیش کرنا چاہتا ہوں۔اُمید ہے یہ آپ کے اور آپ کے قارئین کے لئے دلچسپی کا سبب ہوگا۔

آرٹ آف کن سن ٹریشن

ارتکاز توجہ (یعنی ایک ہی نقطہ پر توجہ مرکوز رہے) کے فن کو ترقی دینے کے لئے دو سادہ اور آسان طریقے درج کرتا ہوں۔سونے سے پہلے اطمینان اور آرام کے ساتھ لیٹ جائیے اور آنکھیں بند کر کے صبح سے اب تک آپ نے جو کچھ کام کئے ہیں جہاں جہاں گئے ہیں جو جو کچھ کیا ہے۔جو جو کچھ سنا ہے جو جو کچھ دیکھا ہے۔اسے ترتیب کے ساتھ ساتھ درجہ بدرجہ رفتہ رفتہ،قدم بہ قدم یاد کیجئے۔صبح سے اب تک واقعات کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس طرح تسبیح میں دانے پروئے ہوتے ہیں۔اسی طرح صبح سے شام تک روزمرہ کی زندگی کے سلسلے میں بہت سے واقعات کی ان تمام کڑیوں کو شمار کرتے ہوئے صبح سے شام کی طرف آنے لگیں۔آپ اپنی چشم باطن سے اپنی روزمرہ کی زندگی تسلسل واقعات کا مطالعہ کیجئے۔اس ذہنی جائزے میں ذہن جہاں بھی واقعات کی یادداشت کی شاہراہ سے ہٹے گا۔آپ کو فوراً اندازہ ہو جائے گا کہ ذہن بھٹک گیا ہے اور فوراً ہی آپ ذہن کو سیدھے راستے پر لے آئیں گے۔آپ روزانہ سونے سے پہلے دن بھر کے واقعات کی یادداشتوں کو درجہ بدرجہ تازہ کیجئے۔ایک دو ہفتہ میں ہی آپ اندازہ کرلیں گے کہ ذہن آہستہ آہستہ رام ہوتا چلا جارہا ہے۔اس کی وحشت کم ہورہی ہے۔وہ ارتکاز توجہ کے فن (آرٹ آف کن سن ٹریشن) میں مکمل ہوتا چلا جارہا ہے۔میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ اس مشق میں کوئی خطرہ نہیں۔یہ ایک بے ضرر ذہنی ورزش ہے۔اور بلاشبہ ذہن کی تربیت اور توجہ کی یکسوئی کا اس سے بہتر کوئی طریقہ موجود نہیں۔اس عمل سے اگر متواتر کیا جائے بے شمار ذہنی نفسی اور روحی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔یہ فائدہ کیا کم ہے کہ اس ذہنی تربیت سے آدمی اپنے کو نہ صرف دو ابعاد (Dimension) بلکہ تین البعاد رلمبائی چوڑائی اور گہرائی میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے

۔اس طریقہ پر عمل کر کے انسان اپنے کو اپنے سے الگ ہو کر دیکھ سکتا ہے اور ہم میں یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم اپنی دنیاوی زندگی کو مختلف زاویوں اور پہلوؤں اور سمتوں اور اندازہائے نظر سے دیکھ سکیں۔روحانی فوائد تو وہ الگ ہوں گے۔

دوسرا طریقہ

اس مشق کا دوسرا طریقہ مجھے قابل احترام استاد آں جہانی کمپنی پاتھی نے تعلیم کیا تھا۔یہ بھی مفید ثابت رہتا ہے۔آپ سونے سے پہلے آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ جائیں جسم کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیں۔اور بجائے اس کے کہ صبح سے واقعات کی یادداشت کو درجہ بدرجہ تازہ کر کے شام تک آئیں۔اسی ایک لمحہ سے یکے بعد دیگرے واقعات کو ذہن میں دہراتے ہوئے شام سے صبح تک کی روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لیتے جائیں۔میری ہمیشہ سے یہ رائے رہی ہے کہ جو مشقیں ہمیں روزمرہ کی زندگی میں فائدہ نہیں پہنچا سکتیں ان سے بہت جلد دلچسپی ختم ہو جاتی ہے اور ان کے ممکنہ فائدے حاصل نہیں ہوتے۔میں نے بہت سے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ جی ہاں! میں نے یہ مشقیں کیں مگر بہت جلد اکتا گیا کیونکہ مجھے بہت سے دوسرے مفید کام کرنے تھے مگر یہ مشقیں خواہ صبح سے یادداشتوں کا اعادہ شروع کیا جائے خواہ شام سے عملی زندگی کے لئے غیر معمولی طور پر مفید ہیں ۔اور اس لئے ذہن ان سے نہیں اکتا تا رئیس صاحب! میں ان معروضات پر اپنا خط ختم کرتا ہوں اور ایک مرتبہ پھر اس شاندار کام پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں جو آپ نفسیات اور مابعد انفسیات کے سلسلہ میں کر رہے ہیں۔

افادیت کی تصدیق

آپ نے جناب جی ایم مہکری کے بیان کردہ طریقہ پڑھ لئے میں ذاتی طور پر ان طریقوں کی افادیت کی تصدیق کرتا ہوں۔توجہ کی یکسوئی ذہن کی سب سے بڑی طاقت اور نفس کی اعلیٰ ترین صلاحیت ہے۔امید ہے کہ آپ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر عمل کر کے مجھے اس کے

قید خانے سے!

بہت دن سے اخباروں اور رسالوں میں آپ کے مضامین پڑھ رہا ہوں اور آپ جس طرح مسئلوں کا حل پیش کرتے ہیں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ التجا ہے کہ درج ذیل مسئلے کا بھی کوئی حل تحریر فرمائیں۔ یہ مسئلہ صرف مجھ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا تعلق ہزاروں افراد کی زندگی اور مستقبل سے ہے۔ آپ دوسرے مفکروں، دانشوروں اور سیاسی رہنماؤں کی توجہ بھی ادھر مبذول کرائیں۔ میں ہوں ایک بدنصیب قیدی اور پچھلے ساڑھے چھ برس سے قتل کے جھوٹے الزام میں ملوث ہو کر آخری فیصلہ کے انتظار میں جیل کی سلاخوں کے اندر پابند بلا ہوں۔

کچے پکے قیدی

میں ہمیشہ سے صاف ستھرے ذہن کا مالک رہا ہوں کبھی کسی قسم کا نشہ نہیں کیا نہ دوسری بدافعالیوں۔ مثلاً حرام کاری، خودلذتی اور ہم جنس پرستی کا مرتکب ہوا ہوں۔ ساڑھے چھ سال ہوگئے کہ آزادی سے محروم ہوں۔ میری عمر اس وقت انتیس سال ہو چکی ہے اس عمر میں جذباتی ہیجان ضروری ہے اور فطری خواہشوں کا اُبھرنا لازمی۔ عام حالات میں اگر میں آزاد ہوتا تو میری شادی ہو چکی ہوتی اور وہ ذہنی بحران اور نفسیاتی بغاوت نہ پیدا ہوتی۔ جس سے آجکل دوچار ہوں۔ آج کل مجھے اپنے نفس پر قابو پانے کے سلسلے میں زبردست جنگ کرنا پڑ رہی ہے تاریک جیلوں میں اسیری کی زندگی بسر کرنے والی بے بس مخلوق اپنی قدرتی خواہشات سے صرف اسی طرح پٹ سکتی ہے کہ وہ غیر فطری ذرائع اختیار کرے۔ یہ لوگ یا تو خودلذتی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یا تنگ آ کر ہم جنس پرستی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ میں بھی یہی طریقہ اختیار کر کے تسکین نفس کا سامان بہم پہنچاؤں۔ وہ تسکین کتنی ہی عارضی کیوں نہ) ہو لیکن جناب رئیس صاحب! میں اپنے مثالی کردار کو داغدار کرنا نہیں چاہتا۔ ان جیلوں میں دو قسم کے قیدی پائے جاتے ہیں

۔1۔ کچے قیدی 2۔ پکے قیدی کچے قیدی وہ جن کا فیصلہ تا حال نہیں ہوا۔ اور پکے قیدی وہ جنہیں سزا سنائی جا چکی ہے اور جو پندرہ پندرہ سال سے قید با مشقت کی سزا برداشت کر رہے ہیں ان میں شادی شدہ بھی ہیں اور غیر شادی شدہ بھی۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی حالت کیا ہوگی۔ اور کس طرح طوفان جذبات میں ہچکولے کھا رہے ہوں گے؟ شادی شدہ قیدی دو قسم کی محرومیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایک اپنی محرومی کا ماتم اور دوسرا اپنی رفیقہ حیات سے جدائی کا غم اسکے ساتھ آپ طویل المیعاد قیدیوں (پندرہ بیس سال کے سزا یافتہ) اور عمر قید کے اسیران بلا کی بیویوں کے مصائب کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یا تو وہ شوہر کی جدائی میں اپنے آپ کو مردہ تصور کر لیں یا اس بازار کا رُخ کریں۔ جناب والا! آپ سماجی زندگی اور ذہنی زندگی کے ہر مسئلہ پر لکھتے رہتے ہیں۔ خدارا اس موضوع پر بھی کچھ لکھئے یاد رہے کہ میری معلومات کے مطابق غیر ملکوں کی جیلوں میں سیاسی اور اخلاقی قیدیوں کے ان مسئلوں کو حل کرنے کے لئے مناسب بندوبست کئے گئے ہیں۔ ازراہ کرم جنگ میں اس موضوع پر لکھئے اس مسئلہ کا تعلق صرف مجھ بدنصیب سے نہیں ہے۔ مجھ جیسے ہزاروں بدنصیبوں سے ہے۔ جو صحیح یا غلط آزادی سے محروم کر کے پس دیوار زنداں جہنمی زندگی بسر کر رہے ہیں اور قید خانے کی اندھیری کوٹھریوں میں اپنے کو تباہ کر رہے ہیں۔ آپ کا مداح گ۔ب کچا قیدی زیر دفعہ 302 بیرک نمبر۔۔۔ سینٹرل جیل

اے مظلوم دوست

تم نے اپنے کو مظلوم قیدی لکھا ہے مگر میں تمہیں مظلوم دوست کہہ کر مخاطب کروں گا۔ تم نے لکھا ہے کہ میں قتل کے جھوٹے الزام میں ملوث ہو کر ساڑھے چھ سال سے اسیری کی زندگی بسر کر رہا ہوں اور اب تک میرے مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اب اے عزیز تمہاری عمر انتیس سال کی ہو چکی ہے تم جذبات سے مغلوب ہو چکے ہو۔ تمہارے نفس سے خواہشات کا گرم تند و تیز رو دھارا اُبل رہا ہے اور تم بصد مشکل اس طوفان پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہو تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میں کیا کروں کہ میرا مثالی کردار اجیل میں محبوس ہونے اور آسائش حیات سے محروم ہونے کے باوجود

داغدار نہ ہو۔ دیکھو! پیارے دوست! ہم نہ قاضی ہیں نہ مفتی نہ محتسب نہ وکیل نہ داروغہ نہ جج کہ تمہاری بے گناہی یا ارتکاب جرم کا فیصلہ کریں۔ ہم ایک دردمند انسان ہیں اور ہم ہر پرہیز گار گناہ گار کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اب تک تمہیں عدالت نے مجرم قرار نہیں دیا۔ تمہارا مقدمہ ہنوز زیر غور ہے۔ تم نے جس انداز سے خط لکھا ہے اس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ تم بے خطا قتل کے الزام میں پھنس گئے ہو اور دفعہ 302 تم پر خواہ مخواہ لگا دی گئی ہے لیکن اگر واقعی تم سے کوئی جرم سرزد بھی ہوا تھا تو ساڑھے چھ سال کی اسیری کافی ہے۔ جیلوں کا مقصد انتقام لینا نہیں اصلاح ہونا چاہئے۔ میری نظر میں اخلاقی مجرموں کی حیثیت نفسیاتی مریضوں کی سی ہے۔ ہمارے خیال میں تمام جیل خانوں کو نفسیاتی شفاخانوں میں تبدیل کر دینا چاہئے۔ اور قیدیوں کی نگرانی کے فرائض جیلروں اور پولیس افسران کی بجائے نفسیاتی معالجوں اور سماجی کارکنوں کے سپرد کر دینے چاہئیں۔ دنیا کے تمام ترقی یافتہ ملکوں میں مجرموں کے متعلق معاشرے کا نقطہ نظر بدل چکا ہے۔ اور اب انہیں مجرم نہیں دماغی مریض سمجھا جاتا ہے لیکن پاکستانی جیلوں میں آج بھی وہی انتقامی قوانین رائج ہیں۔ جو آج سے چند ہزار سال پہلے مصر، یونان، بابل اور آشور میں رائج تھے۔ میں پاکستان کے تمام دردمند حقیقت پسند اور سماجی شعور رکھنے والے دوستوں سے اپیل کروں گا کہ وہ جیل خانے کی لعنت کے خلاف آواز بلند کریں۔ یہ نقطہ نظر کہ ہر وہ شخص جس کا پولیس نے چالان کر دیا ہے مجرم اور اس لئے سزا کا مستحق ہے۔ سخت غیر انسانی نقطہ نظر ہے۔ دنیا میں کوئی شخص بخوشی سماج کے قوانین توڑ کر مجرم بننا پسند نہیں کرتا۔ جرم کا ارتکاب کسی مجبوری کی بنا پر ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص افلاس واحتیاج سے تنگ آ کر چوری یا جعلسازی کرتا ہے یا آدمی غلط انداز نظر کے سبب مجرم بن جاتا ہے مثلاً زن، زر، زمین سے تعلق رکھنے والے جرائم! بہرحال دونوں صورتوں میں مجرم کی اصلاح ضروری ہے۔ میری درخواست ہے کہ پاکستان کے اہل فکر اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کریں اور کوئی قدم اُٹھائیں۔

کیا کرنا چاہئے

اب سوال یہ ہے اے عزیز کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے تم انتیس سال کے جوان ہو تمہارا جذباتی

ہیجان بالکل قدرتی ہے۔لوگ جیل کی چار دیواری میں تسکین نفس کے جو مصنوعی ذریعے اختیار کرتے ہیں ہم سب کو اس کا اندازہ ہے کیا کریں غریب مجبور ہیں اس عزم پر کہ میں اپنے مثالی کردار کو داغدار بنانا نہیں چاہتا۔تمہارا منہ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔آ ؤ میں تصور میں تمہیں گلے سے لگا کر تمہاری پیشانی کو بوسہ دے دوں۔دیکھو میاں اگر تم جیل سے باہر ہوتے تو میں تمہیں مشورہ دیتا کہ اس ہیجان جذبات پر غالب آنے کا طریقہ کیا ہے۔نصاب تعمیر تنظیم شخصیت کی کوئی مشق تمہارے لئے تجویز کر دیتا۔مثلاً سانس کی مشقوں اور خود ترغیبی سے انسان رفتہ رفتہ جنسی کج روی پر غالب آ سکتا ہے۔فی الحال تم اپنے مثالی کردار کو داغدار ہونے سے بچانے کے لئے نماز شروع کر دو یہ مشورہ واعظانہ نہیں ہے (میں نہ واعظ ہوں نہ خطیب نہ ملا) حکیمانہ ہے۔الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاءِ والمنکر نماز برائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے۔تم پابندی سے نماز پڑھو اور ذکر کرو۔مثلاً دن میں کسی ایک وقت تین ہزار ایک سو پچیس مرتبہ اللہ کا ذکر کرو،تم رفتہ رفتہ محسوس کرو گے کہ تمہارے اندر ایک نئی حیرت انگیز قوت بیدار ہو رہی ہے۔تمہارا جنسی ہیجان کم ہو رہا ہے۔زندگی کے بارے میں تمہارا نقطہ نظر بدل رہا ہے۔اور تم ایک نئے انسان بنتے چلے جا رہے ہو اے عزیز تم جیل کے اندر نماز کے ساتھ ذکر کرو اور میں جیل سے باہر تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔دیکھنا یہ ہے کہ دعا اور ذکر کی قوت سے کیسے حیرت انگیز نتائج نکلتے ہیں۔

بلکہ عجیب تر؟

غیر مرئی طاقت:۔

عام اور معمولی نفسیاتی معمے سب حل کر سکتے ہیں سب سے میری مراد ہے نفسیاتی علاج کرنے والے لیکن بعض اوقات انسانی ذہن ایسے عجیب و غریب کرشموں سے دوچار ہو جاتا ہے کہ مریض و معالج دونوں کی عقل گم ہو جاتی ہے حیدر آباد سے ایک طالب علم لکھتے ہیں۔

آپ نے اپنے مضموں میں مشورہ دیا ہے کہ لوگ اپنے ذہنی مسئلے بیان کرتے وقت طویل بیان

سے کام نہ لیا کریں۔ بلکہ چند سطروں میں اپنا مانی الضمیر بیان کر دیں۔ میں نے آپ کی ہدایات کے پیش نظر مختصر الفاظ میں اپنی کیفیت عرض کی ہے۔کالج میں فرسٹ ایئر کا طالب علم ہوں اور تقریباً تمام پراسرار ڈائجسٹ میرے مطالعہ میں رہتے ہیں۔ مجھے پراسرار افسانے اور جسم پر لرزہ طاری کر دینے والی کہانیاں زیادہ پسند آتی ہیں۔اس کے باوجود مجھے پراسرار مخلوق (جن، آسیب اور بھوت پریت) پر بالکل یقین نہیں میں ان چیزوں کو محض وہم سمجھتا تھا مگر کچھ دن سے محسوس کر رہا ہوں کہ ایک غیر مرئی طاقت مجھ پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہی ہے پہلے پہلے تو میں اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی مگر پچھلے ہفتے جو واقعہ پیش آیا اسکے بعد مجھے یقین کر لینا پڑا کہ سچ مچ کوئی عجیب بلکہ عجیب تر چیز پیش آ رہی ہے۔

دستِ غیب

ہوا یہ کہ مجھے اپنی میز کی دراز سے کچھ نوٹ اور پیسے ملنے شروع ہوئے میں نے بھائی بہنوں سے پوچھا تو سب سے لاعلمی ظاہر کی دست غیب (غیبی نوٹ اور پیسوں) کا یہ سلسلہ کتنا حیرت انگیز ہے؟ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔خیر بات رفت و گذشتہ ہوگئی۔ایک روز کا ذکر ہے کہ میں رات کے وقت اپنے کمرے کے اندر مطالعہ میں مصروف تھا کہ یکا یک محسوس ہوا۔کوئی آہستہ آہستہ میرا نام پکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ خبردار کل کالج میں ہنگامہ برپا ہوگا میں نے اسے بھی واہمہ خیال کیا کان بج رہے ہوں گے۔ یہ سوچ کر چپ ہو گیا مگر واقعی دوسرے روز کالج میں دو گروہوں کے درمیان خون خرابہ ہو گیا۔اور اس غیر مرئی طاقت کی تنبیہ (وارننگ) سچ ثابت ہوئی۔اب جو واقعہ پیش آیا ہے۔ شاید آپ پڑھ کر ہنسیں گے۔اور یقین کرنے سے انکار کر دیں گے۔ہوا یوں کہ جب میں شام کو کرکٹ کھیل کر گھر واپس آیا۔اور قلم وغیرہ میز کی دراز میں رکھنے لگا۔تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔میز کی دراز میں سو سو روپے کے کرنسی نوٹوں کی گڈی رکھی تھی کسی سے پوچھنا فضول تھا کیونکہ "دست غیب" کے واقعات پے در پے پیش آنے کے بعد میں نے میز کی دراز میں تالا لگا دیا تھا جس کی چابی ہر وقت میری جیب میں رہتی تھی۔ میں نے گڈی کو دیکھنے کے بعد صورتحال پر غور کیا اور دراز کو

بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دراز پھر کھولی تو نوٹوں کی گڈی غائب تھی۔ اور ایک پرچہ رکھا ہوا تھا ۔جلدی جلدی پرچہ کھولا تو اس پر تحریر تھا کہ خبردار! کسی سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا ورنہ۔۔۔۔

اور آج کل میرا سر بھاری رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی آہنی شکنجے سے میرے سر کو جکڑ رہا ہے کس رہا ہے۔ میں ان حالات سے بے حد پریشان ہوں۔ کسی سے ان واقعات کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ ہر وقت اس نادیدہ قوت کی یہ دھمکی دماغ میں گونجتی رہتی ہے کہ خبردار! کسی سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا ورنہ۔۔۔۔۔

اب میں اپنے آپ کو نفسیاتی طور پر بالکل کمزور اور بے بس سمجھتا ہوں۔ پڑھائی میں بالکل جی نہیں لگتا۔ دردِ سر میں مبتلا رہتا ہوں۔ برابر چکر آتے رہتے ہیں بعض اوقات سر میں آہنی شکنجے کی گرفت اور مضبوط ہو جاتی ہے آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے اور کچھ دیر کے لئے بالکل اندھا ہو جاتا ہوں۔ اس افتاد سے پہلے میری بینائی معمول کے مطابق تھی اب مائینس 4 کا چشمہ لگاتا ہوں۔ خدا کے لئے میری طرف توجہ دیں میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اسے مبنی بر حقیقت سمجھیں ۔ا۔ح۔ از حیدرآباد مکتوب مورخہ 8 جنوری

دوسرا خط

میں نے ا۔ح (امیر حسن) کا یہ عجیب و غریب خط پڑھ کر تحقیق حالات کی غرض سے انہیں کچھ ہدایتیں لکھ کر بھیج دیں اور یقین دلایا کہ یہ نادیدہ قوت تمہیں ہرگز ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتی اس ہدایت نامے کے جواب میں ا۔ح نے لکھا ہے کہ ہفتہ کے روز آپ کا خط موصول ہوا۔ میں آپ کے مشورہ کے بموجب ہر وقت پاک رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس زمانے میں صورتحال اور زیادہ خراب ہو گئی ہے اب اس غیر مرئی طاقت کی سرگرمیاں ترقی پذیر ہیں۔ سر میں شکنجے کی گرفت اور مضبوط ہو گئی ہے۔ بعض اوقات بیہوش ہو جاتا ہوں۔ گھر والے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے مگر ڈھاک کے وہی تین پات' دوا دارو سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ایک دفعہ ارادہ بھی کیا کہ گھر والوں کو اس موذی غیر مرئی طاقت کے بارے میں سب کچھ بتا دوں مگر جب میں نے بتانا چاہا تو ایسا لگا کہ

کسی نے میری زبان میں کیلیں ٹھونک دی ہیں۔ گھر والوں کا بیان ہے کہ پھر میں بیہوش ہو گیا اور بار بار غشی کے دورے پڑنے لگے۔

ایک اور کرشمہ

میں تنہا کمرے میں بیٹھا تھا کہ اچانک ہوا کا ایک سرد جھونکا کمرے میں گھس آیا لطیف گھنٹیاں بجنے لگیں اور ایک دلنواز نسوانی آواز کہیں سے ابھری کہ تم مجھ سے نجات پا سکتے ہو اگر فلاں اور فلاں کو قتل کر دو۔ یہ سن کر میرے جسم میں لرزہ پڑ گیا۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دُعا مانگی کہ الٰہی مجھے اس بلائے بے درماں سے بچا اس کے بعد اس قوت نادیدہ نے مجھے اس حرکت قبیح (اقدام قتل) پر آمادہ کرنے کے لئے میز کی دراز میں سوسو روپے کے نوٹوں کی گڈیوں کے انبار لگا دیئے۔ آپ کے مشورے کے مطابق میں نے میز کی دراز میں رقعہ لکھ کر ڈالا اور بلند آواز سے کہا کہ مجھے اس رُقعہ کا جواب چاہیئے پھر دراز کھولی تو اس میں رقعہ کا جواب موجود تھا لکھا تھا ''تم مجھے نہیں جانتے میں ایک دکھائی نہ دیجانے والی طاقت ہوں میں اتنا چاہتی ہوں کہ تم فلاں شخص کو ٹھکانے لگا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو کہ زندگی بھر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی اور مرتے دم تک تمہیں اذیت در اذیت پہنچاتی رہوں گی۔ پھر سمجھ لو کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اس نابکار کو ٹھکانے لگا دو۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کر دی تو عمر بھر تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔ (غیر مرئی طاقت)

رئیس صاحب! یقین کیجئے کہ میں نے اس کے جوابی رقعہ کو حرف بہ حرف نقل کر دیا ہے۔ اب میں عجب تذبذب میں مبتلا تھا کیا عمر بھر یہ بلا مجھ پر مسلط رہے گی؟ عاجز آ کر میں نے ایک دوسرا رقعہ لکھ کر میز کی دراز میں رکھ دیا۔ آخر تم کون ہو؟ اپنا روپ تو دکھلاؤ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں؟ جواب ملا کہ مجھے دیکھ کر تمہیں کیا ملے گا۔ پھر کہتی ہوں کہ تم سے ضرور اپنے حکم کی تعمیل کرا کے رہوں گی۔ بہر کیف تمہاری درخواست منظور کرتی ہوں میں تمہیں پیر کی رات میں اپنا روپ دکھلاؤں گی۔ تیار رہنا کیونکہ میں چند لمحوں کے لئے ظاہر ہوں گی (غیر مرئی طاقت)

درخشاں حسینہ

آخر خدا خدا کر کے پیر کی رات آئی کمرے میں دوسو واٹ کا بلب روشن تھا میں کمرے میں تنہا تھا اور کسی عجیب وغریب واقعے یا حادثے کا منتظر! یکا یک کمرے میں تاریکی چھا گئی حالانکہ تیز بجلی کا بلب روشن تھا اس تاریکی میں ایک چندھیا دینے والی روشنی نمودار ہوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پری پیکر خوبصورت، ستارہ جمال، ماہ رخ، قمر جبیں حسینہ سامنے کھڑی ہے اس کے انگ انگ سے روشنی پھوٹ رہی ہے۔ اس نورانی ہیولے یا درخشاں حسینہ کو دیکھ کر اچانک مجھ پر غشی طاری ہوگئی۔ پھر مجھے خبر نہ رہی کہ کیا ہوا؟ ہوش آیا آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پلنگ کے قریب اسٹول پر ایک رقعہ رکھا ہے تحریر تھا کہ تمہاری حسرت پوری ہوگئی تم نے مجھے دیکھ لیا۔ اب تم میرے حکم کی تعمیل کرو ضرور کرو اور فوراً کرو۔ دوسرے روز مجھے گھر والوں نے اسپتال داخل کرا دیا۔ وہاں خون ٹیسٹ ہوا پیشاب ٹیسٹ ہوا پاخانے کا ٹیسٹ ہوا ایکسرے لیا گیا اور ڈاکٹر اس نتیجے پر پہنچے کہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ رئیس صاحب! اب میں زندگی سے عاجز آ گیا ہوں کسی مشغلے میں جی نہیں لگتا خودکشی حرام نہ ہوتی تو کبھی کا کر گزرتا۔

پُراسرار ذہن

اگر چہ فرسٹ ایئر کے اس نوجوان طالب علم نے یہ اعلان کیا ہے کہ شروع میں اسے جنات اور بھوت پریت پر کوئی اعتقاد نہ تھا تاہم اسی کے ساتھ یہ اعتراف بھی کیا گیا ہے کہ میں بچپن ہی سے پراسرار ڈائجسٹوں میں پراسرار کہانیاں بڑے ذوق شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ سوال یہ ہے کیوں ؟ کیوں کا جواب یہ ہے کہ اس نوجوان کا ذہن ابتدا سے پراسرار واقعات کا گرویدہ ہے۔ حیرت انگیز کہانیاں پڑھتے پڑھتے آخر کار اس کے ذہن کا ایک خاص سانچا بن گیا اور الف ح کی شخصیت کے ایک حصے نے خود غیر مرئی طاقت کا روپ دھار لیا بعض لوگ غیر معمولی طور پر حساس ہوتے ہیں اور ان کا تخیل اس قدر تیز ہوتا ہے کہ جس چیز کو فرج کر لیتے ہیں (مثلاً مجھ پر جنات کا اثر ہے)

وہ ان کے لئے جنات اور آسیب زدگی کے بہت سے واقعات تقسیم شخصیت کے سبب ظہور پذیر ہو تے ہیں۔آدمی کا وجود (ذہنی وجود) دو حصوں میں بٹ جاتا ہے ایک اسکی اصل شخصیت دوسری خیالی یا آسیبی شخصیت! جب آسیبی شخصیت ابھرتی ہے تو وہ شخص اعلان کرتا ہے کہ میں فلاں اور فلاں جن یا فلاں اور فلاں کی روح ہوں اور یہ شخص میرا معمول ہے میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔یا نہیں چھوڑوں گا۔جب آسیبی دورہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ شخص اپنے اصلی روپ میں آجاتا ہے اور اسے یاد بھی نہیں رہتا کہ آسیبی دورے کے زیر اثر اس نے کیا کہا تھا؟ میں نے ہزاروں آسیب زدہ لوگ دیکھے اور ان کے ذہن کا تجزیہ کیا ہے۔

خواب خرامی

بعض لوگ خواب خرامی (سنام بولزم) کے مریض ہوتے ہیں۔نیند کی حالت میں وہ بستر سے اُٹھتے ہیں چلتے پھرتے ہیں کام کاج کرتے کھاتے پیتے ہیں ہنستے بولتے ہیں مگر انھیں اپنی سرگرمیوں کا قطعاً شعور نہیں ہوتا۔

وہ بالکل نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں کیا کہہ رہے ہیں جب بیدار ہوتے ہیں تو انہیں قطعاً یاد نہیں آتا کہ حالت خواب میں کیا کیا کرتے رہے ہیں بے شک الف ح نفسیاتی مریض اور تقسیم کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔عین ممکن ہے کہ غائب دماغی کے دورے کے وقت وہ خود نوٹ اور پیسے میز کی دراز میں رکھ دیتے ہوں اور یہ سمجھتے ہوں کہ یہ سب کچھ دست غیب کی برکت یا غیر مرئی طاقت کی حرکت ہے جہاں تک درخشاں حسینہ کے نظر آنے کا تعلق ہے تو سب انسان پر نیم تنویمی کیفیت ہپناٹک حالت طاری ہوتی ہے تو خود ترغیبی کے زیر اثر اسے سب کچھ نظر آسکتا ہے بہتر ہے کہ الف ح کسی نفسیاتی معالج کی طرف رجوع کریں۔جنات کے سلسلے میں اسی ڈاک سے ایک اور خط موصول ہوا ہے۔

(اُم کلثوم لکھتی ہیں)

☆☆☆☆☆☆☆

جن کو دیکھا

میں بعض اوقات جنات کو اپنے گرد وپیش دیکھتی ہوں ان کی سانس کی آواز سنتی ہوں اپنے اوپر دباؤ محسوس کرتی ہوں کچھ دن قبل کی بات ہے کہ میں تھک کر لیٹ گئی غنودگی میں کیا دیکھتی ہوں کہ میرے قریب ایک جن بیٹھا ہے اور اس کا سر چھت سے لگا ہوا ہے ڈر کے مارے میری آنکھ کھل گئی۔ اُم کلثوم نے اپنے خط میں اور بہت سی تفصیلات لکھی ہیں یعنی بکثرت خواب نظر آنا جن میں سے اکثر سچے ثابت ہوتے ہیں۔ بکثرت خواب نظر آنے کے معنی یہ ہیں کہ اُم کلثوم کے ذہن میں زبردست ہیجان برپا ہے۔ یہ ہیجان بیداری میں دبا رہتا ہے لیکن جب شعور پر اُونگھ طاری ہو جاتی ہے تو اندر دبی ہوئی خواہشیں یادیں۔ آرزوئیں اور تقاضے ذہن کی سطح پر ابھرتے ہیں اور خوابوں کی فلم چلنے لگتی ہے۔ اُم کلثوم کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ خود نویسی کیا کریں۔ خصوصیت کے ساتھ سونے سے قبل خود نویسی کا طریقہ ہے کہ ناک کے سوراخوں سے گہرے گہرے سانس لینے کے بعد کاغذ پر تیزی سے پنسل اور قلم چلانے لگیں یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ کیا لکھا جا رہا ہے بس قلم چلتا رہے لکیریں بنیں تو لکیریں بننے دیجئے فقرے تحریر ہوں تو فقرے تحریر کرتی رہیں۔ بنیادی شرط یہ ہے کہ سوچ سوچ کر کچھ نہ لکھیں بس قلم یا پنسل کاغذ پر چلاتی رہیں۔ بظاہر یہ عمل احمقانہ نظر آتا ہے لیکن ایک معالج نفسیات جانتا ہے کہ خود نویسی یا رفی رائٹنگ کے ذریعے کس طرح نفس کے اندر دبا ہوا جذباتی مواد کاغذ کی سطح پر منتقل ہو جاتا ہے ہزاروں افراد نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کو تفصیلی خط لکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ یقیناً تحریر اور تقریر دونوں سے جی کی بھڑاس نکل جاتی ہے غصے میں بڑبڑانا چیخنا، گرجنا، برسنا، شدت غم میں رونا، خوف میں گھگھی بندھ جانا یہ سب جی کی بھڑاس نکالنے کے مختلف طریقے ہیں ان سطور کو ختم کرنے سے قبل میں حیدرآباد کے الف ح کو مشورہ دوں گا کہ غیر مرئی طاقت حقیقی ہو یا خیالی! بہرحال وہ اس پر غالب آ کر رہیں گے وہ ہرگز اس سے مرعوب و متاثر نہ ہوں اور حیدرآباد کے کسی معالج نفسیات سے مشورہ ضرور لیں۔

آرٹ آف کن سن ٹریشن

پچھلے صفحات میں پاکستان کے ممتاز عالم اور سوشیالوجسٹ ڈاکٹر جی ایم مہکری کے مضمون کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا۔ انہوں نے آرٹ آف کن سن ٹریشن یعنی ارتکاز توجہ یا یکسوئی حاصل کرنے کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے چند مفید تجویزیں پیش کی تھیں جو لوگ ارتکاز توجہ یا مکمل ذہنی یکسوئی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر مہکری نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ سونے سے قبل آرام واطمینان سے لیٹ کر صبح سے اب تک کے واقعات کا یکے بعد دیگرے جائزہ لیں۔ مثلاً صبح آنکھ کھلنے کے بعد دماغ میں کیا کیا خیالات تھے بستر سے اُٹھنے کے بعد کیا گیا۔ کہاں کہاں گئے کس کس سے ملے کیا۔ گفتگو ہوئی الغرض صبح سے اب تک آپ نے جتنے کام کئے ہیں انہیں ترتیب سے یاد کیجئے اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یہ کہ جہاں بھی ذہن بہکے اور بھٹکے گا آپ اسے فوراً واقعات کی صحیح یادداشت کے راستے پر لے آئیں گے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ارتکاز توجہ پیدا کرنے کی تمام مشقوں میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ ایک نقطے پر مسلسل توجہ قائم نہیں رہتی۔ مثلاً S.C.T کی ایک مشق ہے کہ ناک کی نوک پر پلک جھپکائے بغیر دونوں نظریں جمادیں۔ اس مشق کو البصیر کہتے ہیں۔ یا ناک کی جڑ پر دونوں بھنوؤں کے درمیان آنکھوں کے ڈھیلے اوپر کی طرف چڑھا کر نظریں مرکوز کردی جائیں اور پوری یکسوئی کے ساتھ ناک کی جڑ کو تکا جائے اسے التجلی کہتے ہیں بے شک ان مشقوں سے رفتہ رفتہ عظیم فائدے کا احساس ہوتا ہے بشرطیکہ کسی استاد کی نگرانی میں کی جائیں۔ مگر شکل وہی ہے۔ یعنی ایک نقطہ پر توجہ نہیں مرکوز ہونے پاتی ذہن برابر ادھر سے ادھر لگا تار ہتا ہے ذہن کی اس اچھل کود پر غالب آنے کے لئے ڈاکٹر مہکری نے جو طریقہ تجویز کیا ہے۔ آپ اس پر چالیس روز عمل کریں۔ خود اندازہ ہو جائے گا کہ توجہ کی یکسوئی پیدا کرنے کے لئے یہ نسخہ کس قدر مجرب ہے۔

مگر کیوں اور کس لئے؟

اب ہمارے محترم دوست نے ہمارے لئے ایک اور مضمون لکھا ہے اس کا عنوان ہے

Psychic powers:To What Purpose'

(روحی طاقتیں! مگر کیوں اور کس لئے) ڈاکٹر مہکری نے سب سے زیادہ جس نقطہ پر زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ روحیت کی ترقی یا انسانی نفس کی غیر معمولی طاقتوں کا استعمال زندگی کو عملی اعتبار سے کامیاب بنانے کے لئے بھی ضروری ہے جب انسان کو اپنے ذہن پر اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو وہ عملی زندگی میں حیرت ناک کارنامے انجام دے سکتا ہے ہم ارتکاز توجہ کی مشقوں سے انسانی شخصیت کو اور زیادہ مکمل بھرپور اور دولت مند بنا سکتے ہیں اگر ان مشقوں سے عملی زندگی میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو ان پر عمل کرنا بیکار ہے۔ ڈاکٹر مہکری نے اپنے مضمون میں امریکی مصنف پنولین ہل کی مشہور عالم کتاب تھنک اینڈ گرو رچ، کا بھی حوالہ دیا ہے جو لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئی ہے۔ پنولین ہل نے اپنی تصنیف میں نہ صرف ذہن کی حیرت انگیز قوتوں پر روشنی ڈالی ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ ان عظیم الشان قوتوں سے عملی زندگی میں قدر کس فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

(ڈاکٹر مہکری رقمطراز ہیں کہ)

یہ مشقیں

پنولین ہل نے ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کے لئے جو مشقیں تجویز کی ہیں وہ ہمارے لئے نئی نہیں ہیں۔ ہمارے خانقاہ نشینوں اور صوفیوں کے مراقبے اور اذکار و اشغال اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ البتہ ان کے مقاصد کچھ اور تھے۔ صوبیانہ اشغال میں ڈوب جانے کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے اور اس ڈوب جانے کی کیفیت سے جو مکاشفے ہوتے ہیں ان کی مثالیں ہر طبقہ میں ملتی ہیں۔ مثلاً ارشمیدس، نیوٹن، ہملٹن اور کولرج کے مکاشفات نکولا ٹیلا نے آگے چل کر جو سائنسی ایجادیں کیں۔ وہ انہیں بے خودی کے مختصر لمحے میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ ہمارے غیب دانوں عارفوں اور صوفیوں نے ان موضوعات پر جو کچھ بیان کیا ہے اور توجہ کی تربیت اور ذہنی آموزش کے جو طریقے تجویز کئے ہیں اگر ہم ان پر غور کریں تو پنولین ہل کے بیانات طفلانہ محسوس ہوں گے امر واقعہ کیا ہے کہ یہ مشقیں عملی زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کر سکتی ہیں۔

ایک خاص نکتہ

ڈاکٹر مہکری نے ایک خاص نکتہ کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہ کہ سچے کھرے اور مخلص لوگوں میں قدرتی طور پر روحی قوت رکسی مشق مراقبے اور مجاہدے کے بغیر بیدار ہو جاتی ہے ۔آسٹریلیا کے جنگل نشینوں کو دیکھئے۔ یہ لوگ اب تک زمانہ قبل از تہذیب کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور تہذیب کی اکثر برائیوں مثلاً جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ان جنگل نشینوں میں قدرتی طور پر غیب دانی کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور ٹیلی پیتھی کی صلاحیت سے مالا مال ہوتے ہیں انسانی ذہن کے لئے کوئی چیز اس قدر تباہ کن نہیں جس قدر دھوکہ دینا اور جھوٹ بولنا۔ جونہی ہم دانستہ جھوٹ بولتے ہیں یا دھوکہ دیتے ہیں۔ ہماری روح کا ایک جو ہر مر جاتا ہے اور مسلسل کذب وفریب کے نتیجہ میں انسان کی مکمل روحانی موت واقع ہو جاتی ہے ڈاکٹر مہکری نے کہا ہے کہ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا اوران میں طاقتیں کارفرما دیکھی ہیں جو لا مذہب اور فاسق وفاجر تھے۔البتہ جھوٹ منافقت اور فریب دہی کے عیوب سے بری اور پاک تھے۔

سچ بولنے لگئے

آپ کوئی مشق نہ کریں۔ نہ شمع بینی کی ضرورت ہے نہ مراقبے کی! صرف سچ بولنے لگئے۔ رفتہ رفتہ آپ میں وہ قوت بیدار ہونے لگے گی جسے نفس انسانی کی مخفی طاقتیں یا occult powers کہا جاتا ہے۔ڈاکٹر مہکری کا مکتوب (بہ صورت مضمون) کافی طویل ہے میں نے اس کا صرف نچوڑ پیش کیا ہے۔اگر اس مضمون کے ایک لاکھ قارئین میں سے اس ہفتے صرف دس آدمی اس بات کا عہد کر لیں کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے تو میں سمجھوں گا کہ اس کالم کا مقصد پورا ہو گیا۔ بے شک عملی زندگی میں ہر روز ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ آدمی مکمل سچ بولنے پر قادر نہیں ہوتا تو ایسے مواقع پر کچھ نہ بولنا بہتر ہے اگر آپ سچ بولنے پر قادر نہیں تو نہ بولئے خاموشی اختیار کر لیجئے مگر خدارا دروغ گوئی نہ کیجئے۔ فی الحال آپ صرف ایک ہفتے کے لئے یہ عہد کیجئے کہ خواہ کچھ ہو

جائے نہ جھوٹ بولیں گے نہ کسی کو دھوکا دیں گے۔ایک ہفتے تک اس ہدایت پرعمل کیجئے اور خود اپنا ذہنی جائزہ لیتے رہئے۔ایک ہفتے بعد مجھے مطلع کیجئے کہ سچ بولنے سے آپ کی ذہنی کیفیت کیا رہی کچھ سکون قلت حاصل ہوا یا نہیں میں یہ مشورہ آپ کو اخلاقی طور پر نہیں نفسیاتی طور پر دے رہا ہوں ۔بخدا نفسیاتی صحت مندی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی ہر حال میں سچ بولے۔

چشم بددور

چند سوالات

رئیس صاحب! چند سوالوں کا جواب ضرور دیجئے (1) نظر بد کی کیا حقیقت ہے۔(2) کیا یہ سچ ہے کہ بعض لوگوں کو نظر لگ جاتی ہے۔(3) جب کسی حسین چہرے کو دیکھتے ہیں تو چشم بددور کیوں کہتے ہیں؟ جناب والا! میں نے یہ سوالات اس لئے پوچھے ہیں کہ ہمارے گاؤں میں کنجی آنکھوں والی ایک عورت تھی۔لوگ اسکی نظروں سے ڈرتے تھے مشہور یہ تھا کہ اسکی نظر گولی کی طرح سینے کے پار ہو جاتی ہے اس سلسلے میں بہت سے واقعات شہادت کے طور پر پیش کرسکتا ہوں۔میں نے بہت سے علما سے نظر بد کی حقیقت معلوم کرنا چاہی لیکن وہ ادھر اُدھر کے حوالے دیکر خاموش ہو گئے مجھے آپ کی علمی بصیرت پر اعتماد ہے۔ازراہ کرم اس موضوع پر قلم ضرور اُٹھائیں بہت سے لوگ نظر بد کے طلسم میں گرفتار ہیں۔(سراج الحسن۔گلبرگ لاہور)

نظر بد کا طلسم

نظر بد سے بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ خود ''نظر'' پر گفتگو کرلی جائے۔نظر اور نگاہ کی بے شمار قسمیں ہیں۔نگاہِ ناز،نگاہِ شوق،نظر بد،نگاہِ محبت نظر خلوص،نگاہِ نفرت،سینے میں چبھ جانے والی نظر،حقارت سے بھرپور نگاہ،الغرض ہر جذبے کے اظہار کے وقت ہمارا انداز نظر بدل جاتا ہے۔آپ انسان کی نظروں سے انکے قلب کی کیفیت کو بخوبی محسوس کرسکتے ہیں۔انسان کے تمام اعضا منافقت برت سکتے ہیں۔یہ ممکن ہے کہ آپ کا جو ہاتھ کسی شخص کے گلے پر چھری پھیر دینے کے

لئے تیار ہو۔ وہی ہاتھ گرمجوشی کے ساتھ اسکے ہاتھ میں دبا ہوا ہو یہ بھی ہوتا ہے کہ دل میں کچھ ہو زبان پر کچھ ہو زبان دھوکہ دے سکتی ہے کان دھوکہ دے سکتے ہیں مگر نگاہ دھوکہ نہیں دے سکتی انسان اپنے حقیقی چہرے پر مصنوعی چہرے کا خول چڑھا سکتا ہے مگر یہ غیر ممکن ہے کہ نگاہ نفرت کو نگاہ محبت کا روپ دے ہیں کہ دوسرا انہیں کس نظر سے دیکھ رہا ہے نظر کو انسانی روح کا ترجمان کہا گیا ہے اور واقعی آنکھ ایسا آئینہ ہے جس میں کیفیات قلب یکے بعد دیگرے منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ کون ہے جو پیار بھری نظروں کی ''موہنی'' یا جادو اثر کیفیت کو محسوس نہ کر سکے۔ یا کڑی اور کڑوی نظر کو نظر انداز کر سکے، ہر آنکھ میں نگاہ ظاہر کے ساتھ نگاہ باطن بھی موجود ہوتی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ نگاہ کے دو پرت ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری پرت دوسرا باطنی پرت! ہر باشعور اور حساس آدمی چشم زدن میں محسوس کر لیتا ہے کہ فلاں کی نظر کیا پیام دے رہی ہے۔ یہ نگاہ کا باطنی پہلو ہے لیجیے اس گفتگو میں تیر نظر کا خیال آسکے۔ آدمی تو آدمی کتے بلی تک دوسروں کے انداز نظر کو بھانپ جاتے ہیں۔ بیک نظر اندازہ کر لیتے گیا۔

تیر انداز

بہت پرانا شعر ہے (معذرت کے ساتھ) پیش کر رہا ہوں

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دل گیر کو
کیسے تیر انداز ہو، سیدھا تو کر لو تیر کو

واقعی نگاہوں سے تیر اندازی بھی کی جاتی ہے اردو شعر میں نظر اور نگاہ کے بارے میں اتنے مضامین بیان کئے گئے ہیں کہ اگر دہرانے بیٹھوں تو نظر کے نظریات پر ایک باقاعدہ دفتر نقد و نگاہ مرتب ہو جائے۔ یہ تو ذکر ہوا نظر کا آیئے اب ذرا ''نظر گاہ'' یعنی آنکھ کا بیان ہو جائے۔ اہل نظر نے آنکھ کے سلسلے میں بھی بڑی بڑی موشگافیاں بلکہ نظر بازیاں کی ہیں چشم مست، چشم بیمار، چشم نرگس، دیدہ آہو، دیدہ حیرت، از رپھر دیدہ، حیرت دیدہ سے ''ندیدہ'' نکلا ہے ندیدہ کہتے ہیں۔ لالچی آدمی کو، جو کبھی شکم سیر نہ ہو، اور ہمیشہ کھانے کو ندیدہ پن سے گھورتا رہے۔ میں نے نظر انداز نظر اور آنکھ کی مختلف کیفیتوں پر اس لئے گفتگو کی کہ نظر بد کا موضوع پیش نظر تھا۔ سراج الحسن صاحب نے پوچھا

ہے کہ کیا واقعی بعض کو بعض کی نظر لگ جاتی ہے؟ جی ہاں لگ جاتی ہے۔ یہ بات صدیوں کے تجربات سے ثابت ہو چکی ہے کسی اچھی چیز کو دیکھ کر چشم بد دور ضرور کہنا چاہئے کہ جس چیز کو آپ دیکھ رہے ہیں وہ آپ کی نظر کے منفی پہلو سے محفوظ ہے۔

منفی اور مثبت

ہر چیز کی طرح نظر کے بھی دو پہلو ہوا کرتے ہیں۔ منفی پہلو اور مثبت پہلو مثبت نظر سے خوشی ،خوشحالی، حوصلہ افزائی، مسرت خوداعتمادی اور روحانی تازگی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور منفی نظر سے شرارت، بدی، خباثت، ہمت شکنی، مایوسی اور بیزاری کے تاثرات رونما ہوتے ہیں۔ بہت سی آنکھیں چغل خور ہوتی ہے۔ بہت سے بے حیا لوگ دیدے مٹکا کر بات کرتے ہیں۔ بہت سی آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہتی ہیں بہت سی آنکھیں آنسوؤں کے بغیر سدا روتی رہتی ہیں۔ بہت سی نظروں میں قدرتی کشش ہوتی ہے۔ وہ مقناطیس کی طرح دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں ''نظر سے دل اُڑا لینا''یعنی بیک نظر کسی کو مبتلائے محبت کر دینا معشوقوں کی قدرتی صفت ہے۔ آپ بھی نگاہ ناز کی اس تاثیر سے واقف ہیں۔ میں بھی! مختصر یہ کہ نظر جذبات کے اظہار اور جذبات کی شدت اور اثر اندازی کا واحد اور موثر ہتھیار ہے ہم اس ہتھیار سے دوسروں کو دوست بھی بنا سکتے ہیں دشمن بھی! تو نظر بد کیا ہے؟ نظر بد کالے جادو کی طرح دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہے جس شخص میں خباثت ،شرارت ،شیطانیت ،بدی نفرت ،عداوت ،حرص ،لالچ اور خودغرضی بھری ہوتی ہے اسکی نظر کسی مہلک ہتھیار کی طرف دوسروں کو تباہ کر دیتی ہے یہ بھی دریافت طلب ہے کہ ''نظر بد'' کے اثرات سے کس طرح بچا جائے۔ نظر اتارنے کے بہت سے طریقہ ہیں۔ ہماری عورتیں ان سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کسی بزرگ خاتون سے نظر اتارنے کا طریقہ دریافت کر سکتے ہیں۔ میں کوئی عامل نہیں کہ اس سلسلہ میں آپ کی رہنمائی کر سکوں۔ میں صرف نظر بد کا نفسیاتی علاج تجویز کر سکتا ہوں۔ نظر بد کا نفسیاتی علاج یہ ہے کہ جب بھی آپ کسی کی نظروں سے خلش اور بے چینی محسوس کریں۔ فوراً آنکھیں بند کر کے پرسکون ہو کر پوری توجہ کے ساتھ حسب ذیل فقرہ دہرائے جائیں

۔یہ نظر بد کا کامیاب ترین علاج ہے اور ہم ہزاروں افراد پر اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔

جوانوں کا مسئلہ

جوانی دیوانی:۔

جوانی کو دیوانی کہا جاتا ہے اور اس دیوانی جوانی میں انسان کا ناپختہ ذہن اور کچا شعور کن کن منزلوں سے گزرتا ہے کن کن الجھنوں سے دوچار اور کیسی کیسی کیفیتوں سے آشنا ہوتا ہے اس کا اندازہ صرف نفسیات داں ہی کر سکتے ہیں (ایس یو رکورنگی کراچی) لکھتے ہیں کہ خط مطابق اصل ہے میں نے ایک لفظ کا بھی تغیر و تبدل نہیں کیا۔فقروں کی ترتیب بھی وہی ہے جو اصل خط میں تھی ۔ہاں تو ایس یو۔رقمطراز ہیں۔

محترم رئیس امروہوی صاحب! السلام علیکم عرض گزارش یہ ہے کہ میں آپ کو خط لکھنے کے لئے کافی عرصہ سے بے چین تھا لیکن پریشانی کی وجہ سے نہ لکھ سکا میں اس وقت خطرناک ذہنی، جسمانی ، دماغی ، اعصابی ، نفسیاتی پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہوں اور آپ سے اس امید پر خط لکھ رہا ہوں کہ پہلی ہی بار اسکے جواب میں آپ مجھے ان پریشانیوں سے کمزوریوں سے راہ نجات کے طریقے تحریر فرمائیں گے ۔تاکہ میری عملی زندگی اور ذہنی زندگی تباہی کی بجائے سکون سے گزر جائے۔میری پریشانیاں اور بیماریاں یہ ہیں جو میں آپ کو نیچے لکھ رہا ہوں۔خدا کے لئے ان سے تلافی کی ہر ممکن کوشش فوراً جواب میں تحریر فرمادیں۔میں ایک غریب طالب علم ہوں۔دسویں جماعت پاس کرلی ہے مجھے ہر شخص ہر چیز اجنبی نظر آتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں شاید اس دنیا میں زندہ نہیں ہوں۔دیکھو نا ابھی چند روز ہوئے کہ حیدرآباد گیا۔جب واپس آیا تو خدا کی قسم ذہن اس قدر متاثر ہوا کہ بس میں اس اجنبیت کا ذکر اپنے دوستوں سے کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ تمہارا وہم ہے سب لوگ ہی ہیں ۔ہر چیز وہی ہے شاید تم خود اجنبی ہو۔ویسے میں محسوس کرتا ہوں کہ شاید مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور میں تمام کام بناوٹی کر رہا ہوں حتیٰ کہ میری ہستی زندگی سب بناوٹی ہے

۔ ہر چیز عارضی اور بہت جلد تباہ ہو جانے والی ہے۔ سنتے تھے کہ چودھویں صدی میں سب کچھ ہوگا ۔گھر گھر ریڈیو ہوگا۔ میرا دل یہ بات محسوس کرتا ہے تو میں خوفزدہ جاتا ہوں سارا دن خالی رہتا ہوں ۔میٹرک کے بعد تعلیم ختم کر دی ہے۔ رات دن عجیب خیال، فکر سوچ میرے دماغ، اعصاب پر چھائے رہتے ہیں۔ زمانہ ترقی یافتہ ہے لیکن میری سوچیں نہایت گھٹیا ہیں مجھے اپنے بچپن کی باتیں ایسی محسوس ہوتی ہیں۔ جیسے کل ہی ہوئی ہیں میں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے ایک جال میں پھنسا ہوا ہوں جہاں ہر طرف اندھیرا ہے میں راستہ بھٹک گیا ہوں بعض مرتبہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہر چیز بوڑھی ہوگئی ہے میرے اندر کا انسان بوڑھا ہو چکا ہے میری آواز جس جسم سے آرہی ہے وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ یاد رہے میری عمر صرف اٹھارہ سال ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے مجھے آئے ہوئے دنیا میں کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ اب واپس جانا چاہئے میرا احساس دل زمانے کی تمام برائیاں اور بھلائیاں دیکھ کر غم و رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے کئی مرتبہ سوچا کہ پگلے اپنے کام سے کام رکھو لیکن ناکام رہا۔ خدارا محترم بزرگ مجھے کوئی مشورہ دیں۔ تاکہ میری زندگی صحیح راہ پر چل سکے مجھے ہر شخص خود غرض نظر آتا ہے۔ اچھا بس اب میرا دل نہیں چاہ رہا لکھنے کو لہٰذا خدا حافظ کہتا ہوں جواب ضرور دیں ۔خدا کے لئے جواب دیں۔

لاکھ سے زیادہ خطوط

پچھلے دس سال میں اندازے کے مطابق میں ایک لاکھ سے زیادہ خطوط پڑھ چکا ہوں ان ایک لاکھ خطوط میں نصف خطوط لڑکوں اور لڑکیوں کے یقیناً ہوں گے۔ ضرور ہوں گے۔ ایس۔ یو کی عمر 18 سال ہے ان کا ذہن جس طرح الجھ گیا ہے۔ اسی طرح لاکھوں نوجوانوں کے ذہن الجھے ہوئے ہیں۔ ہر نوجوان کا انداز بیان مختلف سہی لیکن بنیادی مضمون ایک ہی ہوتا ہے۔ ان ہی کالموں پر صد ہا بار نوجوانوں کے نفسیاتی مسئلوں اور ان کی ذہنی پیچیدگیوں پر بحث ہو چکی ہے لیکن موضوع کی اہمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ بار بار اس بحث اور گفتگو کو دہرایا جائے۔ ایس یو محسوس کرتے ہیں کہ (الف) ہر چیز اجنبی سی ہے (ب) میں زندہ نہیں ہوں (ج) شاید مجھ میں کوئی بتدیلی آ گئی ہے

(د) تمام کام بناوٹی کر رہا ہوں (س) میری زندگی بناوٹی ہے (ش) ہر چیز عارضی اور بہت جلد تباہ ہو جانے والی ہے (ص) جال میں پھنسا ہوا ہوں۔ ہر طرف اندھیرا ہے (ط) ہر چیز بوڑھی ہو چکی ہے میرے اندر کا انسان بوڑھا ہو چکا ہے (ع) جیسے مجھے دنیا میں آئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ اب واپس چلنا چاہئے وغیرہ وغیرہ یہ ہیں۔ ایس یو کی ذہنی کیفیات! آپ کو معلوم ہے کہ جب بیج سے پودا سر باہر نکالتا ہے تو بیج کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے یہی حال نوجوانی کا ہے جب بچپن نوجوانی میں بتدیل ہوتا ہے تو انسانی شخصیت میں بڑی ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی ہے۔ اس توڑ پھوڑ اور ٹوٹ پھوٹ کے بغیر ممکن نہیں کہ بچپن جوانی میں تبدیل ہو سکے۔ بچے کے تصورات عقائد اور محسوسات کا ایک خاص سانچہ ہوتا ہے جو اسے ورثے اور ماحول سے ملتا ہے اور وہ دنیا کے ہر مسئلہ کو اسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے جس نقطہ نظر کی اسے تربیت ملی ہے لیکن جوں ہی جسم میں جوانی کے غدود تیزی سے کام کرنا شروع کر دیتے ہیں جسم اور جان میں ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ خون میں جذباتی آگ کا بہتا ہوا دریا موجیں مارنے لگتا ہے۔ ایسے ایسے تصورات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں کہ نوجوان سہم جاتا ہے۔ بعض اوقات نوجوانی دیوانگی کا روپ اختیار کر لیتی ہے جذبات سے چنگاریاں پھوٹنے لگتی ہیں۔ بچپن کی معصومیت کے چہرے پر مسیں بھیگنے لگتی ہیں۔ آواز میں کھرج اور کھنک پیدا ہو جاتی ہے آنکھوں میں ایک پراسرار چمک اور معنی خیز گہرائی جنم لیتی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے جسم میں جو محسوس اور نمایاں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں ان سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور غیر محسوس وہ تبدیلیاں ہیں جو ان کے اندر یعنی ان کے ذہن اور نفس میں بروئے کار آتی ہیں۔ لاہور سے ۔۔نواز لکھتے ہیں کہ

شورش انگیز دور

گو مجھے شروع ہی سے تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے لیکن اب صورتحال برعکس ہے۔ اب میری بیماری اذیت ناک صورت اختیار کر چکی ہے کسی کام کو جی نہیں چاہتا جس دماغ میں اچھے اچھے خیالات اور تصورات ابھرتے تھے وہ دماغ شیطانی خواہشوں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ ذہن کو

گندے خیالات جھنجوڑتے رہتے ہیں۔سر چکراتا ہے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا رہتا ہے ۔دنیا کی ہر چیز سے بیزاری محسوس ہوتی ہے۔میں نے پوری کوشش کی کہ علامہ صاحب کے شعر

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

سے فیض حاصل کر کے دلیری اور ثابت قدمی کے ساتھ ناخوشگوار حالات کا مقابلہ کروں لیکن مجھے اس کوشش میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی میں ہار گیا۔آپ خدا کے لئے مجھے کسی ایسے آدمی سے ملا دیجئے جو میرے علاج کا پورا خرچ اُٹھا سکے وہ اگر اولاد سمجھ کر مجھ پر پیسہ خرچ کرے گا تو میں شفیق باپ سمجھ کر اسکی خدمت کروں گا یا کوئی صاحب مجھے بیرون ملک بلالیں جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھنے والی ایک لڑکی لکھتی ہے کہ اب میری بات سنئے میں اپنی پریشانی لے کر حاضر ہوئی ہوں مجھے آپ کی مصروفیتوں کا اندازہ ہے لیکن اللہ کے واسطے اپنے قیمتی وقت میں سے پانچ منٹ مجھے دیدیں میں دسویں جماعت کی طالبہ ہوں میرا جی پڑھنے کو نہیں چاہتا۔دل و دماغ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں گھر میں مجھے وہ مقام حاصل نہیں جو ہونا چاہئے ایک دو صفحے پڑھتی ہوں اور جی اُچاٹ ہو جاتا ہے فرسٹ ڈویژن پاس ہونے کی لگن ہے دماغ بند سا رہتا ہے۔آیات قرآنی پڑھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتی ہوں عجیب بات یہ ہے کہ جس روز نماز پڑھتی ہوں اس روز گھر میں کوئی نہ کوئی ہنگامہ ضرور برپا ہو جاتا ہے میں نے آپ کی کتاب مراقبہ پڑھی ہے مجھے اس کتاب کے مطالعہ سے بے حد سکون پہنچا۔آپ اپنی ساری کتابیں ارسال کر دیں۔م۔ح، لیاقت کالونی حیدرآباد لکھتے ہیں کہ میری تحریر میں انتشار نظر آئے تو معاف کر دیں میری تباہی کا بنیادی سبب دو آنے والی لائبریری بنی ہے وہیں سے میں جذبات برپا کر دینے والی کتابیں لیتا اور تسکین نفس حاصل کیا کرتا ۔آج کل ان لائبریوں سے سویڈن کے چھپے ہوئے انتہائی فحش رسالے ملتے ہیں۔ان رسالوں میں بعض پوشیدہ حرکتوں کی ایسی برہنہ تصویریں ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ! نجانے مجھ جیسے کتنے لڑکے ان کتابوں کو پڑھ پڑھ کر گمراہ اور تباہ ہو چکے ہیں ایمان ہے کہ اگر میری قوت ارادی بحال ہو جائے تو میں ساری الجھنوں کو خود سلجھا سکتا ہوں۔اب محمود کا بیان سنیئے میری عمر اس وقت سترہ سال ہے لیکن

مجھ میں اب تک بچپن موجود ہے میں دن بھر چھوٹے بھائی بہنوں کو تنگ کرتا رہتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ میں لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے شرما جاتا ہوں خالہ زاد بہنوں سے آنکھ ملا کر بات ہی نہیں کرسکتا۔ حد سے زیادہ نروس ہو جاتا ہوں جسم ٹھنڈا پڑ جاتا ہے کبھی کبھی احساس کمتری کے جان لیوا دورے پڑتے ہیں۔ رئیس صاحب! خدا کے لئے مجھے بچائیے۔ (ش۔م کوئٹہ) کا خط ملا ان کی غزل خوب ہے کیا خوبصورت مطلع ہے۔

چاندنی رات میں یوں سائے نظر آتے ہیں
جیسے رُوحوں کے چھپے زخم اُبھر آتے ہیں

میں نے سیکڑوں خطوط میں سے (جو ہر ہفتے ملتے ہیں) نوجوانوں کے چند خطوط کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ یقین کیجئے کہ ہر خط کا مضمون اسی طرح کا ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ اس قیامت خیز لمحہ (آغاز جوانی) کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ ہر نوجوان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسے ذہنی توڑ پھوڑ کے اس شورش انگیز دور سے ضرور گزرنا پڑے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ جوانی کی آندھیاں چلیں اور دل ودماغ کا شیرازہ منتشر نہ ہو۔ میں اپنے بچوں اور بچیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مایوسی بیزاری محرومی، احساس کمتری، بغاوت، سرکشی، تنہائی پسندی، جنسی گمراہی، نفسیاتی کشمکش اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور شورش انگیزی کی یہ کیفیت عارضی ہوتی ہے۔ ہر لڑکی اور ہر لڑکے کو اس سیلاب جذبات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ضرورت اپنے کو سمجھنے کی ہے۔ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی بعض مشقیں نوجوانوں کے لئے بے انتہا مفید ہیں۔

عجائبات تہ درتہ

حوصلہ افزا:۔

رشید احمد ملک (حافظ جمال ملتان) لکھتے ہیں کہ میں تنفس نور 7 نومبر 1973ء سے کررہا ہوں ۔نتائج کافی سے زیادہ حوصلہ افزا ہیں۔ دعا فرماتے رہیں ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کون سی

چیز ہے جو مشق کو باقاعدگی کے ساتھ جاری نہیں رہنے دیتی۔ درمیان میں روک دیتی ہے۔ ایک دلچسپ تجربہ بیان کروں۔ اجازت دیں۔

ہمزاد کا ظہور

رات مشق کے بعد سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ مختلف خیالات نے آ گھیرا میں نے اپنے آپ سے کہنا شروع کیا۔ ''اب مجھے نیند آ رہی ہے'' دفعتاً میری ہی شکل کا ایک نورانی جسم ایک طرف سے نمودار ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ اور آنکھوں سے نورانی لہریں نکل رہی تھیں۔ پھر میں تمیز نہ کر سکا کہ وہ یہ فقرہ دہرا رہا تھا کہ ''اب مجھے نیند آ رہی ہے'' یا میں؟ پھر میں سو گیا ایسا کیوں ہوا۔ مجھے ایسا کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟ مشقوں کے نتائج حسب ذیل ہیں۔ سانس کے پہلے چکر کے ساتھ ہی روشنی کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ آنکھیں بند کرتا ہوں تو خود کو بادلوں میں تیرتا ہوا پاتا ہوں۔ تصور میں ایک نورانی ہیولے کا منظر ہوتا ہے۔ دور سے ایسا لگتا ہے جس طرح راکٹ اپنے پیچھے دھواں چھوڑتا جاتا ہے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سانس کے ساتھ ایک شعلہ سا اندر جا رہا ہے! اور پھر میں اپنے آپ میں نہیں رہتا۔ نجانے کہاں ڈوب جاتا ہوں۔ بادل آہستہ آہستہ چھٹنے لگتے ہیں۔ بارش نور میں نہا جاتا ہوں۔ قلب کے اندر سفیدی اور سیاہی گڈمڈ پاتا ہوں۔ پھر سفیدی ہی سفیدی رہ جاتی ہے۔ سانس باہر نکال دینے کے بعد بھی کچھ دیر یہی کیفیت طاری رہتی ہے۔

عمل اور ردعمل

رشید احمد ملک نے سانس کی مشق کے جو تجربے بیان کئے ہیں وہ منفرد اور انوکھے نہیں۔ ہزاروں افراد اس تجربے میں ان کے شریک ہیں۔ میں نے اپنی کتابوں میں سانس کی مشق کرنے والے سیکڑوں افراد کے حیرت انگیز مشاہدات تجربات اور تاثرات نقل کئے ہیں۔ رشید احمد ملک کو حیرت ہے کہ وہ کون سی قوت ہے جو انہیں باقاعدہ مشقیں نہیں کرنے دیتی اور درمیان میں مشقوں کو قطع

کر دیتی ہے۔غرض یہ ہے کہ وہ لاشعور کی قوت ہے۔یاد رکھنا چاہئے کہ باہر کی دنیا کی طرح انسان کے اندر کی دنیا میں بھی عمل اور ردعمل اور ارادے اور جوابی ارادے کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔عمل شروع کرتے ہی ردعمل کی طاقت ابھر آتی ہے! ارادہ کرتے ہی جوابی ارادہ میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ہمارا ذہن ہمیشہ ''ہاں اور نہیں'' کے درمیان جھولا جھولتا رہتا ہے یعنی اثبات ونفی کی کیفیت مسلسل طاری رہتی ہے ان مشقوں میں لاشعوری مزاحمت لازمی چیز ہے۔ہم ذہن کو آہستہ آہستہ' آہستہ آہستہ' آہستہ آہستہ' کسی عمل کا عادی بنا سکتے ہیں۔مثلاً نماز! شروع میں نمازی کا ذہن طرح طرح کے بہانے تراش کر نماز سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔آخر رفتہ رفتہ بتدریج یہ مزاحمت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور لوگ ذوق وشوق سے نماز ادا کرنے لگتے ہیں اور پھر یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ نماز قضا ہو جائے تو وحشت ہونے لگتی ہے۔رشید احمد ملک لاشعوری طور پر مزاحمت سے پریشان نہ ہوں پابندی سے مشق جاری رکھیں انجام کار وہ دیکھیں گے۔محسوس کریں گے۔اندر کی بغاوت فرد ہو رہی ہے اور ان کا ارادہ جوابی ارادے پر غالب آتا چلا جاتا ہے۔

روائتی ہمزاد

اب آئیے یہ دیکھیں کہ ''مجھے نیند آ رہی ہے'' یہ فقرہ دہراتے وقت رشید احمد ملک کی شکل کا ایک نورانی جسم جو فٹ بھر اونچائی پر نمودار ہوا تھا وہ کون تھا اور کیا تھا؟ کیا یہی وہ روائتی ہمزاد ہے جس کی تسخیر کے چکر میں لوگ اپنی زندگیاں تباہ کر دیتے ہیں۔

مجھے ہر ڈاک سے ایک نہ ایک خط اس مضمون کا ضرور ملتا ہے کہ مجھے تسخیر ہمزاد کا طریقہ سکھلا دیجئے۔کیا واقعی رشید احمد ملک کو اپنا ہمزاد نظر آ گیا ہے؟ صورتحال یہ ہے کہ سانس کی مشق کے بعد رشید احمد ملک نے یہ فقرہ دہرانا شروع کیا کہ مجھے نیند آ رہی ہے۔بے خودی کی کیفیت اور گہری ہو گئی۔اور انہوں نے اپنے ایک نورانی ہمشکل کو اپنے اوپر ڈولتے اور جھولا جھولتے پایا۔گویا یہ تجربہ بیداری نہیں غنودگی کی حالت میں پیش آیا۔کوئی شبہ نہیں کہ نیم خوابی اور غنودگی کی حالت میں اس طرح کے تجربات ہوا کرتے ہیں۔رشید احمد ملک نے سانس کی مشق کے بارے میں حسب

ذیل تاثرات بیان کئے ہیں۔(الف) سانس کے پہلے چکر ہی میں روشنی کا تصور قائم ہو جاتا ہے(ب) آنکھیں بند کرتے ہیں تو خود کو بادلوں میں تیرتا ہوا پاتے ہیں (ج) تصور میں ایک نورانی ہیولا ہوتا ہے جو راکٹ کی طرح پیچھے دھواں چھوڑتا جاتا ہے(د) سانس کے ساتھ شعلہ سا سینے کے اندر جاتا ہے اور بے خودی طاری ہو جاتی ہے(س) نور میں نہا جاتے ہیں! رشید احمد ملک کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے اندر کیا کیا چھپائے ہوئے ہیں۔ عجائبات کی کتنی تہیں ہیں جو ہمارے نفس کے ہر پرت میں موجود ہیں۔ نفس کی ایک گرہ کھلتی ہے اور نئی دنیا کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ سانس اور ارتکاز توجہ کی مشقیں کرنے والے اپنے کو اکثر نورانی دنیا میں سفر کرتے ہوئے پاتے ہیں! کیا یہ نورانی دنیا تاروں، سیاروں اور خلاؤں میں پائی جاتی ہے؟ نہیں یہ دنیا خود ہمارے اندر آباد ہے۔ صرف اس دنیا کا انکشاف باقی ہے۔ ہمارے دوست ڈاکٹر جی ایم مہکری نے سوال کیا تھا کہ ان مشقوں سے عملی زندگی میں کیا فائدہ پہنچتا ہے اور پھر خود ہی جواب دیا تھا کہ ان مشقوں سے انسان کے اندر وہ عملی بصیرت وہ روزمرہ کی سوجھ بوجھ اور وہ گہرا سکون قلب نصیب ہوتا ہے جس کے بغیر زندگی بسر کرنے کی قابل ہی نہیں بن سکتی اپنے ہمزاد یا اپنے ہم شکل کو دیکھنے کا تجربہ مجھ سمیت بہت سے افراد کو ہوا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کبھی ارادے سے کبھی غیر اختیاری طور پر ڈوب جانے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ذہن گرد و پیش سے غافل ہو جاتا ہے اور اسی لمحہ بے خودی میں آدمی کو ہمزاد یا اپنے مثنیٰ (ڈبل) کی جھلک نظر آجاتی ہے مجھے عمل خوانی کے ذریعہ تسخیر ہمزاد کا کوئی طریقہ معلوم نہیں، اس سلسلہ میں بہت کچھ سنا ہے دیکھا کچھ نہیں البتہ ان مشقوں کے ذریعہ ممکن ہے کہ آپ کسی نہ کسی روز اپنے ہم شکل کو دیکھ سکیں۔ یہ ہم شکل کون ہے کہاں سے آتا ہے اسکی تحقیق جاری ہے۔

خود تنویمی

س۔م۔ح قادری (لاہور) لکھتے ہیں

حال ہی میں یورپ کے چند طبی رسالے نظر سے گزرے۔ ان رسائل میں فن تنویم ہپناٹزم کے بارے میں بھی چند مضمون تھے۔ اور تنویم کاری کی طبی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ آپ کی کتاب

ہپناٹزم پڑھ چکا ہوں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی ہپناٹزم سے جسمانی اور ذہنی امراض کا علاج ممکن ہے؟ پاکستان میں تنویمی علاج کی سہولتیں موجود ہیں یا نہیں، کیا آپ بھی ہپناٹزم کے ذریعہ علاج کرتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو ازراہ کرم یہ بھی تحریر فرمائیں کہ خود ہپناٹزم کی حقیقت کیا ہے؟

ہپناٹزم کیا ہے؟

قادری صاحب نے جو سوال کیا ہے وہ سوال بے شمار ذہنوں میں گردش کرتا رہتا ہے مجھ سے بار بار پوچھا گیا ہے کہ ہپناٹزم کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے؟ اور کیا تنویمی علاج نفسیاتی اور جسمانی بیماریوں کو دور کر سکتا ہے؟ پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ خود ہپناٹزم کیا ہے؟ ہپناٹزم نہ کوئی جادو ہے نہ کوئی پراسرار علم! ہپناٹزم کہتے ہیں۔ متواتر، ترغیب، تلقین ہدایت مشورے حکم اور ایما کے ذریعہ کسی شخص کو متاثر کر دینا اور اسے متاثر کر کے حسب مرضی کام لینا۔ ترغیب کے ذریعہ آپ لوگوں سے بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ آپ دوسرے کو اس انداز میں ترغیب دیں کہ وہ اسے بخوشی منظور کر لے۔ یہ دنیا ترغیب و تلقین کی دنیا ہے اشتہارات، پبلسٹی، اخبار، فلم، ریڈیو اور ٹی وی سب کے سب ترغیب دہی کے ذرائع ہیں۔ اشتہار کا اصول ہے کہ ایک فقرے کو اتنی بار دہرایا جائے کہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے۔ ہپناٹزم اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ لوگوں کے ذہن اور دل و دماغ کو متاثر کر کے ان سے اپنے احکام کی تکمیل کرائی جائے۔ بے شک علاج معالجہ کے سلسلے میں فن تنویم کاری کی بڑی اہمیت ہے یورپ اور امریکہ میں ہپناٹزم کو باقاعدہ طبی موضوع کی حیثیت دیدی گئی ہے۔ اور چھوٹے موٹے آپریشن (مثلاً دانت اکھاڑنا) تنویمی ترغیب پذیری کے ذریعے کئے جاتے ہیں۔ مریض کو ترغیب دی جاتی ہے کہ تمہارے دانت اکھیڑ ے جائیں گے اور نہ تم دانت اکھیڑتے وقت درد محسوس کرو گے نہ اس کے بعد! ایسا ہی ہوتا ہے مریض اس آپریشن میں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ تنویمی ترغیب دہی کے ذریعہ عورتوں کے لئے وضع حمل (پیدائش) کا مرحلہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ قادری صاحب نے سوال کیا کہ کیا ہپناٹزم کے ذریعہ جسمانی اور ذہنی امراض کا علاج ممکن ہے؟ عرض یہ ہے کہ ممکن ہی نہیں سو

فیصد یقینی ہے۔البتہ پاکستان میں تنویمی علاج کی آسانیاں موجود نہیں۔ ہمارے یہاں اب تک یہ فن شعبدہ بازوں تک محدود ہے اور کھیل تماشے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔قادری صاحب! میں تنویمی علاج کی تکنیک اور طریق کار سے واقف ضرور ہوں لیکن تنویمی علاج کرتا نہیں البتہ مریضوں کو وہ طریقہ بتلا سکتا ہوں کہ خود اپنا تنویمی علاج کر سکیں۔اسے ''سیلف ہپ ناسز'' یا ''خود تنویمی'' کہتے ہیں۔

طریق کار

خود تنویمی (یعنی ترغیبات کے ذریعہ اپنے اوپر تنویمی نیند طاری کرنا) کا طریقہ یہ ہے کہ آپ فرش پر آرام سے لیٹ جائیں۔فرش پختہ ہوتا کہ لیٹتے وقت جسم ایک سطح پر قائم رہے۔ پلنگ پر لیٹنے سے جسم ہموار نہیں رہتا۔ کمر اندر کی طرف دھنس جاتی ہے۔ سر بلند ہو جاتا ہے۔ پختہ فرش پر لیٹ کر جائزہ لیجئے کہ آپ بے آرام تو نہیں ہیں؟ جسم بے آرام ہو تو ذہن پر سکون نہیں ہو سکتا فرش پر آرام سے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔اور حسب ذیل فقرہ دہرانا شروع کر دیں۔ میرا جسم سن ہو رہا ہے ۔واقعی جسم سن ہونے لگے گا جب جسم سن ہونے لگے تو اپنے کو متواتر ترغیب دیں کہ مجھ پر ہلکی تنویمی نیند طاری ہو رہی ہے۔ چند منٹ کی ترغیب دہی کے بعد آپ پر نیم خوابی کی سی کیفیت طاری ہو جائے گی۔نیم خوابی کی یہی کیفیت ''سیلف ہپ ناسز'' (خود تنویمی) کا پہلا درجہ ہے۔علاج معالجہ کے لئے اسی کیفیت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جب آپ پر نیم خوابی کی حالت طاری ہو جائے تو پھر آپ اپنے کو مفید مطلب ترغیبات دے سکتے ہیں۔ ناپسندیدہ عادتوں سے نجات پانے کے لئے خود تنویمی (سیلف ہپ ناسز) کا عمل بے حد مفید اور موثر ہے اور شرط یہ ہے کہ خود تنویمی کا عمل مسلسل جاری رہے۔میرے مشورے پر بہت سے حضرات نے خود تنویمی کے عمل میں کامیابی حاصل کی ہے اور ان فوائد کا بذات خود اندازہ کیا ہے جو اس عمل کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔آپ اپنی بہت سی ذہنی کمزوریوں پر خود تنویمی کے ذریعہ غالب آ سکتے ہیں۔اگر آپ یہ عمل کرنا چاہتے ہیں۔تو بغیر کسی خوف اور جھجک شروع کر دیں میری درخواست صرف اتنی ہے کہ مجھے بھی عمل خود

تنویمی کے نتائج سے مطلع کرتے رہیں۔

عجیب مسئلہ

طارق محمود طارق میڈیکل اسٹور رنگپور روڈ سیالکوٹ، اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:۔

پہلے کبھی کبھی اور اب اکثر دو تین روز کے وقفہ سے رات کے پچھلے پہر نیم خوابی کے عالم میں چند سائے ہوا کے دوش پر لہراتے ہوئے آتے اور مجھے کسی نامعلوم مقام پر لے جاتے ہیں۔ مجھے تاریکی میں صحیح اندازہ نہیں ہونے پاتا کہ وہ کوئی مکان ہے یا باغ؟ بہرحال وہاں لے جا کر مجھے مختلف قسم کے پھل دیئے جاتے ہیں جو میں بڑی رغبت سے کھاتا ہوں۔ ذائقہ کچھ اتنا پر کیف ہوتا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا اس نادیدہ مقام کے کچھ پھل ساتھ لے جانے کے لئے رکھ لیتا ہوں صبح کو بیدار ہوتا ہوں تو وہ پھل موجود ہوتے ہیں۔ نامعلوم دنیا سے لائے ہوئے وہ پھل ناشتہ پر عزیزوں کو کھلاتا ہوں۔ یہ پہلے تو عزیز یہ طلسماتی پھل بلکہ جناتی پھل کھاتے ہوئے جھجک محسوس کرتے تھے۔ مگر اب بے دھڑک کھا لیتے ہیں۔ عزیز بھی کتنے ہیں معدودے چند افراد کل چھ! ایک والد، ایک والدہ، ایک ننھی بہن اور تین بھائی، آج تک اس حیرت انگیز واقعہ کو علم کسی اور کو نہیں ہوا۔ والدین کو بھی میں نے صرف اتنا بتایا ہے کہ نہ جانے یہ طلسماتی پھل کہاں سے آ جاتے ہیں۔ کون رکھ جاتا ہے صبح کو بیدار ہوتا ہوں۔ تو انہیں بستر پر پڑا پاتا ہوں۔ جناب میں نے صرف ذاتی تسلی کے لئے اس راز کا انکشاف کیا ہے۔ ورنہ بخدا مجھے ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوتا۔

لکھتے ہیں کہ بی ایس سی پاس ہوں اسکول کے زمانے میں 23 بارے حفظ کئے تھے۔ غفلت کے سبب مکمل قرآن حفظ نہ کر سکا۔ ہپناٹزم کے چند آسان مظاہرے کرنے پر قادر ہوں۔ گھر میں 36 قسم کے سانپ پالے ہیں۔ ان میں بعض انتہائی زہریلے ہیں۔ سانپ پالنا اور زہریلے سانپوں سے کھیلنا میرا مشغلہ سمجھ لیجئے! البتہ گھر والے اس مشغلے کے مخالف ہیں جب کبھی بے انتہا غصہ آتا ہے تو سگریٹ سے جسم کا کوئی حصہ جلا لیتا ہوں یا کسی سانپ کو کچل کر

مار ڈالتا ہوں۔

زہریلے سانپ

طارق محمود کے خط کے اقتباسات آپ نے ملاحظہ فرمائے اپنے بارے میں لکھتے ہیں ہپناٹزم سے واقف ہیں!اور تنویم کاری کے چند آسان طریقے (مثلاً تنویمی نیند طاری کر دینا) کر سکتے ہیں ۔(2)36 قسم کے گھر میں سانپ پال رکھے ہیں ۔ان میں سے چند انتہائی زہریلے ہیں ۔(3) سانپوں سے کھیلتے ہیں اور اس کھیل سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔(4) غصہ چڑھتا ہے تو اپنے جسم کے کسی حصہ کو سگریٹ سے جلا لیتے ہیں یا کسی سانپ کو کچل کر مار ڈالتے ہیں۔ان بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معتدل مزاج انسان (یعنی نارمل) نہیں زہریلے سانپوں سے کھیلنا خود مردم آزاری کا ثبوت ہے یعنی انہیں دوسروں کو ڈرا کر ستا دکھ دے کر قلبی سکون ملتا ہے۔مردم آزاری کی ایک کڑی خود آزاری بھی ہے یعنی اپنے آپ کو آزار پہنچا کر مخفی لذت حاصل کرنا، انسان کتنا عجیب واقع ہوا ہے بعض حالتوں میں خود آزاری سکون قلب کا ذریعہ بن جاتی ہے جو لوگ دبے ہوئے جنسی ہیجان میں مبتلا ہوتے ہیں اور جسمانی لذت اندوزی سے محروم رہتے ہیں۔وہ تسکین نفس حاصل کرنے کے لئے تشدد پر عمل کرتے ہیں۔جنسی ہیجان اور تشدد پسندی دو جڑواں جذبے ہیں۔یہ ممکن ہی نہیں کہ تشدد کے بغیر جنسی ہیجان کی تسکین ہو جائے۔

کرب لذتِ طرب وصل میں شامل پایا

طارق محمود یقیناً دبے ہوئے جنسی ہیجان میں مبتلا ہیں۔جس کے واضح مظاہر اور نشانیاں سانپوں کی پرورش (سانپ خود جنس کا استعارہ ہے) اور خود آزاری (اپنے جسم کو سگریٹ سے جلا لینا) کی عادتیں ہیں میں نے اپنی تصنیفات، جنسیات (اول، دوم) میں کھل کر اس مسئلے پر گفتگو کی ہے۔

چند سائے

اب طارق محمود کے بیان کے اصل حصے پر غور کریں۔لکھتے ہیں کہ رات کے پچھلے پہر نیم خوابی کے

عالم میں چند سائے ہوا کے دوش پر لہراتے ہوئے آتے اور مجھے کسی نامعلوم مقام پر لیجاتے ہیں۔اس نامعلوم مقام پر کچھ پھلوں سے انکی تواضع کی جاتی ہے جن کا ذائقہ اس قدر پر کیف ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اس حد تک طارق محمود کا بیان عقل کے معیار پر پورا اترتا ہے۔نفسیاتی نقطہ نظر سے آدمی نیم خوابی یا وژن کے عالم میں سب کچھ دیکھ اور سب کچھ محسوس کر سکتا ہے۔طارق محمود نے خود لکھا ہے کہ وہ ہپناٹزم (یعنی تنویم کاری) کے فن میں شد بد رکھتے ہیں اور آسان مظاہر پر قادر ہیں۔تنویم کاری کی ابتدائی مشق یہ ہے کہ اپنے اوپر مسلسل ترغیبات کے ذریعہ تنویمی نیند طاری کی جائے اور خود ترغیبی کے ذریعہ ذہن کو وہ کچھ باور کرادیا جائے جسے باور کرانے کو جی چاہتا ہے۔طارق محمود کا نیم خوابی کے عالم میں یہ محسوس کرنا کہ چند پراسرار سائے آئے اور انہیں اُڑا کر کسی نادیدہ مقام پر لے گئے۔وہاں انکی خاطر تواضع پھلوں سے کی گئی۔یہ سارے تجربات خارجی اور واقعی نہیں ،ذہنی اور داخلی ہیں یعنی غنودگی اور نیم بے خودی میں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسا ہو!انسان تصور میں ترغیب کے ذریعہ سب کچھ کر سکتا ہے۔سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔سب کچھ سن سکتا ہے۔سب کچھ چھو سکتا ہے۔سب کچھ چکھ سکتا ہے۔

ہمہ تصور محبوب ہوگیا ہوں میں
تصورات کے عالم میں کھو گیا ہوں میں

بے شک خود تنویمی اور خود ترغیبی کے ذریعہ یہ سب کچھ ممکن ہے بلکہ یہ تو بہت معمولی بات ہے۔آپ خود تنویمی (سیلف ہپناسز) اور خود ترغیبی (سیلف سجیشنز) کے ذریعے اس دنیا کو اپنی بہشت تصور میں بھی تبدیل کر سکتے ہیں اور اس بہشت تصور میں آپ کو بقید حیات وہی لطف آئے گا۔جو مزے مومنین صادقین انشا اللہ روضہ رضواں میں لوٹیں گے!اگر میری کتاب ہپناٹزم آپ کی نظر سے گزر چکی ہے تو آپ کو تنویم کاری کے عجائبات کا اندازہ ہو چکا ہوگا۔بہر حال اس حد تک میں طارق محمود کے بیانات کی صداقت تسلیم کر چکا ہوں۔

بہت بڑی مگر

مگر (اور یہ بہت بڑی مگر ہے) ان کا یہ بیان کہ نامعلوم مقام پر نیم خوابی کی حالت میں وہ پھل

کھاتے ہیں انہیں گھر بھی لے آتے ہیں۔اور صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو وہ پھل سر بستہ موجود ہوتے ہیں ۔ان کے والدین اور بھائی بہن انہیں طلسماتی اور جناتی پھلوں سے ناشتہ کرتے ہیں۔یہ بیان عقل عامہ (کامن سنس) عادت اور تجربے کے بالکل خلاف ہے۔میں اپنے کسی مکتوب نگاری کو بھی غلط نہیں سمجھتا۔البتہ بہت لوگ نیک نیتی کے ساتھ غلط اندیش ہو سکتے ہیں۔میری ڈاک کے 90 فیصد خطوط اور آپ کو یہ سن کر تعجب نہ ہونا چاہئے کہ پچھلے چودہ پندرہ سال میں بے شمار خط میری نظر سے گزر چکے ہیں۔نجی ذاتی خفیہ ہوتے ہیں۔ان مکتوب نگاروں کو یہ توقع بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ خطوط کبھی اخبار کی روشنائی اور دن کی روشنی دیکھیں گے۔ہزار پانچ سو خطوط میں سے صرف دو چار خط کے مضمون ہی قابل بحث ہوتے ہیں۔طارق محمود کا خط انہی خطوط میں شامل ہے جن سے متنازعہ بحثوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔فی الحال اس بحث کو یہیں ختم کرتا ہوں۔نئے حقائق سامنے آئیں گے تو مزید گفتگو ہوگی۔

پراسرار جنگ عظیم

کسی زمانے میں تحصیل اوستہ محمد ضلع سبی (بلوچستان) میں سندھ کے علاقے کے نزدیک ایک جگہ میدان میں بلوچ قبیلے بگٹی اور جمالی قبیلے کے درمیان جم کر لڑائی ہوئی تھی۔بگٹیوں کی قیادت سردار اسلیمان کر رہا تھا اس لڑائی میں جمالی قبیلے کے سولہ افراد اپنے سردار صوابدار خاں روہلیانی کے ساتھ شہید ہو گئے تھے۔کہا جاتا ہے کہ بگٹیوں نے علم کے زور سے جمالیوں کی تلواریں کند کر دی تھیں۔بگٹی لشکر ایک سو اسی افراد پر مشتمل تھا۔جمالی کم تعداد میں تھے۔اس لئے سب کے سب مارے گئے۔جس میدان میں یہ لڑائی ہوئی تھی وہ اب تک آسیب زدہ ہے۔رات ہوتے ہی اس میدان میں رجز کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں۔تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پورا میدان گونجنے لگتا ہے۔بگٹیوں اور جمالیوں کے درمیان یہ لڑائی ساڑھے تین سو سال پہلے ہوئی تھی ۔ساڑھے تین سو سال سے اس میدان میں رات کے وقت یہ ہنگامہ گرم ہو جاتا ہے۔اندھیرے میں پراسرار سوار میدان میں گھوڑے دوڑانے لگتے ہیں نہ دکھائی دینے والی تلواریں ایک دوسرے

سے ٹکرانے لگتی ہیں۔

نادیدہ لشکروں کے درمیان مقابلہ شروع ہو جاتا ہے اور عجیب وغریب لڑائی رات بھر جاری رہتی ہے۔ صبح ہوتے ہیں سکوت چھا جاتا ہے۔ آپ ازراہ کرم اس واقعہ پر روشنی ڈالیں۔ آخر یہ کیا اسرار ہے؟ کیا مرے ہوئے لوگوں کی آوازیں صدیوں تک زندہ رہتی ہیں۔ کیا بعض واقعات ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتے ہیں۔

(من خان معرفت نذیر ٹیلر ماسٹر گلی شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ)

اجمیر شریف کے قریب

من خان نے بکٹیوں اور جمالیوں کی جس ساڑھے تین سو سالہ پرانی لڑائی کا ذکر کیا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ سندھ کے قریب تحصیل محمد ضلع بستی میں وہ پر اسرار میدان کہاں واقع ہے۔ جہاں رات کو ایک عظیم جنگ نادیدہ لشکروں کے درمیان برپا ہوتی ہے اور رات بھر ہیبت ناک انداز میں جاری رہتی ہے اور صبح ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہے البتہ خان صاحب نے جو خارق العادات واقعہ بیان کیا ہے اس کی تائید میں لوگوں کے صد ہا تحریری اور تقریری واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ہمارے بزرگ دوست پشتو غزل کے مرزا غالب، جناب امیر حمزہ شنواری نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک رات انہیں اجمیر شریف کے قریب کسی میدان میں رات گزارنے کا موقع ملا۔ رات بھر اس مہیب میدان میں ہنگامہ کا بازار گرم رہا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہوا کے تیز و تند جھونکوں کے ساتھ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں گونجنے لگتیں تلواریں تلواروں سے ٹکراتیں، تیروں کی سنسناہٹ اور سنسناہٹ سے فضا گونجنے لگتی۔ ایسا لگتا ہے یکا یک فضا سے غیبی لشکر برآمد ہوتے۔ ایک دوسرے سے ٹکراتے اور فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد یہ ماجرا دہرایا جاتا رہا۔ جناب امیر حمزہ شنواری نے عجیب شاعرانہ انداز میں اس رات کی ہولناکیوں کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر جوڈ نے اپنی بصیرت افروز کتاب ''اذکار جدیدہ'' میں بھی اس قسم کے خارق لاعادات مظاہر و مناظر سے بحث کی ہے اور علما مابعد النفسیات سے

درخواست ہے کہ وہ ان خارق العادات (سپر نارمل) مشاہدات و تجربات کی نفسیاتی اور سائنسی تشریح کریں۔

فقط آواز ہونگے

من خاں نے سوال کیا ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد آواز زندہ رہتی ہے۔ خان صاحب کے اس سوال سے اپنے دو بلکہ تین شعراء یاد آئے

کہاں ہم اختتام نغمہ کے بعد
اگر ہونگے تو صرف آواز ہونگے
یہ آوازیں کبھی مطرب بنیں گی
یہی مطرب کبھی آواز ہونگے
جہاں بربط نوازوں پر ہے قدغن
وہاں بربط نوا پرداز ہونگے

بے شک آوازیں زندہ رہتی ہیں۔ بلاشبہ پرچھائیاں (واقعات کی تصاویر) فضا میں باقی رہتی ہیں تحصیل اوستہ محمد میں ساڑھے تین سو سال قبل بگٹیوں اور جمالیوں کے درمیان جو لڑائی ہوئی تھی اس لڑائی کی فلم جوں کی توں فضا میں موجود ہے اصل سوال یہ ہے کہ یہ فلم روزانہ شب میں کیوں دہرائی جاتی ہے؟ ساڑھے تین سو سال قبل لڑی جانے والی جنگ میں ایسی خصوصیات کیا ہے کہ وہ بار بار اپنے کو دہراتی ہے کیا بعض واقعات بعض مقامات سے چپک کر رہ جاتے ہیں؟ میں اس واقعہ کی عقلی توجیہہ سے قاصر ہوں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض واقعات سے اتنی جذباتی قوت خارج ہوتی ہے کہ وہ فضا میں بے اثر ہونے نہیں پاتی اور صدیوں تک ابلتی رہتی ہے مثلاً سخت نفرت اور انتقام کے ساتھ لڑی جانے والی لڑائیاں، خودکشی کے حادثے الغرض جن حادثوں میں زندگی غیر طبعی طور پر اچانک ختم ہوجاتی ہے ان حادثات میں زندگی کی غیر مستقل یا نا استعمال شدہ توانائی اپنے کو منتقل کردیتی ہے۔ اور وہ نا استعمال شدہ توانائی اس وقت تک متحرک اور کارفرما رہتی

ہے جب تک پوری طرح استعمال میں نہیں آ جاتی۔ مثلاً ایک شخص کی عمر طبعی ستر سال ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص کے اندر ستر سال زندہ رہنے کی توانائی موجود ہے۔ اب کسی حادثے کی بنا پر وہ شخص بیس سال کی عمر میں موت سے دوچار ہو جاتا ہے! اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی نفسی قوت کا صرف وہ کوٹہ خرچ کر سکا جو بیس سال تک کے لئے تھا موت کے وقت اس کے نفس میں پچاس سالہ زندگی کی جذباتی توانائی باقی تھی (جو استعمال میں آتی رہے گی جب تک وہ باقی ہے یہ رائے میری ہے ایک نفسیاتی دلیل پیش کی گئی ہے۔ جسے علماء نفسیات مضحکہ تیز قرار دیں گے۔ امید ہے کہ کوئی اور اہل علم اس موضوع پر بہتر انداز میں روشنی ڈال سکے۔

زندگی کیا ہے

وہارٹ از لائف

میں کافی عرصے سے ایک اہم سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ناکام ہوں ۔اب آپ کو چند سطور تحریر کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ سوال دراصل یہ ہے کہ زندگی کیا ہے میں مطمئن نہ ہو سکا نہ سمجھ سکا کہ زندگی کیا ہے؟ کیا یہ شب و روز جو گزر رہے ہیں اسی کا نام زندگی ہے؟ پوری امید ہے کہ آپ محروم نہ کریں گے۔

بہت بہت شکریہ (وہاب صدیقی وارڈ نمبر 7 مریم روڈ نواب شاہ)

وہاب صدیقی صاحب نے جو سوال رئیس امروہوی سے کیا ہے امروہوی نے وہی سوال رئیس امروہوی سے کیا تھا؟

جو زندگی سے تہی ہو وہ عاشقی کیا ہے
مگر سوال تو یہ ہے کہ زندگی کیا ہے
اور اس کا جواب یہ ملا تھا کہ
زلیت اک عقدۂ مشکل ہے مگر مشکل تر

یہ شعور ابدوذوق بقا اور بھی ہے

خواب اور افسانہ

زندگی کی عملی حقیقت سے ذار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی نادانستہ اور دانستہ طور پر اپنے کو ایسے سوالات میں اُلجھا دیتا ہے جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً زندگی کیا ہے؟ خدا کی حقیقت کیا ہے؟ کائنات کس طرح وجود میں آئی تھی۔ ازل کسے کہتے ہیں؟ ابد کس چیز کا نام ہے؟ وغیرہ وغیرہ ان سوالات سے نمٹنے کے لئے اور ان کا جواب حاصل کرنے کے مختلف طریقہ ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ منطقی ہے یعنی انسان محض عملی تحقیق کے لئے ان مسائل پر غور کرکے کائنات کے راز دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ فلسفیوں کا طریقہ ہے۔ فلسفی کی عقل اس غور وفکر کے ذریعہ اپنی تشفی چاہتی ہے دوسرا طریقہ ہے وجدانی، یعنی یکایک ذہن پر کسی کائناتی حقیقت مثلاً زندگی کیا ہے کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہ شاعرانہ انداز فکر ہے اور تیسرا طریقہ مریضانہ ہے یعنی انسان کا ذہن خود اپنے کو ایک ایسے جال میں اُلجھا دیتا ہے جس سے نجات پانا مشکل ہوتا ہے۔ مجھے وہاب صدیقی کی ذہنی زندگی اور جذبات کیفیت کا مکمل اندازہ نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ کسی قسم کی جذباتی پیچیدگی میں مبتلا ہیں۔ ایسے ہزاروں افراد نظر سے گزرے ہیں جن کی ذہنی قوت اور دماغی توانائی غیر ضروری، بے بنیاد اور ناحقیقی تصورات میں خرچ ہو جاتی ہے اور وہ سالہا سال تک خواب وخیال کی زندگی بسر کرتے رہتے ہیں اور جب ان کے شعور کی آنکھ کھلتی ہے تو محسوس کرتے ہیں کہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

پیچیدہ مسئلے

وہاب صدیقی نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ زندگی کیا ہے؟ ضمنی سوال یہ ہے کہ کیا یہ شب وروز جو گزر رہے ہیں انہی کا نام زندگی ہے۔ اس کا جواب اثبات یعنی ہاں میں ہے۔ جی ہاں جو شب وروز ہم گزار رہے ہیں یا گزر رہے ہیں ان ہی کا نام زندگی ہے جس چیز کو ہم زندگی کہتے ہیں روقت

مقررہ ترک جینا اور پھر مر جانا۔ بس وہی زندگی ہے۔ اس میں آپ کو قباحت کیا محسوس ہوتی ہے۔ آپ اس مسئلہ میں اُلجھے ہوئے کیوں ہیں؟ کیا زندگی صرف ایک ہی مسئلہ اور سوال سے عبارت ہے کہ زندگی کیا ہے۔ یا اس کے علاوہ کچھ مسئلے اور بھی ہیں۔ جنہیں حل کرنا اور سلجھانا چاہئے۔

زلف جاناں کے ماسوائے دوست اور بھی مسئلے ہیں۔ پیچیدہ اور ذہنی مریضوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سچ مچ بسر کرنے والی زندگی کی حقیقی اور عملی دشواریوں سے بھاگ ایسی دنیا میں پنا حاصل کرتے ہیں جو خود ان کی رتاشی ہوئی اور ایجاد کی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اپنے احساسات کے خول میں بند ہو جاتے ہیں۔ ان کے دماغ کے تمام دریچے مقفل ہو جاتے ہیں اور تازہ ہوا کا گزر نہیں ہونے پاتا۔ یہ ایک جذباتی حبس اور ذہنی نظر بندی کی حالت ہے۔ جب تک نفسیاتی مریض اس حبس وحراست سے نجات نہ پائیں ممکن نہیں کہ وہ ذہنی صحت مندی کی سعادتوں سے لذت یاب ہو سکیں۔ وہاب صدیقی اپنی اس الجھن (زندگی کیا ہے؟) سے صرف اس طرح نجات پا سکتے ہیں کہ زندگی کے بنیادی مسئلوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ زندگی کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مفید کارآمد اور تعمیری زندگی بسر کرنے کی کوشش کی جائے۔ زندگی بسر کرنا ایک فن ہے۔ اور اس فن کو اس طرح سیکھنا پڑتا ہے۔ جس طرح دوسرے فنون کو! مثلاً سنگ تراشی ،مصوری، نجاری اور آہن گری، وغیرہ سیکھنے سکھانے سے جانور تک کے کردار میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان تو انسان ہے! وہاب صدیقی کو از سر نو زندگی بسر کرنے کا طریقہ سیکھنا چاہئے اور ہر اس شخص کو بھی جو اپنے کو جذباتی پیچیدگیوں میں مبتلا پاتا ہے معلوم ہونا چاہئے کہ عملی زندگی ہم سے کیا تقاضا کرتی ہے۔

چند سوالات

وہاب صدیقی کو یہ سوال پوچھنے سے قبل کہ زندگی کیا ہے؟ حسب ذیل سوالات کے جوابات دینے چاہئیں تا کہ میں بھی ان کے دل ودماغ کی کیفیت سمجھ سکوں اور وہ بھی اپنی باطنی کیفیت سے خبردار ہو سکیں سوال یہ ہے کہ (1) ان کی ابتدائی زندگی کن حالات میں گزری (2) بچپن میں انہیں

کیا صدمے پہنچے (3) بچپن کے کون کون سے جذباتی حادثات کی یاد اب ان کے ذہن میں تازہ ہے (4) والدین کے عمل اور برتاؤ کی نسبت ان کا جذباتی ردعمل کیا تھا اور کیا ہے؟ خلاصہ اس تمام بحث وگفتگو کا یہ ہے کہ وہاب صاحب کی ذہنی پیچیدگی اور غیر حقیقت پسندانہ رویہ کا اظہار اس سوال کی شکل میں ہوا ہے کہ زندگی کیا ہے؟ ان کے لاشعور میں بے شمار جذباتی پیچیدگیاں بھری پڑی ہیں ۔وہاب صدیقی نے ان جذباتی ہیجانوں کو بھلانے کے لئے ان سے قطع نظر کرنے کے لئے ان کو فراموش کرنے کے لئے ایک ایسے مسئلہ میں اپنے کو اُلجھا دیا ہے جو بالکل غیر متعلق غیر سفید اور غیر تعمیری ہے۔میں اس سلسلہ میں ان کی ہر ممکن خدمت کو حاضر ہوں یہ صرف انہی کا مسئلہ نہیں ہے ہزاروں افراد کا ذہنی مسئلہ بھی ہے مذہب ،سائنس ،سیاست ،تجارت ،فلسفے کے بارے میں لوگ ہزار ہا ایسے سوالات گھڑ لیتے ہیں (کسی ذہنی دباؤ سے مجبور ہو کر) جن کا کوئی تعلق مسائل حیات سے نہیں ہوتا۔یہ ذہنی توانائی کا ضیاع ہے۔یہ دماغی قوتوں کی فضول خرچی ہے اس قسم کے خیال وہمی اور قیاسی تصورات کے پس پشت ہمیشہ ناآسودہ جذباتی ہیجان کارفرما رہتے ہیں ۔ہم اصل بھوتوں سے بچنے کے لئے جو ہمارے نفس میں ادوہم مچا رہے ہیں ۔ایک فرضی دیو قائم کرکے اس سے کشتی لڑنے لگتے ہیں اور ساری عمر ان ہی خیالی کشتیوں میں گزر جاتی ہے۔ہائے زندگی ہائے زندگی کے اصنام خود تراشیدہ

مجھ سے اب طالت پرستش ہیں
میرے اصنام خود تراشیدہ

اندھیرے میں مہک

پراسرار خوشبو

ڈیڑھ سال قبل بھی آپ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تھا جس کا جواب بروقت مل گیا تھا پھر بعض حالات کے سبب آپ سے رابطہ قائم نہ کرسکا۔البتہ آپ کی ہدایت پر حاضرات ارواح

نامی کتاب منگوائی اور اس کا غور سے مطالعہ کیا۔

حاضرات ارواح کیبعد آپ کی دوسری تصانیف پڑھنے کا شوق ہوا وہ بھی دستیاب ہو گئیں اور ان کا مطالعہ جاری ہے۔ ناچیز محکمہ صحت کی ایک دیہاتی ڈسپنسری کا مہتمم ہے۔ دو سال پہلے کا ذکر ہے کہ نماز کے بعد رات کو سوتے وقت جبکہ بتی گل اور ریڈیو بند کر دیا جاتا ہے۔ تو ناگہاں خوشبو کی لپٹیں آنے لگتی تھیں۔ یہ خوشبو پانچ سات منٹ تک جاری رہتی اس کے بعد ختم ہو جاتی۔ یاد رہے کہ بندہ رات کو بالکل علیحدہ کمرے میں سوتا ہے یہ خوشبو صرف خاموش اندھیرے میں سنگھائی دیتی۔ روشنی میں خوشبو غائب ہو جاتی ہے۔ خوشبو سنگھائی دینے سے پہلے جسم پر عجیب عجیب حالتیں گزر تیں۔ کبھی جسم بالکل ہلکا ہو جاتا کبھی کپکپی طاری ہو جاتی۔ جب میں نے چند لوگوں سے اس پراسرار خوشبو کا تذکرہ کیا تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ راقم الحروف مذہبی خیالات کا آدمی ہے۔ حتی الوسع نماز کی پابندی کرتا ہے۔ نیز چند وظائف کا بھی مشغل رکھتا ہے۔

تجربے کی تصدیق

جب میں نے اپنے حالات لکھے تھے۔ تو آپ نے ''حاضرات ارواح'' کے مطالعہ کا مشورہ دیا تھا آپ کی تصنیف میں عالم ارواح، توجہات، جنات اور لے سانس بھی آہستہ کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ اور کل سے تفسیات و مابعد النفسیات (اول۔ دوم) کا مطالعہ کرنے ولا ہوں۔ مزید اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ مکان میں نے چھوڑ دیا ہے اب ایک دوسرا کرایہ دار اس میں رہتا ہے۔ اس نے بھی میرے تجربے کی تصدیق کی اور کہا کہ بعض اوقات مکان میں اجنبی خوشبو پھیل جاتی ہے اور عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی ہیں تو کیا وہ خوشبو اس مکان سے وابستہ ہے؟

سلیم الرحمٰن از کیمبل پور

عجائبات جہاں

پراسرار خوشبو کے سلسلے میں متعدد مرتبہ ان کالموں پر اظہار خیال کر چکا ہوں جس طرح طول

موج (فری کوئنسی) کی روشنیوں کو دیکھ کر اور خاص طول موج کی آواز کو سن سکتے ہیں۔ یہی حال امواج شمیم یعنی خوشبو کی لہروں کا ہے۔ فضا میں بے شمار خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ ان گنت شعاعیں جگمگا رہی ہیں۔ لاتعداد آوازیں تیر رہی ہیں انسانی حواس خمسہ کا دائرہ بہت محدود ہے۔ آنکھ روشنی کی بہت محدود تعداد کو دیکھ سکتی ہے۔ سماعت کی گرفت میں صرف چند آوازیں آسکتی ہیں۔ اور شامہ (سونگھنے کی قوت) کا دائرہ خوشبو کی چند قسموں تک محدود ہے۔ البتہ اگر تزکیہ نفس کے سبب پانچوں حسوں (حواس خمسہ) یعنی باصرہ سامعہ، شامہ، ذائقہ اور لامہ میں لطافت پیدا ہو جائے تو ہم ان عجائبات کو محسوس کر سکتے ہیں۔ جو خوشبو آواز اور روشنی کی شکل میں چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ بہت سے حضرات کو اجنبی خوشبوؤں، رنگا رنگ روشنیوں اور طرح طرح کی آوازوں (مہیب، عجیب) دلنواز، خاراشگاف، نغمہ، آمیز، قہر انگیز کا تجربہ ہوا ہے اور وہ متحیر اور رنگ رہ گئے ہیں۔ وہ اس کی تاویل نہ کر سکے ایسے لوگوں کے تجربات، مشاہدات اور محسوسات ایک دفتر کی صورت میں جمع ہیں۔ میں نے اس دفتر کا بار بار مطالعہ کیا ہے اور ہمیشہ اسی نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ لطافت حواس کے سبب انسانی نادیدہ عجائبات کا مشاہدات اور تجربہ کر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس حواس میں لطافت کس طرح پیدا ہو؟ یعنی وہ کیا ترکیب ہے کہ آنکھ ایسی روشنیوں کو دیکھ سکے جو عام طور پر نظر نہیں آتیں، کان ایسی آوازوں کو سن سکے جو بالکل بالعموم سماعت کے دائرے سے باہر رہتی ہیں اور دماغ ایسی خوشبوؤں سے معطر ہو سکے جو اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتیں۔ جو اس میں لطافت صرف تزکیہ نفس سے پیدا ہو سکتی ہے۔ دماغ جس حد تک اوہام سے پاک وصاف ہوگا۔ قلب میں اسی قدر پاکیزگی پیدا ہوگی۔ مشکل یہ ہے کہ ہم اوہام کے مارے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت وہی ہے جو جسمانی آنکھوں سے نظر آتی اور جسمانی کانوں کسے سنائی دیتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مادہ مثلاً ذرے ٹھوس اور ٹھس (جامد) ہیں لیکن اگر ہم الیکٹرک دوربین سے دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ہر ذرہ بے شمار برق پاروں (الیکٹران) سے مرکب ہے جو سیکڑوں میل فی سکینڈ کی رفتار سے اپنے مرکز کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ کائنات ویسی نہیں جیسی بظاہر محسوس ہوتی ہے۔

عجائبات جہاں کے بارے میں گفتگو تھی تو دل سے فوراً
صدا یہ آئی کہ اس جہاں سے عجیب تر وہ جہاں نہیں ہے

عجب خصوصیات

سلیم الرحمٰن نے ایک خوشبو دار مکان اور اندھیرے میں مہک کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ اگر کمرے میں روشنی ہو رہی ہو تو وہ پر اسرار خوشبو سنگھائی نہیں دیتی البتہ کامل اندھیرے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کہیں سے خوشبو کی لپٹیں اور عطر بیز ہوائیں چلی آ رہی ہیں۔ سلیم الرحمٰن نے اب اس مکان کی سکونت ترک کردی اور ایک کرایہ دار وہاں رہ رہا ہے وہ کرایہ دار بھی اس اجنبی خوشبو کا اقرار کرتا ہے۔ وہ بھی کہتا ہے کہ بعض اوقات کہیں سے عجیب سی خوشبو آنے لگتی ہے۔ سلیم الرحمٰن نے سوال کیا ہے کہ کیا وہ خوشبو صرف اس مکان سے وابستہ ہے (اگر اس مکان سے وابستہ نہ ہوتی اور اس کا سبب سلیم الرحمٰن کی لطافت احساس ہوتا تو دوسرے مکان میں بھی کبھی تو وہ خوشبو سنگھائی دیتی۔ یہ سوال بے حد اہم ہے کیا بعض مکانوں میں اجنبی خوشبوئیں ہمیشہ کے لئے بس جایا کرتی ہیں؟

انظار الحسن (ناظم آباد کراچی) رقم طراز ہیں کہ

جناب! میں آپ کو اپنی ایک عجیب خصوصیت سے مطلع کرنے کا اجازت چاہتا ہوں۔ شاید آپ اسے میرے خلل دماغ یا اوہام پسندی کا نتیجہ قرار دیں۔ امر واقعہ ہے کہ جب میں کسی مکان میں پہلی مرتبہ داخل ہوتا ہوں تو مجھے خاص قسم کی خوشبو یا بدبو کا احساس ہوتا ہے۔ لفظوں کے ذریعہ اس کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں البتہ یہ تجربہ صرف ایک آدھ مرتبہ ہوتا ہے جب اس مکان میں مستقل آمدورفت شروع ہو جاتی ہے تو نہ وہ خوشبو سنگھائی دیتی ہے نہ وہ بدبو جب بھی کسی نے مکان میں پہلی مرتبہ قدم رکھوں ''بو'' سے سابقہ ضرور پڑے گا۔ خواہ وہ ''بو'' خوش ہو یا بد (یعنی بدبو) اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اتنا اور عرض کردوں کہ میں دہرہ دون کا رہنے والا ہوں اور میں نے وہاں ایک درویش کی نگرانی میں چند سال حبس دم سانس روکنے کی مشق کی تھی۔ تین سال تک میری غذا صرف

ابلے ہوئے چاول اور دودھ تھی افسوس کہ میں حبس دم کے عمل کو مکمل نہ کر سکا۔اس عمل سے بے شمار ذہنی فائدے محسوس ہوئے اور سب سے نمایاں اور مستقل فائدہ یہ ہے کہ میرے اندر مکانوں کی خوشبو (یا بدبو) سونگھنے کی صلاحیت وخصوصیت پیدا ہوگئی ہے جن مکانوں میں قدم رکھ کر ''بدبو'' کا احساس ہوتا ہے ان میں ڈر بھی لگتا ہے۔جیسے کوئی بدبودار کریہہ الصورت مخلوق مجھ پر حملہ آور ہے۔جیسے

پتوں میں جھپک رہی ہیں آنکھیں
شاخوں میں چمک رہے ہیں خنجر

انظار صاحب نے اپنی جس خصوصیت وخوبی کا ذکر کیا ہے بے شک سانس کی مشقوں (نیز ارتکاز توجہ اور مراقبے اور ذکر اور تفسکر) سے یہ خارق العادات جس بیدار ہوجایا کرتی ہے۔مجھے اُمید ہے کہ مشق تنفس نور پر عمل کر کے وہ بیک وقت خوشبو اور روشنی کا احساس کریں گے۔ایک نہیں ہزار ہا افراد ان مشقوں کے ذریعہ ایسی حقیقتوں کو دریافت کر چکے ہیں۔عام حالات میں جن کا اندازہ بھی ممکن نہیں!!

برائے نام

زائچہ سازی

ط سلطانہ (پی ای سی ایچ ایس) لکھتی ہیں کہ رئیس صاحب میرا بیٹا تیرہ سال کا ہو چکا ہے۔میں اس کا نام تبدیل کرانا چاہتی ہوں۔آپ کہیں گے کہ اتنے بڑے لڑکے کا نام کس طرح تبدیل ہوسکتا ہے؟ بہت سے لوگوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ نحوست دور کرنیکے لئے لڑکے کا نام تبدیل کر دیا جائے تو بہتر ہے فی الحال بچے کا نام شہاب ہے گھر میں عرفان کہلاتا ہے یہ بچہ 16 مارچ 1962ء بروز جمعہ دس بجکر پچاس منٹ (صبح) پر پیدا ہوا تھا۔میرا بیٹا انتہائی نیک فطرت ہے مگر وہ ہکلانے لگا ہے اور اسے تعلیم کا شوق نہیں ہے۔اور کچھ ایسا ہے کہ اسے دوسروں کو ستا کر سکون ملتا ہے آپ مشورہ دیں

گے کہ اسکو بھرپور توجہ کی ضرورت ہے تو عرض یہ ہے کہ وہ ہم سب کی توجہ اور محبت کا مرکز ہے۔ دو بہنیں اور ایک بھائی آپ براہ مہربانی تاریخ پیدائش وقت دن اور ستاروں پر نظر کر کے زائچہ نکال کر نام بدل دیجئے۔ ایسا نام تجویز کیجئے کہ اس کی شخصیت بھرپور ہو جائے وہ لکنت کے مرض سے نجات پا جائے۔ تعلیم کا شوق پیدا ہو جائے اس کا پاسپورٹ بنوانا ہے اور اسکول میں بھی اس کا نام تبدیل کرانا ہے ذرا سا کام کر دیجئے۔ آپ کی بے حد مہربانی ہوگی۔

(ط۔س)

اختر شناسی

ان عزیز بہن کی خدمت میں عرض ہے کہ میں فن زائچہ سازی کی ابجد سے بھی واقف نہیں نہ مجھے ستاروں کی گردش اور ان کے اثرات کا علم ہے شعراء میں صرف حکیم مومن خاں مومن مرحوم فن نجوم سے مناسبت رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

مومن مرحوم واقعی فن اختر شناسی میں (نجوم) یکتا تھے۔ آب حیات میں مولانا آزاد نے ان کے بہت سے لطیفے نقل کئے ہیں۔ جن نجوم کے سلسلے میں اپنا عقیدہ وہی ہے جو علامہ اقبال کا تھا یعنی۔

ستارہ کیا تیری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراختی افلاک میں ہے زارو زبوں

نام کا اثر

میں نہیں کہتا کہ نام کا اثر شخصیت پر نہیں پڑتا۔ یقیناً پڑتا ہے مگر یہ اثر نفسیاتی ہوتا ہے۔ آپ شعراء کے تخلص سے ان کی ذہنی اور نفسیاتی ساخت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میر غالب ؛ ؛

آتش، حالی اور اقبال کے تخلص ان بزرگوں کی پوری شخصیت کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اگر کسی شخص کا نام مظلوم ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ اس کی زندگی میں مظلومیت کی جھلک پیدا ہو جائے گی۔ جب ایک لفظ کو (خواہ وہ کسی آدمی کا نام ہو یا کسی شے کا) بار بار دہرایا جاتا ہے تو اس لفظ میں ایک خاص قسم کی معنویت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ معنوی طاقت انسانی ذہن پر اثر انداز ہوتی ہے نام کی نفسیاتی تاثیر کا راز یہی ہے ہر حروف کا ایک عدد ہوتا ہے عدد کی تاثیرات اگر معلوم کرنا ہوں تو علم الاعداد کے ماہرین سے رجوع کریں۔ اس علم کا موجد اور بانی فیثاغورث کو کہا جاتا ہے لیکن یہ بیان صحیح نہیں۔ علم الاعداد ایک قدیم اور عالمگیر فن ہے چین، تبت، ہندوستان، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک میں اس علم کا رواج رہا ہے اور آج کل یورپ و امریکہ میں از سر نو اس فن کی تجدید ہو رہی ہے۔ میں نے بھی بہت سے لوگوں کے نام ان کی خواہش پر تبدیل اور بہت سوں کے تاریخی نام تجویز کئے ہیں لیکن اب میں اس شوق فضول سے باز آ گیا ہوں کیونکہ میں نے تو نام کی تبدیلی سے کسی کی شخصیت میں کوئی تبدیلی محسوس کی نہیں۔ کردار اور شخصیت میں انقلاب انحراف اور ارتقا ذہن پیدا کرتا ہے اور ذہن کو تبدیل کر دینا کوئی آسان کام نہیں۔

عزیز القدر سلمہ

ط۔س نے اپنے بچے کا نام شہاب عرف عرفان بتایا ہے فرض کیجئے کہ اس کا نام شباب اور عرف سلطان تجویز کرتا ہوں۔ تو اس سے عزیز القدر سلمہ کی زندگی میں کون سا انقلاب برپا ہو جائے گا۔ کیا زبان کی لکنت دور ہو جائے گی؟ کیا لکھنے پڑھنے کا جذبہ پیدا ہو جائے گا؟ کیا وہ دوسروں کو ستانا اور تنگ کرنا بند کر دے گا؟ میں تو یہ قوت بھی نہیں رکھتا لکنت کا سبب اکثر و بیشتر احساس کمتری ہوا کرتا ہے نجانے عزیز بہن (ط۔س) نے اپنے بچے کی تربیت کس ماحول میں کی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا۔ اگر وہ بچے کے ذہن کو بدلنا چاہتی ہیں تو انہیں ترغیبات پر عمل کرنا چاہئے یعنی جب بچہ سونے لگے (نیند آنے لگے) تو اس کے کان میں حسب ذیل فقرہ

دہرانے لگیں۔

''عرفان تم روز بروز بہتر سے بہتر ہوتے چلے جارہے ہو''

جب تک عرفان سونہ جائے یہی فقرہ دہراتی رہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ 90 روز میں انقلاب حال پیدا ہو جائے گا۔

ترغیب کا کرشمہ

ستیش کمار (س) معرفت حبیب بنک گھوٹکی (سکھر) رقم طراز ہیں کہ (مشق کرتے ہوئے) جیسے ہی جھٹکا لگا درد کی شدید لہر اُٹھی اور پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد درد کم ہوا تو حواس بحال ہوئے۔ اب جو دیکھتا ہوں۔ تو سر چکرا گیا جسم کا نچلا حصہ سوجا ہوا تھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کئی خیالات آئے اور گزر گئے جسم وجان میں زلزلہ کی کیفیت نمودار ہوئی ۔آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے وسیع مطالعہ کا ذکر کیا تھا میں فوراً سمجھ گیا کہ فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ فتق وہ مرض ہے جس میں چوٹ لگنے وزن اُٹھانے دوڑنے اور بعض دوسری حرکات سے جسم مخصوص کے بعد حصے سوج جاتے ہیں۔ دل گھبرا گیا۔ پیشانی عرق آلود ہوگئی میرے ذہن میں طب کے مختلف موضوعات گھومنے لگے پھر ایسی کتابیں یاد آئیں جن میں اس مرض کا ذکر کیا گیا تھا۔ خاص کر یونانی اور دیسی طب جو جنسی امراض کو بے حد مبالغہ کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ آخر میں نے سر جھکا کر اپنے کو یہ ترغیب دینی شروع کی۔ کہ ''میں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاؤں گا'' تقریباً نصف گھنٹے تک اپنے کو یہ ترغیب دیتا رہا۔ پھر نیند آگئی شام کو ساڑھے پانچ بجے آنکھ کھلی تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ نہ سوجن تھی نہ درد میں بالکل صحت مند تھا یہ ہے ترغیب کا کرشمہ۔

شخصیت اور ذہن

اے عزیز بہن۔ ترغیب وتلقین کے ذریعہ آپ نہ صرف بچے کی عادت بدترک کرا سکتی ہیں

بلکہ مفید ترغیبات کے ذریعہ اسے ایک تبدیل شدہ ترقی یافتہ بچہ بھی بنا سکتی ہیں میں پھر عرض کروں گا کہ نام کا اثر برائے نام ہے شخصیت کا بناؤ اور بگاڑ ذہن پر موقوف ہے۔

چو بیماری دل

غم نامے

نفسیات سے تعلق رکھنے والی ڈاک رنگارنگ خطوط پر مشتمل ہوتی ہے۔اس دفتر بے معنی یعنی مجموعہ خطوط میں ناکام عاشقوں کے بھی غم نامے آتے ہیں۔ان خطوط کا آغاز آنسوؤں سے ہوتا ہے اور انجام دھمکیوں پر! ہر عاشق دل خستہ اپنی داستان غم بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ تنبیہہ ضرور کر دیتا ہے کہ اگر صورتحال یہی رہی تو مجبوراً خودکشی کرلوں گا۔! یہ نہیں کہ میں ان خطوط کو توجہ سے پڑھتا ہوں بلکہ دور بھرے خطوط کو پڑھ کر سخت روحانی تکلیف ہوتی ہے سچ کہا ہے کہ

نیست و بیماری چو بیماری دل

بیماری دل سے مراد امراض قلب نہیں بلکہ عشق ہے عشق ذہن کی کوئی غیر طبعی کیفیت نہیں۔طبعی اور قدرتی کیفیت ہے لیکن جس طرح لوگ ہر قدرتی جذبے خوف، غم، اضمحلال، غصے، حزن اور تشویش، کو غیر قدرتی بنا کر ایب نارمل بن جاتے ہیں اور ذہنی مریض ہو جاتے ہیں یہی سلوک ہم نے عشق کے ساتھ کیا ہے۔عاشق کے بارے میں شعراء نے یہ تصور اور تاثر دیا ہے کہ

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

عشق دل کی بیماری نہیں، صحت دل کی علامت ہے۔شرط یہ ہے کہ آدمی دل و دماغ میں توازن قائم رکھے لیکن کیا انسان اس توازن کو قائم رکھ سکتا ہے۔ننانوے فیصد افراد اس سلسلہ میں راہ اعتدال پر قائم نہیں رہتے اور عشق و عاشقی کے میدان میں اسقدر ایب نارمل (غیر طبعی اور غیر معتدل) ہو جاتے ہیں کہ دیکھ کر عبرت اور سن کر حیرت ہوتی ہے

لوگ میری وحشت پر اے رئیس کہتے ہیں
کیا جوان اُٹھا ہے قیس کے گھرانے سے

خانوادہ قیس

بحمد اللہ اتنی عقلی اور تکنیکی ترقی کے باوجود کرۂ ارض پر خانوادہ قیس (مجنوں کا گھرانہ) اب تک آباد ہے اور کوئی نہ کوئی جوان اس خاندان عالی شان سے اُٹھتا ہی رہتا ہے بہت سے نوجوان اپنی داستانیں اور دردِ دل لکھ کر مجھ سے مشورہ طلب کرتے رہتے ہیں۔ میں ہر نوجوان کو یہی نصیحت کرتا ہوں کہ عشق کا حملہ معیادی بخاری کی صورت میں ہوا کرتا ہے معیادی بخار اپنی معیاد پوری کر کے اُترتا ہے۔ یہی حال عشق کا ہے عشق بھی دائرے میں سفر کرتا ہے۔ نقطۂ آغاز نقطۂ عروج اور نقطۂ انحطاط! بے شمار عشق زدہ اور حواس باختہ لوگ میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ تجربہ یہ ہوا ہے کہ جن لوگوں کی فکر صحت مندانہ اور سوچ مثبت ہوتی ہے۔ وہ عشق کے پہلے حملہ کی چوٹ سہ کر سنبھل جاتے ہیں اور جادہ اعتدال سے منحرف نہیں ہوتے لیکن جو لوگ بنیادی طور پر کسی جذباتی کامپلکس ذہنی پیچاک اور نفسیاتی الجھن میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے لئے اسی طرح بلائے جان بن جاتا ہے۔ جس طرح کمزور معدہ کو مقوی غذا راس نہیں آتی، عشق کا مثبت پہلو یہ ہے کہ

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

نوجوانوں سے

مجھے اس موقع پر نوجوانوں سے کچھ کہنا ہے سیکڑوں مرتبہ لکھ چکا ؤں کہ آغاز شباب کا لمحہ قیامت خیز ہوا کرتا ہے دس برس کی عمر کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کے نفس میں جذباتی دھماکوں کا سبب جسم انسانی کے بعض غدود (مثلاً جنسی غدود) کی تیز کارکردگی ہوتی ہے۔

آغاز جوانی میں صرف ذہن ہی نئے انقلاب سے دوچار نہیں ہوتا لڑکے اور لڑکی کے جسم میں بھی

محسوس اور نمایاں تبدیلیاں ہوتی ہیں آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی ہے۔ آواز میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے جسم کے بعض اعضاء لچکیلے اور گداز ہونے لگتے ہیں۔ بالعموم آغاز جوانی میں ہی عشق اپنا وار کرتا ہے۔ انسانی نفس میں خود بخود یہ تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ وہ کسی کو چاہے اور کوئی اسے چاہنے لگے۔ یہ تقاضائے نفس ہرگز غیر طبعی (ان نیچرل) نہیں ہے۔ قدرت کا ایما اور فطرات کا منشا یہ ہے کہ آدم وحوا اور فرزند آدم اور بنت حوا کے درمیان عشق ومحبت کا رابطہ پیدا ہو سکے۔ کیونکہ بقائے نوع کا دارومدار اسی رابطہ پر ہے نوجوان جب اس سانحے سے دوچار ہوتے ہیں تو اچانک رنگ رہ جاتے ہیں جس طرح عشق نے نہیں کسی بھوکے شیر نے ان پر دھاوا بول دیا ہے۔ سماج نے بجا طور سے جنسی ہیجان پر پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ اگر یہ پابندیاں عائد نہ ہوتیں تو کوئی مہذب معاشرہ ہی وجود میں نہ آتا۔ مہذب معاشرہ کی بنیاد ہی نظم وضبط پر قائم کی جاتی ہے۔ اگر بے روک ٹوک جنسی سرگرمیوں کی اجازت دیدی جائے تو سماج ایک ایسے مزاج اور انتشار میں مبتلا ہو جائے کہ خدا کی پناہ۔

یاد آتا ہے

عشق میں شدت مسلسل خود ترغیبی سے پیدا ہو جاتی ہے
خود بخود دل میں ہے ایک شخص سمایا جاتا

ہم جس شخص کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس سے ہپناٹائز ڈ رتنویم زدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ شخص ہمارے دل ودماغ پر چھا جاتا ہے اور ہر شے سے اس کی یاد تازہ ہونے لگتی ہے۔ نرگس کو دیکھتے ہیں تو اسکی شاداب وشگفتہ آنکھیں نظر کے سامنے گھومنے لگتی ہے سرو پر پڑتی ہے تو اس کا قامت زیبا یاد آتا ہے۔

گزرتا ہے جب چودھویں کا چاند بدلی سے ۔۔۔ مہین آنچل میں ان کا روئے تاباں یاد آتا ہے
اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں تو رہ رہ کر ۔۔۔ دوپٹے کا ستاروں کا چراغاں یاد آتا ہے
افق پر پھیلتی ہیں سرخیاں جب صبح تازہ کی ۔۔۔ کوئی سینہ پس چاک گریباں یاد آتا ہے
کلی کو پھول بنتے دیکھ کر عہد بہاراں میں ۔۔۔ کوئی چہرہ بہت نوخیز وخنداں یاد آتا ہے
غزل جب چھیڑ دیتا ہے کوئی عہد جوانی کی ۔۔۔ کسی کا جسم موزون وغزل خواں یاد آتا ہے

بہت کچھ یاد آتا ہے رئیس اُن کی جدائی میں
مگر جیسے کوئی خواب پریشاں یاد آتا ہے

شربت وصل

شدت عشق میں روح انسانی کو جو تشنگی محسوس ہوتی ہے۔اس کا علاج شربت وصل ہی نہیں ہے ہم نفسیاتی طریقہ سے بھی مریض محبت کے درد کرب میں تخفیف کر سکتے ہیں۔جب بھی کسی ستم رسیدہ عاشق سے ملاقات یا خط وکتابت ہوتی ہے تو میں اس دکھیا کو یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے محبوب کو بھلانا چاہتا ہے تو اسے بہ شدت یاد کرے۔شعوری طور پر یاد کرے۔اور بار بار یاد کرے۔اپنے ارادے کی تمام قوت کے ساتھ یاد کرے اور پھر دیکھے کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔چند روز بعد وہ محسوس کرنے لگے گا کہ یاد محبوب میں کمی ہونے لگی ہے۔میں نے دیکھا ہے بارہا تجربہ کیا ہے کہ (S.C.T) کی مشقوں (خصوصیت کے ساتھ متبادل طرز تنفس اور خود نویسی) سے شدت عشق میں رفتہ رفتہ غیر معمولی تخفیف ہونے لگتی ہے۔آخر میں فرقت زدوں اور ہجراں رسیدوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ عشق کو "بیماری دل" قرار نہ دیں۔عشق مرض نہیں، صحت ہے یہ تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے۔یہ تطہیر روح کا سبب ہے۔شرط یہ ہے کہ تم قدرتی اور طبعی حدود میں رہو اور ایب نارمل نہ بن جاؤ۔

ع۔ش۔ق

جنس اور تشدد

ضیاء الحسن (کراچی) لکھتے ہیں۔آخر آپ نے ڈرتے ڈرتے جھجکتے جھجکتے ع۔ش۔ق کے موضوع پر قلم اُٹھا ہی لیا۔(جو بیماری دل) آپ نے بارہا اپنے مضامین میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں فلم ریڈیو ٹی وی، اخبارات ادب وشعر اور ناولوں کے ذریعہ اس بے تحاشہ انداز میں لوگوں کے جذبات بھڑکائے جارہے ہیں کہ سماج جذباتی طور پر کوہ آتش فشاں بن کر رہ گیا ہے۔دنیا خارجی طور پر کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے لیکن داخلی طور پر وہیں ہے۔جہاں دسویں اور گیارہویں صدی میں

تھی۔اس تضاد کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انسان عجب کشمکش اور روحانی انتشار میں مبتلا ہے۔آپ ہی نے لکھا تھا کہ آج نئی نسل میں تشدد کا جور جحان کارفرما ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ نوجوانوں کے جنسی جذبات کو بڑی شدت کے ساتھ بھڑکایا جارہا ہے اور جنسی ہیجان کا نتیجہ ہمیشہ تشدد، غارت گری اور غنڈہ گردی کی شکل میں نکلتا ہے۔

جنسی ہیجان

سوال یہ ہے کہ جذبہ عشق کا جنسی ہیجان سے کیا تعلق ہے؟ جناب والا جب آپ نے اس موضوع (بیماری دل یا عشق) کو چھیڑ ہی دیا ہے تو پھر اسے تمام تک پہنچا دیجئے۔مجھ جنسی عمر کے نوجوان (چودہ سال سے تیس سال تک) انہی سوالات میں اُلجھے رہتے ہیں مگر ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ضیاء الحسن صاحب کے بیان کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ طوفان عشق اور ہیجان جنسی کے باہمی رابطہ کو واضح کیا جائے میں نے پچھلے مضمون میں عرض کیا تھا کہ ابتدائے شباب میں نوجوان جذباتی طور پر جس طوفان سے آشنا ہوتے ہیں اس سے ان کے کردار میں عجیب وغریب پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے اس کی ایک شکل عشق بھی ہے جس طرح موسم سرما میں جسم کا تھرتھرانا اور فصل گرما میں پسینہ آنا بالکل قدرتی اور طبعی بات ہے۔اسی طرح آغاز جوانی میں سینے کے اندر جذباتی تلاطم کا پیدا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں یہی زمانہ یعنی عنفوان شباب کا زمانہ وہ ہے جب نوجوانوں کے خواب پر معنی اور گہرے تصورات دھندلے اور پیچیدہ اور غیر واضح ہو جاتے ہیں۔اسی زمانے میں عشق کا دیوتا کبھی چھپ کر کبھی سامنے آ کر وار کرتا ہے اور اپنا سنہری تیر کسی بنت حوا کسی فرزند آدم کے کلیجے میں ترازو کر دیتا ہے مگر یہ کیفیت بھی دیرپا نہیں ہوتی۔تقریباً تین سال میں عشق کا ایک دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

خودکشی

احمد علی مزنگ (لاہور) شمع ناز (سکھر) جمال الحسن (کراچی) اور بہت سے دوسرے

نوجوانوں نے اپنے اپنے خطوط میں اپنی ناکام زندگی کا تذکرہ کر کے وہی بے معنی دھمکی دی ہے کرو ورنہ پھر آپ میری خودکشی کی خبر اخبار میں پڑھ لیں گے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خودکشی کرب ذہنی سے نجات پانے کا واحد علاج ہے کاش انہیں اندازہ ہوتا کہ خودکشی کا تصور ہی حیات اور کائنات کیخلاف بغاوت کا اعلان ہے اور جو شخص حیات و کائنات سے بغاوت کرتا ہے۔ اس کی نجات ممکن نہیں بوعلی سینا نے جو کہ مشرق کی عقل کا مجسمہ تھے۔ عشق کا عجیب علاج تجویز کیا ہے لکھتے ہیں کہ عشق ایک سوداوی مرض ہے کہ جگر کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے جب جگر کی کارکردگی ناقص ہو جاتی ہے اور خون میں سوداویت کا غلبہ ہوتا ہے تو دماغ طرح طرح کے واہموں کی آماجگاہ بن جاتا ہے ان میں ایک واہمہ عشق بھی ہے حکیم المشرق بوعلی سینا عشق کا علاج سودا کو رفع کرنے والی دواؤں کے ذریعہ کیا کرتے تھے۔ میں بھی۔ احمد علی شمع ناز اور جمال الحسن کو مشورہ دوں گا کہ دن بھر رونے جھینکنے، آنسو بہانے، سینہ کوبی کرنے کڑھنے گھٹنے، سلگنے اور خودکشی کے منصوبے باندھنے سے بہتر یہ ہے کہ وہ مفرح (فرحت پہنچانے والی) اور مقوی (قوت بخشنے والی) دواؤں کے ذریعہ اپنے دماغی ضعف اور جسمانی کمزوری کا علاج کرائیں۔ خودکشی کا خیال بھی اعصابی اور ذہنی کمزوری کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔

محض خیالی

اب رہے جنسی امراض! جن کا میں اتنا شور سنتا ہوں۔ یہ بھی محض خیالی وہمی اور قیاسی چیز ہے۔ نوجوانوں کی عادت خلوت سے میں بخوبی واقف ہوں ان کے کردار میں جس قسم کی کجی پیدا ہو جاتی ہے اس سے بھی بے خبر نہیں۔ سادہ اور معصوم جوان (لڑکے اور لڑکیاں دونوں) ان کمزوریوں اور جذباتی کج رویوں کو جس مبالغہ اور شدت اور شاعرانہ خیال آرائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور عبرت بھی میں اپنے ان بچوں اور بچیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ انہوں نے اپنے بارے میں جو رائے قائم کر رکھی ہے اور وہ جس درجہ تک اپنے کو ناکارہ نامرد اور نااہل سمجھنے لگے ہیں۔ اس کی کوئی عقلی نفسیاتی اور جسمانی وجہ موجود نہیں طوفان

شباب کے زمانے میں جب رگ رگ میں خون جوش مارنے لگتا ہے تو شعور پر ایک ہلکا سا پردہ پڑ جاتا ہے اور جذبات زدہ نوجوان دنیا کو رنگین عینک سے دیکھنے لگتا ہے۔ اگر کوئی پیدائش نقص اور موروثی سقم نہ ہو تو ہر نوجوان کامل اور ہر دوشیزہ بھرپور ہے۔

خمار گندم

ضیاء الحسن صاحب کا سوال ہے کہ جذبہ عشق کا جنسی ہیجان سے کیا تعلق ہے؟

عرض یہ ہے کہ بہت گہرا تعلق ہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عشق کیں رسم بنی آدم بود
ازخمار خودندم بود

وہ عشق جو بنی آدم کا معمول اور آدمیوں کا شیوہ ہے وہ اصل میں گیہوں کی روٹی کے خمار (کیف وسرور توانائی) کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ آدمی چند روز بھوکا رہے تو عشق کے سارے جذبات اور جنس کے تمام ہیجانات کافور ہو جائیں گے۔

قیس بھوکا ہوتو لیلیٰ کو بھی گروی رکھ دے

فاقہ بجائے خود عشق کا علاج ہے یاد رکھئے کہ انجام کار معدے کی بھوک نفس کی بھوک پر غالب آ جاتی ہے۔ صوفیا کا مشورہ ہے کہ جنسی ہیجان انگیزی کا علاج روزے سے کیا جائے لیکن آج کون اس مشورے پر عمل کرسکتا ہے بہرحال خلاصہ ان تمام مغز پاشیوں اور جگر کاویوں کا یہ ہے کہ شدت عشق کی مدت چند روزہ ہوا کرتی ہے۔

طبیعت کو کچھ روز ہوگا قلق
سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائے گی

نوجوانی اور مایوسی دو مختلف چیزیں ہیں۔ مایوس تو ہم لوگوں کو ہونا چاہئے کہ تیزی سے عدم آباد کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ میں آپ حضرات (نئی نسل) کے مسائل سے بخوبی واقف ہوں اور ان امراض کے طریق علاج سے بھی بے خبر نہیں جن امراض سے آپ اتنے خائف اور لرزاں

وتر ساں ہیں۔ وہ محض فریب نفس ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

نیرنجات

خواب فتح مکہ

جناب اقبال الدین! احمد صدیقی (59/A پونچ ہاؤس لاہور) بسم الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھتے ہیں کہ

مختصراً اپنا تعارف کرادوں میرا آبائی وطن قصبہ رٹوں (ضلع میرٹھ ہے مشہور آم رٹول میرے آبائی وطن سے ہی منسوب ہے۔ میرے داد صاحب مولوی حکیم الدین مرحوم جو ڈپٹی کلکٹری سے وظیفہ یاب ہوئے تھے۔ قصبہ رٹول میں آموں کے نباض اعظم مشہور تھے۔ ان کے زمانے میں یہ مشہور زمانہ آم دوھیا حکیم الدین۔" نامی آدم کی گٹھلی سے پیدا ہوا۔ یوپی میں مسلح آباد امر دہہ اور رٹول تینوں آموں کے بڑے بڑے مرکز تھے۔ کرنل سید سعید احمد ہاشمی جو امیر بھاولپور کے وزیر خصوصی تھے۔ میرے ماموں تھے۔ شاید آپ نے ان کا نام سنا ہو صادق آباد میں۔ سید زاہد حسین زمیندار میرے ماموں زاد بھائی کا لڑکا ہے۔ سید زاہد حسین کے پاس سائل دہلوی کی قلمی بیاض ہے ۔ جس پر آپ کے تصدیقی دستخط انہوں نے مجھے دکھائے تھے اس سال میں نے اور میری اہلیہ نے فریضہ حج ادا کیا۔ مدینہ منورہ میں آٹھ دسمبر سے اٹھارہ دسمبر 1973ء تک قیام رہا۔ ایک روز بحالت خواب دیکھا کہ باب جبرئیل کے باہر دو تین آدمی عرائض نویس وضع کے بیٹھے ہیں اور لوگوں کو کاغذات دے رہے ہیں۔ اور ان کے کہنے پر (کاغذات پر) مہر تصدیق بھی ثبت کر دیتے ہیں۔ میں نے نزدیک جا کر دیکھا تو کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔ "تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ حج پر جانے سے قبل میں "ابن ہشام" کی سیرت پڑھ رہا تھا۔ ایک رات فتح مکہ کے حالات زیر مطالعہ تھے۔ 12 بجے شب میں جب سونے کے لئے لیٹا تو دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ فتح مکہ

کا حال خواب میں دیکھوں۔اس امر کی دعا بھی کی حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔صبح سوا تین بجے کے قریب خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ کے باہر اسلامی مجاہدین کے خیمے لگے ہوئے ہیں اور رسول مقبولؐ ایک طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔دس پندرہ قدم عقب میں، میں بھی ساتھ ساتھ جا رہا ہوں کچھ فاصلہ طے کرنے بعد ایک 7,8 فٹ اونچی چٹان نظر آئی جس کے پتھر ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر رکھے ہوئے تھے۔میں نے اوپر چڑھنے کی کوشش کی مگر وقت پیش کی۔مگر وقت پیش آئی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر سے میرا ہاتھ کھینچ لیا چٹان پر چڑھ کر میں بیٹھ گیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بہت گنہگار رہوں کیا قیامت کے روز آپؐ اسی طرح میرا ہاتھ پکڑیں گے تو کچھ ایسے الفاظ ادا فرمائے جن کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے اسی لئے تو ہاتھ پکڑ اتھا۔خواب ہی میں یہ محسوس ہوا کہ چونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔اس لئے میں صحابی ہوں۔اب میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔یہ کہ

پراسرار فن!

میں 55,56ء میں تونسے میں بطور تحصیلدار تعینات تھا۔وہاں ایک بوڑھے کیمیا گر خادم حسین سے تعارف ہوا۔اس کے بعد اس فن کیمیا کے چند دوسرے ماہرین فن اور استاد دیکھے واقعہ یہ ہے کہ کیمیا سازی مشرق کا ایک پراسرار فن ہے سائنس دان کہتے ہیں کہ سونا ایک مفرد دھات ہے اور جب تک ذاتی تبدیلی (یعنی ایٹمی تبدیلی) واقع نہ وہ دوسری دھات (مثلاً تابنا) سونے میں تبدیل نہیں ہوسکتی لیکن اہل صنعت (کیمیاداں) کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے سونا ایک مرکب دھات ہے جو گندھک اور پارے (سیماب اور کبریت) کا مرکب ہے اور دوسری دھاتوں میں بھی مختلف تناسب کے ساتھ یہ دھات موجود ہوتی ہے جب کسی نسخے سے یہ تناسب درست ہوجائے تو وہ دھات سونا بن جاتی ہے۔بہرحال میں نے اس فن عجیب کے مختلف مظاہرے دیکھے ہیں اور سیماب، چاندی، تابنا، سکہ، حتیٰ کہ لوہے کو سونے میں تبدیل ہوتے (سونا بنتے دیکھا ہے۔گزشتہ سال یہاں لاہور میں ایک کیمیا گر نوجوان سے ملاقات ہوئی جو فن کیمیا گری کا اتنا بڑا ماہر تھا کہ

اس نے ان تمام دھاتوں کو جو مقبول بازار ہیں، سونے میں تبدیل کر کے دکھایا۔ میرے پاس لوہے کی دو کیلیں تھیں اس نے انہیں سونا بنا دیا۔ ایک کیل فروخت کی غرض سے بازار بھجی گئی تو 35 روپے میں فروخت ہوئی۔ میرے پاس اس وقت بھی ایک سیون او کلاک بلیڈ موجود ہے جسے اس نوجوان کیمیا گر نے سونے میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ خالص سونا ہے اور کسی کو اس کی اصلیت میں شبہ نہیں ہو سکتا مگر اس کمال فن کے باوجود یہ شخص بڑا عیار تھا! فیون اور شراب کا عادی جھوٹے وعدے کیا کرتا تھا۔

الماس کا کشتہ

دراصل یہ فن (کیمیا گری) کمپنیوں کے پاس ہے گھر سے فالتو تھے۔ ماں باپ سے لڑ کر نکل گئے۔ کسی سادھو سنت یا استاد کی سالہا سال خدمت کی اس نے خوش ہو کر ایک آدھ نسخہ بتا دیا۔ کیمیا گر بہت بخیل بھی ہوا کرتے ہیں۔ بعض تو اپنی اولاد تک کو یہ راز نہیں بتاتے میں اس فن سے مکمل طور پر تو نہیں کسی حد تک واقف ہوں اس فن میں سب سے موثر چیز الماس کا کشتہ ہوا کرتا ہے۔ یہ بڑی مشکل چیز ہے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم تک الماس کا کشتہ نہیں کر سکتے۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل جرمن کو مشہور دوا ساز فرم الی رمرک سے ایک دوا آیا کرتی تھی۔ لوگ اس سے کام لیتے تھے۔ کشتہ الماس کو اگر سیماب پر ڈالا جائے تو اسے چاندی بنا دے اس فن کے کامل استاد چند منٹ میں ہیرے کا کشتہ بنا دیتے ہیں۔ یہاں کا رہنے والا ایک شمشیر اختر حسین ہے وہ اچھا کیمیا گر ہے اس نے میرے ہاتھ سے چند بار الماس کا کشتہ کرایا اور سیماب کی چاندی بنائی لیکن جب میں نے بذات خود اور بطور خود یہ کوشش کی تو الماس کا کشتہ نہ ہوا نسخے کے چند رموز ایسے ہیں۔ جو اس نے مجھے نہیں بتائے اب آپ یہ فرمائیں کہ ایسی کوئی ترکیب یا عمل آپ کا آزمودہ ہے جس کے ذریعہ کسی کیمیا گر کو متاثر کر کے اس سے فن کشتہ سازی کے تمام کے تمام راز اگلوائے جائیں۔ اگر چہ شمشیر اختر حسین، جو معمر پنیسٹھ سالہ آدمی ہے ہمیں دکھاتا ہے کہ اس سے کوئی بات نہیں چھپائی لیکن ضرور بالضرور نسخے کا کوئی جزو ہے جو وہ چپکے سے ملا

دیتا ہے اور کشتہ الماس تیار ہو جاتا ہے۔

کیمیا، سیمیا، ریمیا

اقبال الدین احمد صدیقی نے کیمیا گری کے جو کمالات بیان کئے ہیں۔ میں نے ان کا تذکرہ تو بہت سنا ہے کبھی مشاہدہ نہیں کیا۔ نہ کسی کیمیا گر سے اپنی جان پہچان ہے کشتے کے سلسلے میں ایک بات یاد آئی۔ آجکل میں کشتہ فولاد استعمال کر رہا ہوں۔ یہ میرے مہربان سندھی دوست حکیم محمد علی سومرو (جیکب آباد) کا عطیہ ہے۔ یہ اصرار یہ کہہ کر دیئے کہ اسے کھاؤ اور کثرت کار اور کثرت افکار کی تھکن پر غالب آ جاؤ۔ پچھلے زمانوں میں فن نیرنجات کی بڑی شہرت تھی۔ نیرنجات حیرت انگیز کرشمہ دکھانے والے فن کو کہتے ہیں۔ مثلاً کیمیا، سیمیا، ریمیا، نظر بندی اور تسخیر حیوانات (مثلاً درندوں کو رام کر لینا) وغیرہ۔

فن نیرنجات کا تعلق فن نجوم سے بہت گہرا ہے
برادرم اقبال الدین احمد صدیقی نے سوال کیا ہے
کہ کوئی ایسی ترکیب بتایئے کہ کیمیا گر رام ہو
جائیں !دراپنے تمام راز اگل دیں۔
جو سینوں کے دریچے باز ہوں گے
نجانے فاش کیا کیا راز ہوں گے

سیمیا اور ریمیا

ساڑ پھونک

جنگ کے پچھلے سنڈے ایڈیشن میں ''نیرنجات'' کے عنوان سے اقبال احمد صدیقی (59/A) پونچھ ہاؤس لاہور) کے طویل خط کے اقتباسات شائع کئے گئے تھے جس میں

موصوف نے پنجاب کے بعض کیمیا گروں (خادم حسین اور شمشیر اختر حسین کے کمالات کا ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ انہوں نے بچشم خود لوہے کو سونے میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے۔اس مضمون کے سلسلے میں ممتاز طبیب و عالم حکیم محمد ایوب حسن (جامع مسجد روڈ راولپنڈی) لکھتے ہیں۔

میرے والد ماجد مرحوم حکیم محمد عبدالخالق کا شمار اپنے وقت کے حاذق اطباء میں ہوتا تھا۔قدرت نے مرحوم کو کمال کا دست شفا عطا فرمایا تھا۔والد مرحوم کے لمحات فرصت کیمیا گری کے مشغلے میں صرف ہوتے تھے دو چار کیمیا گران کے ساتھ ساز پھونک میں مصروف رہتے، ہو سی حلقوں میں ان کی شہرت اس قدر ہوئی کہ ملک کے طول و عرض کے لوگ فن کیمیا کے اسرار در موز جاننے کے لئے مرحوم سے خط و کتابت کیا کرتے تھے۔اس کے باوجود مرحوم نے ہمیشہ مجھے یہ نصیحت کی کہ تم اس جنجال میں نہ پھنسو۔یہ ایک جنون ہے جس میں وقت ضائع ہوتا ہے۔انہی دنوں غالباً 1935ء کا ذکر ہے کہ پشاور سے ایک صاحب مولوی عبدالغفور والد قبلہ کے پاس آئے۔میں نے انہیں سونا بناتے ہوئے دیکھا ہے۔ان کا بنایا ہوا سونا میں نے خود بازار کے نرخ پر فروخت کیا تھا۔مولوی صاحب کی وفات کے بعد مجھے پشاور جانے کا اتفاق ہوا۔دیکھا کہ ان کی اولاد تنگی ترشی میں زندگی بسر کر رہی ہے۔پتہ چلا کہ مرحوم نے اپنی اولاد کو کچھ نہیں بتایا۔1942ء میں درگاہ بازار اجمیر شریف میں شفاء الملک حکیم حبیب اللہ خاں مطب کرتے تھے۔تقسیم ملک کے بعد شفا الملک صاحب حیدرآباد (سندھ) میں اُٹھ آئے اور یہیں مطب شروع کر دیا۔چند سال ہوئے آپ انتقال فرما گئے ہیں۔شفاء الملک جنسیات کے ماہر تھے۔اسی کے ساتھ کیمیا گری سے بھی ذوق رکھتے تھے۔والد صاحب کے ساتھ کیمیا کے اسرار ورموز کے بارے میں سید ابن سید کے نام سے خط و کتابت ہوتی تھی۔ادھر ایسے تمام خطوط کے جوابات کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی۔ایک مرتبہ مری جاتے ہوئے راولپنڈی میں ٹھہرے اور مجھے بھی شرف میزبانی بخشا۔راقم الحروف سے دریافت کیا کہ تجھے بھی اس فن میں کچھ ورک ہے۔میں نے عرض کی کہ والد مرحوم کے چھوڑے ہوئے نوادر اور تجربات دکھا سکتا ہوں۔اس کے

علاوہ کچھ نہیں معلوم۔

کشتہ جات

باقی رہا الماس کا کشتہ تو یہ کوئی ناممکن بات نہیں اور یہ چیز بھی قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں! الماس کا کشتہ کرنے میں ناکام رہے ہوں۔ الماس کا کشتہ ہوسکتا ہے۔ نیز میں نے بعض کیمیادی مادوں کی مدد سے پارے کو منجمد ہوتے دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ ٹیلی ویژن کے سائنسی پروگرام میں پارے کو منجمد کر کے اس کی بعض چیزیں بنا کر دیکھائی گئی تھیں۔ حکیم محمد یوسف حسن خاں ایڈیٹر نیرنگ خیال لاہور جنہوں نے ادبی دنیا میں ''سالنامے'' کی داغ بیل ڈالی۔ نامور طبیب ہونے کے علاوہ کہنہ مشق طبیب اور کشتہ سازی میں بھی یدطولیٰ رکھتے ہیں انہیں کشتہ الماس کی ترکیبیں معلوم ہیں جو لوگ فن کیمیا میں کامل ہوتے ہیں وہ خود لالچی، خودغرض، ہوس اور زر پرست نہیں ہوا کرتے ایسے لوگ شہروں سے منہ موڑ کر ویرانوں کا رُخ کرتے ہیں۔ جو لوگ سونا بنانے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ بسا اوقات شعبدہ باز ہوتے ہیں۔ اصل کیمیا گری مسلسل جدوجہد اور زرعی اور صنعتی ترقی ہے۔ جزاک اللہ کیا خوب نکتہ بیان فرمایا ہے۔

کشتہ فولاد

نثار احمد راجے ناظم آباد کراچی رقم طراز ہیں کہ کیمیا سیمیا اور ریمیا کا ذکر صرف کتابوں میں پڑھا ہے ان علوم فنون کے ماننے والے بھی کہیں نہ ملے میں اس وقت این ای ڈی انجینئرنگ کالج میں الیکٹریکل (سال سوم) کا طالب علم ہوں۔ ہماری معلومات (کیمسٹری، فزکس) کے مطابق یہ ہونا ممکن نہیں تاوقتیکہ اس دھات میں ذاتی تبدیلی واقع نہ ہو۔ ڈاکٹر شوکت کاظمی (طارق روڈ پی ای سی ایچ ایس) کراچی لکھتے ہیں کہ آپ کے (نیرنجات کے عنوان سے) مہربان دوست حکیم محمد علی سومرو نے آپ کے لئے کشتہ فولاد بھیجا ہے۔ یہ خاکسار بھی کشتہ فولاد بناتا ہے۔ خدا کے فضل سے جرمن کے تیار کردہ کشتہ فولاد سے بہتر پایا۔ میرا خیال ہے کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر

جناب محمد علی سومرو کے تیار کردہ کشتے اور اپنے مجرب کشتے کا تجربہ اور تجویہ کروں۔ سید ضیا حسنین جھالوی کا بیان ہے کہ میری عمر 95 سال سے زائد ہے سراج الدین ظفر مرحوم نے میرا تعارف ڈاکٹر قیس مینائی صاحب سے کرایا تھا۔ جو علم توجہ کے ماہر ہیں۔ اقبال الدین احمد صدیقی اگر ڈاکٹر قیس مینائی (پتہ ہے اثمار شیریں ایف 5 سکندر آباد کالونی لیاقت آباد کراچی) سے خط وکتابت کریں۔ تو ان میں اتنی قوت ہے کہ کیمیا گروں سے پوشیدہ نسخے اگلوالیں۔

آزمودہ عمل

بزرگوار محترم محمد ابوبکر خاں خویشگی حسین ڈی سلوا ٹاؤن کراچی) کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

اقبال الدین صدیق (لاہور) کا بیان ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے کیمیا گر دیکھے ہیں۔ (اس کے بعد محترم ابوبکر خاں خویشگی نے اقبال صاحب کے بعض فقرے نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ صدیقی صاحب عالم یاس میں اپیل کرتے ہیں کہ رئیس صاحب! کوئی ایسی ترکیب یا آزمودہ عمل بتائیے جس سے یہ لوگ (کیمیا گر) متاثر ہوکر کیمیا سازی وغیرہ کے جملہ راز ہائے سربستہ اگل کرر کھدیں۔ اس کے بعد کیا ہوگا اس بارے میں صدیقی صاحب نے اپنے کسی منصوبے کا اعلان نہیں کیا تاہم یہ اپیل بہت دلچسپ اور معنویت سے لبریز ہے جس کے دوررس نتائج پر بھائی رئیس نے غور نہیں فرمایا ورنہ یہ کہہ کر کہ میں اس فن کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ ان کے لئے دامن بچانا مشکل تھا۔ یہاں تک پہنچ کر صدیقی صاحب کی اپیل ٹھس ہو جاتی ہے۔ اس لئے موصوف کا دل رکھنے اور فوائد عامہ کے مدنظر ہم اپنا ایک خاندانی فارمولا درج کررہے ہیں کہ ٹینٹوا دبائے بغیر جس سے جو راز چاہو اگلوالو، سوچا کا سوچا ہاتھ آ جائے گا۔

حضرت داغ

حاجی محمد خاں صاحب رئیس خورجہ میرے خاندان کے ایک بزرگ تھے۔ شگفتہ مزاجی کے ساتھ ہی بڑے جدت پسند واقع ہوئے تھے۔ اس لئے کل جدید ''لذیذ'' کے مصداق آپ آئے دن نئی

نئی چیزوں کی تحقیق وتدقیق اوران کے حصول میں کوشاں رہا کرتے تھے۔شعروادب کا بھی چکرتھا ۔ایک دفعہ حضرت داغ ہمارے یہاں کسی شادی میں تشریف لائے تو محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوئی ۔اس زمانے میں جہاں استاد داغ کی یہ غزل بہت مقبول تھی۔

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں
سناؤں درددل طاقت اگر ہو سننے والوں میں

چنانچہ درخواست کی گئی کہ حضرت غزل بھی عطا ہو۔حضرت داغ بھاری بدن اور سیاہی مائل رنگ کے انسان تھے جس وقت وہ اپنی غزل سنا رہے تھے۔خدا جانے حاجی محمد خاں صاحب کے جی میں کیا سمائی دل میں کیا آئی کہ بولے حضرت اس زمین میں ابھی ایک شعر ہوا ہے ارشاد ہو تو عرض کردوں۔اجازت ملی تو خان صاحب نے ہاتھ لمبا کر کے فرمایا کہ

خدا کی شان ہے خورجے میں حضرت داغ کا آنا
کہ جیسے آپھنسے بھینا کوئی مکڑی کے جالے میں

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا اور گھڑوں پانی مرزا داغ پر پڑ گیا۔یہ تو خان صاحب کی شاعری کا نمونہ تھا اب ادبی کیفیت ملاحظہ ہو۔آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔من جملہ ان کے ایک کتاب طلب صادق بھی تھی۔جو کابل بھیجی گئی تو بادشاہ وقت امیر عبدالرحمٰن خاں کو بہت پسند آئی۔امیر عبدالرحمٰن نے حکومت ہند کو لکھا کہ ہم اس کتاب کے مصنف سے ملنا چاہتے ہیں۔چنانچہ حکومت ہند نے امیر افغانستان کی خواہش کی تکمیل کی۔اور خورجہ کے اس ہمہ رنگ پٹھان رئیس کو کابل پہنچا دیا گیا۔خان صاحب کابل سے واپس آئے تو لدے پھندے آئے۔

آوارہ گرد سادھو

اسی زمانے میں ایک ہی ٹائپ کا آوارہ گرد سادھو میران شاہ خورجہ کے تکیے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جہاں رات دن چرس اور بھنگ وغیرہ کے دور چلتے تھے۔کوئی اس آوارہ گرد سادھو سے واقف نہ تھا۔ایک دن غل غپاڑہ ہوا کہ علو کی سرائے میں ایک گھوسی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔اور وہ قریب

الرگ ہے سادھو کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً مار گزیدہ کو اپنی کٹیا میں طلب کر کے جو علاج کیا تو وہ بھلا چنگا ہو گیا۔ اس کی بڑی شہرت ہوئی۔ حاجی محمد خاں ایسے مواقع کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ سو جانسخہ بڑے کام کا ہے سادھو سے گھاڑ لینا چاہئے (یعنی حاصل کر لینا چاہئے) چنانچہ اس کے پاس خان صاحب جا پہنچے۔ اس نے جو سنا کہ شہر کا ایک رئیس آیا ہوا ہے تو آنکھیں اٹیر گیا۔ (یعنی آنکھیں بدل لیں) حاجی صاحب نے اسے اپنی طرف ملتفت کرنا چاہا مگر وہ لگے دم مٹے غم کا راگ الاپتا رہا۔ دوسرے روز پھر گئے۔ تو کچھ کھلا۔ خان صاحب نے عرض مطلب کیا کہ بابا جی ہمیں بھی یہ نسخہ بتلا دو۔ تمہارے جانے کے بعد مخلوق کو فائدہ پہنچایا کریں گے۔ اس نے سنی ان سنی ایک کر دی۔ بولا تو یہ بولا کہ مجھے قسم ہے کہ غیر کو نہ بتلاؤں۔ ورنہ جل مر کر بھسم ہو جاؤں۔ آپ چلے جاؤ اپنا کام کرو فقیروں سے چھیڑ خانی اچھی نہیں ہے حاجی محمد خاں خاموش ہو کر چلے آئے۔ ایک روز جو صبح کو میران شاہ کے تکیے میں سادھو کے پاس گئے تو دیکھا کہ بھکا بھک چرس کے دم لگا رہا ہے خان صاحب یہ تماشا دیکھتے رہے۔ ایک بار جو چلم سے شعلہ بلند ہوا تو ایک دونی چلم میں ڈال جھٹ اس پر سفوف چھڑک دیا۔ دونی نے پہلے تو کچھ رنگ بدلے اور پھر چرخ کھا کر کھٹائی کا خالص سونا بن گئی۔ بازار بھیجی گئی تو کھرے دام آئے مٹھائی خریدی تو تھالی بھری آئی سب نے کھائی مگر سادھو کو دن بھر سکتا رہا۔ دوسرے روز خان صاحب آئے تو پوچھا کہ بابا جی! مٹھائی کیسی رہی؟ یہ سنتے ہی سادھو ان کے قدموں پر گر پڑا۔ بڑی توبہ تلا کی اور کہا کہ آپ مائی باپ ہیں۔ نسخہ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ اس کے بدلے سونا بنانے کی ترکیب بتا دیجئے۔ بہت سے قول واقرار کے بعد سادھو نے ایک تھیلے میں سے بہت پرانا اور بوسیدہ نمدہ نکال کر اس کا ایک ٹکڑا جلا یا اور اس کی راکھ خان صاحب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہاں یہی میرا تریاق ہے۔ آزما کر دیکھ لو۔ سپیرے بلائے گئے۔ آزمائش ہوئی تو سچ مچ راکھ تریاق ثابت ہوئی۔ اب حاجی محمد خاں کی باری آئی تو انہوں نے جیب سے چاندی کی ڈبیا نکالی۔ جس میں کیمیا (اکسیر) رکھی ہوئی تھی سادھو نے چلم میں دم مار کر آگ بھڑکائی اور دونی پر جیسے ہی وہ اکسیر چھڑکی وہ بھی کھرا سونا بن گئی۔ سادھو نہال ہو گیا۔ تب اس کا تجزیہ ہو کر لاگت پر بحث ہوئی تو سادھو کو پتہ چلا کہ یہ تو بالحاظ قیمت

اصل سونے سے بھی کم تھا۔

عرض یہ ہے کہ بقول آپ کے یہ لوگ کمینے ہوتے ہیں۔ان کو رام کرنا تو میرے آپ کے بس سے باہر ہے اگر میرے قارئین میں کوئی بزرگ فن کیمیا کے اسرار سے واقف ہوں تو مجھے بھی مطلع فرمائیں۔میں تو اس فن عجیب کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔

پراسرار فقیرنی

ٹیلی پیتھی

عبدالحامد خاں بی اے آنرز ایم اے ایل ایل بی (علیگ) ایڈووکیٹ رقمطراز ہیں کہ ڈیئر سر، میں آپ کی خدمت میں روزنامہ ڈان کا ایک تراشہ بھیج رہا ہوں جس کا عنوان ہے ''ٹیلی پیتھی'' کیا آپ ازراہ کرم اس موضوع پر روشنی ڈالیں گے؟ (عبدالحامد خاں) ڈان کے تراشے کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ایک روشن چمکیلی شام کو دن بھر کی دفتری مصروفیات سے تھک کر میں نے ارادہ کیا کہ ٹہلتا ٹہلتا گھر جاؤں میں نے فٹ پاتھ پر ایک فقیرنی کو بیٹھے دیکھا وہ ان ہزاروں بھکاریوں میں سے ایک تھی جو اس شہر میں ہر طرف منڈلاتے رہتے ہیں۔اس نے سوالیہ نظریں مجھ پر ڈالیں لیکن میں نے اس کی خاموش التجا کو نظر انداز کر دیا اور آگے بڑھ گیا۔چند قدم چلنے کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا تو فقیرنی کا چہرہ مانوس نظر آیا۔جیسے یہ چہرہ میرا دیکھا ہوا ہے۔غور سے دیکھا تو ایسا لگا کہ یہ میری مرحوم ماں کے چہرے سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔میں فوراً مڑا تا کہ فقیرنی کی جھولی میں کچھ بھیک ڈال سکوں۔میں چند قدم پیچھے چل کر فقیرنی کے پاس پہنچا اور اسے بھیک دی۔عین اس وقت ایک زیر تعمیر عمارت زمین پر آ پڑی اگر میں فیصلہ تبدیل کر کے فقیرنی کی طرف نہ مڑتا تو یقیناً عمارت میرے سر پر گرتی یہ حادثہ ظہور پذیر ہوا۔اور ٹل گیا اس کے بعد میں نے فقیرنی کی تلاش میں شہر کا کونا کونا چھان مارا مگر وہ کہیں نہ ملی میں اب تک اس کے سراغ میں لگا ہوا ہوں کہ وہ واقعی فقیرنی

تھی۔ یا میری زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اس بھکارن کے چہرے میں مجھے اپنی مرحومہ ماں کی شباہت کیوں محسوس ہوئی؟ (ذاکر۔ ایچ۔ سیام والا کراچی)

کشف القلوب

ذاکر ایچ۔ سیام والا کا عنوان ہے۔ ٹیلی پیتھی؟ ٹیلی پیتھی کسے کہتے ہیں؟ ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔ ایک دماغ سے دوسرے دماغ کا رابطہ کسی ظاہر وسیلے اور ذریعہ کے بغیر؟ یعنی دو اشخاص کے درمیان، تقریر، تحریر اور اشارے کے بغیر خیالات کا تبادلہ ٹیلی پیتھی کو ہم کشف القلوب بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی کسی شخص کے ذہن میں جو خیالات چھپے ہوتے ہیں انہیں معلوم کر لینے کی صلاحیت، حال ہی میں ادراک اور رائے حواس (آنکھ کے بغیر دیکھنا۔ کان کے بغیر سننا اور حواس خمسہ کا واسطہ اختیار کئے بغیر علم وادراک حاصل کر لینا) پر ایک عالمانہ کتاب نظر سے گزری اس کتاب کا نام ہے Extra Sensory Perception(E.S.P)۔ دنیا کی مشہور دوساز کمپنی کے ادارے سیبا فاؤنڈیشن حیاتیات اور دوسرے سائنسدانوں کا اعلیٰ پیمانے پر ایک مذاکرہ منعقد ہوا تھا۔ اس مذاکرہ (سمپوزیم) میں ٹیلی پیتھی) کا موضوع زیر بحث ایا اس بین الاقوامی کانفرنس میں اے وجے ڈنگ وال نے The Simulation of Telepathy کے نام سے ایک مقالہ پڑھا تھا جس میں اعداد وشمار کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا کہ ہر انسان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنے خیالات کہ لہریں دوسرے دماغ تک منتقل کر دے اور اس کے خیالات کی لہریں وصول کر سکے خواہ ان دونوں افراد کے درمیان سیکڑوں میل کا فاصلہ کیوں نہ ہو؟ ٹیلی پیتھی پر بحث کرتے ہوئے بحر قطب شمالی کی مچھلیوں، شہد کی مکھیوں اور کبوتروں کی ٹکڑیوں کی مثال بھی پیش کی گئی۔ جو سفر کرتے ہوئے ٹیلی پیتھی کے ذریعہ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھتی ہیں بے شک انسانوں میں کشف القلوب (دلوں کا حال جان لینا) اشراق دوسرے کے خیالات کی لڑیں وصول کر کے اس کا جواب اسی طرح دنیا اور کشف (نادیدہ اشیا کا علم) کی صلاحیت موجود ہے۔ ٹیلی پیتھی اب ایک سائنسی حقیقت بن چکی ہے اور ترقی یافتہ ملکوں خصوصیت کے ساتھ سودیت یونین امریکہ اور مغربی یورپ

کی یونیورسیٹوں میں! بعد النفسیات کے مسائل پر جو تحقیقات کی گئی ہے اور کی جارہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترقی و تحقیق کی اس مہم میں کتنی غیر معمولی کامیابی حاصل کی جا چکی ہے۔

مختلف توجیہات

البتہ ذاکر ایچ سیام والا نے روزنامہ ڈان کے مراسلات کے کالم میں اپنا جو مشاہدہ چھپوایا ہے اس کا تعلق صرف ٹیلی پیتھی سے نہیں ہے اس مشاہدے اور واقعے کا حیرت انگیز پہلو اور بھی ہے ذاکر صاحب ٹہلتے ٹہلتے گھر کی طرف جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک فقیرنی کی طرف دیکھا جو سرراہ بھیک مانگ رہی تھی۔ فقیرنی نے التجا آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھا وہ بھیک چاہتی تھی ۔ذاکر صاحب بھکارن کی التجا اور سوال کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئے۔ چند قدم چلنے کے بعد انہوں نے مڑ کر دیکھا تو انہیں بھکارن کی گردن پر اپنی ماں کا چہرہ نظر آیا وہ حیرت زدہ ہو کر پلٹے اور بھکارن کی طرف بڑھے عین اسی وقت ایک زیر تعمیر عمارت ٹھیک اس جگہ گر پڑی جہاں ذاکر صاحب کو ہونا چاہئے تھا۔ اس طرح غیبی امداد کے ذریعہ ذاکر صاحب کی جان بچ گئی۔ اس واقعے میں ٹیلی پیتھی کا دخل اس حد تک ہے کہ فقیرنی نے اپنے خیالات کی لہریں ذاکر صاحب کی طرف بھیجیں۔ ذاکر صاحب کے دماغ نے لاشعوری طور پر ان لہروں کو قبول کر لیا اور فقیرنی کی طرف متوجہ ہو گئے! اس طرح ان کی جان بچ گئی۔ (رسیدہ بود بلائے و نے بخیر گذشتہ) لیکن بھکارن کے چہرے میں ذاکر صاحب کی والدہ مرحومہ کا چہرہ کس طرح نمودار ہو گیا۔ کیا ایسا ہے کہ بھکارن نے کشف کے ذریعہ معلوم کر لیا تھا کہ عنقریب ذاکر صاحب کو ایک حادثہ پیش آنے والا ہے (سامنے والی عمارت گرنے والی ہے) چنانچہ اس حادثہ سے بچانے کے لئے اس نے اپنی قوت ارادی سے کام لے کر اپنے چہرے میں ذاکر صاحب کی مرحوم والدہ کی شباہت پید اکر لی۔ اس صورت میں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ بھکارن نے ذاکر صاحب کی والدہ کو دیکھا تھا۔ اور وہ مرحومہ کے خدوخال سے بخوبی واقف تھی لیکن اس مفروضہ کو تسلیم کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ (2) دوسری توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ والدہ مرحومہ کی روح نے ذاکر صاحب کی بروقت

مدد کی یعنی یہ دیکھ کر کہ ان کا لخت جگر خطرہ میں ہے (حادثہ پیش آنے والا ہے) اپنی روح کو بھکارن کے جسم پر مسلط کر دیا۔ اور ایک بعید تر توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ خود ان کی والدہ مرحومہ نے اپنے کو بھکارن کے روپ میں مجسم کر کے انہیں آنے والے حادثہ سے مطلع کیا۔ اور بچالیاں۔ وہ اور آسان اور عام فہم بات یہ ہو سکتی ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود پیش آیا۔ ذاکر صاحب بھکارن کی التجا کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئے تھے۔ پھر انہیں اپنی بے وفائی پر تاسف ہوا۔ وہ بھیک دینے کے ارادے سے پلٹے جونہی پلٹے عمارت زمین پر آ گری۔ ارادہ مرگ ناگہانی سے بچ گئے۔ عین ممکن ہے کہ اس بھکارن کے چہرے میں ذاکر صاحب کی والدہ مرحومہ کی شباہت موجود ہو۔ جسے وہ پہلی نظر میں محسوس نہ کر سکے ہوں۔ البتہ جب بھکارن کو بغور دیکھا تو احساس ہوا کہ یہ ان کی مرحوم ماں سے کس قدر مشابہ ہے۔ جناب عبدالحامد خاں صاحب ایڈووکیٹ نے فرمائش کی تھی کہ میں ذاکر ایچ سیام والا کے مشاہدے پر روشنی ڈالوں۔ میں نے تو اپنے خیالات اور توجیہات عرض کر دیئے۔ کیا کوئی صاحب نظر اس واقعہ پر تبصرہ کر کے میری معلومات میں اضافہ فرمائیں گے؟

وہی خودکشی

مدت سے خواہش تھی کہ اپنی ذہنی اُلجھنوں کے سلسلے میں آپ سے مدد طلب کروں یہ کوئی ایک اُلجھن نہیں بلکہ ذہنی گتھیوں کا ایک لچھا ہے اس لچھے کو جتنا سلجھانے کی کوشش کرتی ہوں اور اُلجھتی چلی جاتی ہوں۔ کہیں پاگل نہ ہو جاؤں میں یہ سب کسی جذباتی کیفیت کے زیر اثر نہیں کہہ رہی امر واقعہ کا اظہار ہے۔ رئیس صاحب! میں چھ بچوں کی ماں ہوں تیس سال کی عمر ہے عمر کے اعتبار سے مجھے بردبار اور حقیقت پسند ہونا چاہئے لیکن میں تسلیم کرتی ہوں کہ نہ مجھ میں بردباری پائی جاتی ہے نہ حقیقت پسندی میں اپنا دل کھول کر اپنا سینہ چیر کر آپ کے سامنے رکھ دینا چاہتی ہوں جب میں سترہ سال کی تھی تو والدین نے میری منگنی کر دی۔ یہ منگنی رسمی تھی۔ نہ محبت کا کوئی دخل تھا نہ التفات کا! اٹھارھویں سال میری شادی ہو گئی۔ سسرال کا ماحول میرے گھر سے بہت مختلف تھا۔ کہہ لیجئے کہ نیا

ماحول بالکل دیہاتی وضع کا تھا۔ میں شادی سے قبل پردہ نہیں کرتی تھی۔ شادی کے بعد مجھے برقعہ پہنا پڑا۔ وہ عجیب قسم کے پسماندہ (بیک ورڈ ٹائپ) لوگ تھے خیر گنوار پن کو بھی برداشت کرلیا جائے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم میں قطعی ہم آہنگی نہیں اُف وہ بدزبان عورتوں کے طعنے جھگڑنا، ان باتوں سے میری طبیعت بہت اُلجھتی تھی۔ پچھلے بارہ سال کسی ذہنی اُلجھن میں کس روحانی کرب اور کس دماغی انتشار میں گزرے ہیں بیان نہیں کرسکتی۔ چھ بچے ہیں اور نفرت کا نشانہ یہی بچے بنتے ہیں۔ ہائے بدنصیب بچے! اس کے علاوہ میں ادب پرست ہوں سرتاج ان چیزوں سے چڑتے ہیں۔ گیارہ سال کی عمر سے مضمون نگاری کررہی ہوں۔ پھر اسکول میگزین کی ایڈیٹر بنی۔ مگر آہ سارے ارمان خاک میں مل گئے۔ میری ساری تمنائیں پامال ہوگئیں۔ رئیس صاحب! میں پاگل ہونے والی ہوں۔ خدارا مجھے بچائیے۔ (ن۔م)

ازخود دعوت

ان مل بے جوڑ شادیوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔ یہ وہ مصیبت ہے جسے ہم خریدتے ہیں یہ وہ بلائیں ہیں جن کو ازخود دعوت دی جاتی ہے۔ ن۔م گیارہ سال کی عمر سے مضمون نگاری کررہی ہیں اپنے اسکول کے رسالے کی مدیرہ بھی تھیں شادی سے پہلے پردہ نہ کرتی تھیں۔ شادی کے بعد ماحول کے جبر اور دباؤ سے پردہ دار ہوگئیں۔ شوہر ملے بدمذاج۔ سسرال کا ماحول دیہاتی نندیں اور خوشدامن جھگڑالو۔ اس ناکام شادی کا ثمرہ چھ بچے ہیں اور وہی نفرت، حقارت اور انتقام کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔ ن۔م کا کسی پر بس نہیں چلتا۔ سوائے اپنے غریب بے زبان اور معصوم بچوں کے! ن۔م تمہاری نفرتیں، حقارتیں اور انتقام طلبی اپنے مقام پر بجا لیکن کاش تم اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کرتیں۔ چھ بچوں کی ماہ کو طلاق کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا۔ گو شرعاً اس قسم کی کوئی قید نہیں ہے۔ بی بی تمہیں اپنے کو بدلنا پڑے گا بعض مصائب سے نباہ کئے بغیر چارہ نہیں۔ ن۔م دنیا کا کوئی نفسیاتی معالج تمہیں شفا نہیں بخش سکتا۔ تم خود اپنے کو صحت یاب کرسکتی ہو۔ اپنے اندر فکر کو بدلو اپنے کردار میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنا، آسان بات نہیں، اپنی تسخیر چاند کی تسخیر سے

زیادہ مشکل سہی مگر ناممکن تو نہیں۔

جی چاہتا ہے کہ

بہت ہی پرخلوص روحانی باپ! آپ ناراض نہ ہوں مجھے محترم ومکرم جیسے خطابات سے چڑ ہے میں آپ کے بہت اچھے دوست کی بیٹی ہوں۔ میں نے روحانی بات تو تکلفاً لکھ دیا ہے ورنہ میں آپ کو ایک پرخلوص اور بااعتماد دوست سمجھتی ہوں اگر میں آپ کو 'اچھے دوست'' کے نام سے مخاطب کروں تو برا تو نہ مانیں گے۔ نہیں نہیں آپ روٹھ تو نہیں جائیں گے۔ نہ روٹھئے گا ورنہ میرا کون ہوگا؟ میں کون ہوں؟ یہ بھی نہیں بتاؤں گی اور بابا کا ذکر بھی نہیں کروں گی۔ آپ پہنچان جائیں گے۔ کیا لکھوں؟ کیا نہ لکھوں؟ وقت بہت کم ہے اور داستان درد بہت طویل گنجلک اور اُلجھی ہوئی ہے۔ آپ کی لغت میں خودکشی حرام ہے مگر اس کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں برسوں سے جاگ رہی ہوں میری آنکھیں رکھتی رہتی ہیں۔ بدقسمتی سے میں شاعرہ بھی ہوں اور افسانہ نویس بھی مگر شوہر بے حد سخت مزاج ہیں۔ خود تعلیم یافتہ ہیں اس کے باوجود انہیں میرے ادبی ذوق سے چڑ ہے اچھے دوست رئیس صاحب! میں صرف سات سال کی تھی جب مجھے ایک شخص اچھا لگا وہ میرا اپنا شاعر تھا اور بھرپور مرد' دوبارہ جب وہ ملاتوں میں زندگی کے خطرناک دور سے گزر رہی تھی۔ (یعنی عہد شباب سے) میں نے اس شخص کو احساس نہ ہونے دیا کہ میں اس کی طرف مائل ہوں۔ یعنی میں اسے ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔

وہ آج تک میرے اس جذبے سے لاعلم ہے وہ ایک بیٹے کا باپ ہے اور میں تین بچوں کی ماں، بی اے کے بعد شادی ہوئی۔ شوہر اچھے ہیں مگر درشت مزاج، بیوی ان کے نزدیک صرف جنسی تسکین کا آلہ ہے وہ دوسری لڑکیوں کے لئے خوش مزاج ہیں ان سے شستہ مذاق کرتے ہیں بڑے پیارے جملے بولتے ہیں۔ باغ و بہار آدمی ہیں۔ مگر بیوی ان کی نظر میں بچے پالنے والی آیا ہے۔ جنس کے معاملہ میں وہ شدت پسند ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے تعاون کو ہوسناکی سے تعبیر کرتے ہیں۔ میں بہت تشنہ ہوں۔ رئیس صاحب! بہت تشنہ ہوں۔ جی چاہتا ہے وہ اونچے سنگھاسن سے

نیچے اُتر آئیں ہم روٹھیں تو وہ منائیں وہ ناراض ہوں تو ہم منانے کی کوشش کریں۔ جی چاہتا ہے بھینی بھینی مسحور کن خوشبو ہو جی چاہتا ہے سفید سفید بے داغ بستر ہوں جی چاہتا ہے ہر طرف پھول ہی پھول ہوں جی چاہتا ہے وہ مدھم سے لہجے میں پیار کی باتیں کریں اور میں جذبات کے سمندر میں ڈوبتی چلی جاؤں مگر یہ سب نہیں ہوتا وہ آتے ہیں اور جذباتی معاملے کو کاروبار کی طرح نمٹا کر چلے جاتے ہیں مگر میں کبھی آسودہ نہیں ہوتی صرف جسمانی تسکین تو کافی نہیں اصل چیز ہے سکون جذبات تسکین نفس اور آرام جان۔

اچانک

ایک موڑ پر میرے آئیڈیل سے ملتا جلتا ایک شخص مجھے مل گیا میں اس کی طرف بڑھتی چلی گئی مگر گناہ آلود نہیں ہوئی وہ کہتے ہیں تم بالکل مختلف ہو۔ رئیس صاحب جی چاہتا ہے کہ ان آنکھوں میں ڈوب جاؤں جی چاہتا ہے کہ وہ مجھے ٹوٹ ٹوٹ کر پیار کریں۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھے پیار کیا میں سہم گئی کاش وہ محدود رہتے مگر وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور مجھے پیش دستی پسند نہیں جی چاہتا ہے یونہی تڑپتی رہوں بھرپور پیار کے بعد جذبات بھڑ کتے ہیں۔ میرا ضمیر دامن تھام لیتا ہے میں تشنہ رہ جاتی ہوں لیکن یہ تشنگی بہت اچھی لگتی ہے جی چاہتا ہے میرا آئیڈیل سامنے بیٹھا رہے میں اور وہ اچھی اچھی باتیں کریں میں احساس گناہ میں مبتلا ہوں۔ جی چاہتا ہے خودکشی کرلوں۔ نماز پڑھتی ہوں مگر احساس یہ ہوتا ہے کہ میری عبادت قبول نہیں کئی کئی بار وضو کرتی ہوں مگر خضوع وخشوع کہاں؟ رئیس صاحب! آج کل کچھ نہیں کر سکتی، دماغ الجھا الجھا رہتا ہے۔ میرے اچھے دوست (یعنی رئیس صاحب) جب بہار آتی ہے تو دل کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔

پھر موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی
شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی

مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں کہیں جذبات کی رو میں نہ بہہ جاؤں! ابھی تو بہت سی باتیں کرنا ہیں

۔زندہ رہی تو پھر لکھوں گی۔اکثر سچے خواب دیکھتی ہوں۔آجکل برابر خواب میں اپنے کو غلاظت میں لتھڑا ہوا دیکھتی ہوں۔کوشش کروں گی کہ آپ کا جواب آنے تک زندہ رہ جاؤں۔ہوسکتا ہے احساس گناہ غالب آجائے۔اور میں آپ کا جواب دینے سے پہلے ہی چل دوں۔خودکشی کی پہلی کوشش ناکام ہوگئی ہے دوسری کوشش ناکام نہیں ہوگی۔(ایک گناہ گارہ)

وہی خودکشی

تمہارا شاعرانہ خط پڑھا۔مجھے اُمید ہے کہ تم نے خودکشی کی دوسری کوشش نہ کی ہوگی۔ہمیشہ یہ کوششیں ناکام رہیں گی۔سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ زندگی کے دکھوں کا علاج موت میں کیوں تلاش کرتے ہیں۔زندگی کا علاج تو صرف زندگی ہی میں مضمر ہے موت کے پاس کیا رکھا ہے۔ایک مردہ جسم،ایک ٹھنڈا لوتھ ایک سرد وسنگلاخ قبر اور بے شمار گوشت خور کیڑے!زندگی کتنی ہی ناکام و نامراد کیوں نہ ہو۔بہر حال موت سے بہتر ہے زندگی سے تو کچھ اُمیدیں بھی وابستہ کی جاسکتی ہیں ۔موت سے کیا ملے گا؟ موت کیا دے گی؟

نالہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے
بے صدا ہوجائے گا یہ ساز ہستی ایکدن

تم ابتداء ہی سے عاشق مزاج رہی ہو۔سات سال کی عمر تھی ایک بھرپور گبرو جوان کو چاہنے لگیں۔یہ چاہت اور یہ جذباتیت آج تک ایک کیکڑے کی طرح تمہاری روح کو جکڑے ہوئے ہے۔تم شاعرہ ہو اور ادبی ذوق کی مالک لیکن تمہارے شوہر تندمزاج شک پسند اور کاروباری ذہنیت رکھنے والے ہیں۔اے عزیزہ! آپ نے اپنی جن ذہنی کیفیات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ایب نارمل (غیر معتدل) نہیں تقریباً ہر مرد اور عورت کو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر جذباتی تشنگی محسوس ہوا کرتی ہے چاہے جانے کی بے پناہ خواہش، پیار سے محرومی کا شدید احساس، میں تو ان آرزوں اور حسرتوں کو غیر قانونی اور غیر طبعی (ان نیچرل) قرار نہ دوں گا۔یہ ساری خواہشیں، یہ ساری امنگیں، یہ ساری تمنائیں اور یہ ساری حسرتیں سو فیصد طبعی

قدرتی اور انسانی ہیں۔تم نے بار بار لکھا ہے کہ

جی چاہتا ہے کہ

یقیناً چاہتا ہوگا اور جی کی یہ چاہت ہرگز شرمناک نہیں یہ بالکل اسی طرح قدرتی ہے جس طرح دو کبوتروں کا ایک دوسرے کے ساتھ چونچیں لڑانا۔دو بکریوں کا ایک دوسرے کے بدن سے بدن رگڑنا۔دو سانپوں کا ایک دوسرے سے بل کھا کر لپٹ جانا! ان چاہتوں میں گنا کہاں سے در آیا؟ یہ ساری امنگیں تمہارے سینے میں پیدا ہوں گی۔تم ان پر شرمسار کیوں ہو؟ آخر احساس گناہ کیوں؟ تم کیوں خواب میں اپنے کو روسیاہ دیکھتی ہو؟ تم کیوں غلاظت میں اپنے کو لتھڑا دیکھتی ہو؟ میں تو ان تصورات کو غلط نہیں سمجھتا۔اب یہ دیکھنا ہے کہ عملی زندگی میں ان تصورات اور خوابوں کی حقیقت کیا ہے؟ تم تین بچوں کی ماں اور ایک بے پروا شوہر کی بیوی ،ہو بے پرواشوہر کی بیوی کی شکایتیں تو ہم نے سن لیں تین بچوں کی ماں کی کہانی بھی سننے کو جی چاہتا ہے۔تمہارا آئیڈیل ازم اپنے مقام پر برحق اور تمہاری تصوریت بے شک بجا! لیکن بی بی !ایک ماں کی حیثیت سے تمہارے فرائض کیا ہیں؟ تمہیں اپنے شوہر سے جتنی شکایات ہیں ۔نوے فیصد عورتوں کو اپنے رفقائے حیات (یعنی سرتاجوں سے) وہی یا اس سے ملتی جلتی۔اسی قسم کی اسی قبیلے کی اور اسی قوم کی کوئی نہ کوئی شکایت ہوا کرتی ہے۔یہی حال شوہروں کا ہے مجھے تو آج تک کوئی ''میاں'' ایسا نہیں ملا جو (ہمہ تن رہمہ تن کے معنی پر پھر غور کرو) اپنی بیوی سے مطمئن اور آسودہ ہو۔وہ جسے نباہنا کہتے ہیں۔عملی زندگی کا سب سے بڑا ہنر وہی ہے تم بہت سے ہنروں میں طاق سہی مگر رہنے کے ہنر میں کچی ہو۔تمہاری شکایات اس قدر سنگین نہیں کہ انہیں خودکشی کا جواز بنالیا جائے۔یہ تو شاعرانہ مبالغہ پسندی ہوئی۔ہاں ایک بات اور کہہ دوں صرف ایک مضمون لکھ دینے اور ایک خط ڈاک کے سپرد کر دینے سے کوئی ذہنی گتھی نہیں سلجھ سکتی ۔یاد رکھو روح میں جو گرہیں پڑ جاتی ہیں۔اسے کوئی قوی اور غالب روح ہی کھول سکتی ہے ۔ہاں وقت لگے گا۔کافی وقت لگے گا قبل اس کے کہ میں تمہارے لئے نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت

(S.C.T) کی کوئی مشق تجویز کروں تم میری تصانیف کا مطالعہ کر ڈالو۔اس مطالعہ سے بہت سے نکتے تمہارے ذہن میں روشن ہو جائیں گے۔تمہیں اندازہ ہوگا کہ نفسیاتی امراض کیا ہوتے ہیں اوران کا طریق علاج کیا ہونا چاہئے۔

حافظہ کھو بیٹھا

جاوید (لانڈھی) لکھتے ہیں

میں ایف ایس سی کا طالب علم ہوں۔اور کافی محنت سے پڑھ رہا ہوں لیکن حالت یہ ہے کہ جو کچھ پڑھتا ہوں فوراً حافظہ سے نکل جاتا ہے۔میٹرک تک میرا ذہن کافی تیز تھا شروع سے لے کر میٹرک تک درجہ اول (فرسٹ ڈویژن) حاصل کرتا رہا ہوں۔اس سلسلے میں ہر طرح کی دوائیں استعمال کیں۔کوئی فائدہ نہ ہوا کسی نے کہا کہ چار مغز استعمال کرو تو حافظہ درست ہو جائے گا۔آپ نے لکھا تھا کہ سونے سے پہلے ایک جملہ دہرانے سے دماغ اور ذہن کی حالت بہتر ہو جاتی ہے ۔رئیس صاحب! میں بے حد پریشان ہوں۔آپ ہی بتائیے کہ کیا کروں؟ یہ میرے مستقبل کا سوال ہے اس کے علاوہ میری نظر بھی کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے۔کیا نظر کی کمزوری کا نفسیاتی علاج ممکن ہے۔آہ میں حافظہ کھو بیٹھا۔بینائی کورد بیٹھا۔

تیسرا دور

تم نے میرے متعدد مضامین میں پڑھا ہوگا کہ تیرہ چودہ سال سے لڑکے کی عمر کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔یہ وہ زمانہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے جسم اور نفس میں غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔بچے کی عمر کا پہلا دور ایک سے سات سال تک معصومیت کا دور ہے۔دوسرا دور 7 سال سے چودہ سال تک لڑکپن اور بالپن کا دور ہے۔اور تیسرا دور چودہ سال تا اکیس سال آغاز شباب کا عہد ہے لڑکیوں میں ظاہری اور باطنی تبدیلیاں 9 برس کے قریب شروع ہو جاتی ہیں اور تیرہ چودہ سال کی لڑکی مکمل عورت بن جاتی ہے لڑکوں میں مردانگی کی علامتیں تیرہ چودہ سال کی عمر میں نمایاں ہوتی

ہیں ۔آواز بھاری ہوجاتی ہے چہرہ پر سبزہ خط نمودار ہونے لگتا ہے ۔قد نکلنے لگتا ہے جسمانی تبدیلیوں کی طرح لڑکوں اور لڑکیوں کا ذہن بھی نئے نئے طوفانوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے وہ اپنے سینے میں ایک عجیب قسم کی ہلچل اور ہنگامہ محسوس کرتے اور کرتی ہیں ۔انکے تصورات مبہم اور جذبات میں پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے بچپن میں عقائد و روایات اور اوہام کی جو تہہ ذہن پر جم گئی تھی نئے نئے تصورات' نئے عقائد اور نئے نظریات ان پر دھاوا بول دیتے ہیں ۔

وہ بہت کچھ چاہتے ہیں مگر کیا چاہتے ہیں؟ یہ خود نہیں بتا سکتے ۔ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ بھی اپنے جد امجد ''باوا آدم'' کی طرح شجر ممنوعہ کے پھل کو چکھیں لیکن وہ اس کی جرأت نہیں کر سکتے ۔وہ اپنے خیالات کی آوارگی سے خوف زدہ ہوجاتے ہیں ۔ایک عجیب گہری کشمکش ان کی روح کا احاطہ کر لیتی ہے اس کشمکش کا اثر عارضی طور پر ان کے حافظے پر بھی پڑتا ہے جاوید اسی دور سے گزر رہے ہیں اگر وہ اپنی موجودہ حالت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو انہیں میری تصانیف نفسیات و مابعد النفسیات (اول دوم سوم) کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔شب میں سونے سے قبل حسب ذیل فقرہ اس وقت تک دہرائیں جب تک نیند نہ آجائے ۔

''روز بروز میری دماغی اور ذہنی حالت بہتر سے بہتر ہوتی چلی جارہی ہے'' یہ فقرہ کوئی جادو کا منتر نہیں کہ فقرا دہراتے ہی ان کے ذہن میں انقلاب برپا ہوجائے ۔حافظہ نکھر جائے اور بقول شخصے دماغ ٹن ٹن بولنے لگے ۔آپ یہ فقرہ بار بار دہرائیے روز روز سے دہرائیے تاکہ اس فقرے کے چودہ پندرہ الفاظ آپ کے ذہن میں تہہ نشین ہوجائیں رفتہ رفتہ' رفتہ رفتہ' رفتہ رفتہ یہ فقرہ آپ کے اندر حیرت انگیز انقلاب فکر پیدا کردے گا ۔اسی کے ساتھ اگر آپ نصاب تعمیر و تنظیم شخصیت (S.C.T) کی مشقیں بھی کرلیں ۔تو سبحان اللہ سونے پر سہاگہ!

پیار کا دُکھ

میں ایک ایسے دکھ میں مبتلا ہوں جس کا کوئی علاج نہیں ۔یہ پیار کا دکھ ہے مجھے ان یادوں سے نجات دلائیے ۔جو میرے سینے میں ناسور کی طرح خونچکاں ہیں ۔میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ

ماضی کو بھلا دوں مگر نہ بھلا سکا۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب

چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

تین سال سے زائد ہو چکے ہیں۔ میں اس جہنمی آگ میں جل رہا ہوں۔ میں نے اسے بھلانے کی بہت کوشش کی۔ نہ بھلا سکا میں زندگی کی اکیسویں ''خزاں'' سے گزر رہا ہوں نہ جینے کی تمنا ہے نہ مرنے کا حوصلہ! زندگی کی اس راہ پر دل ڈھونڈتا ہے سہارے ہی سہارے۔ دل وہی پیار چاہتا ہے جو مجھے پہلے ملا تھا۔ رئیس صاحب! یہ زندگی تنہا بھی نہیں کٹتی اور دل اس کے سوا کسی کو قبول بھی نہیں کرتا۔ جناب والا! یہ ابھی پرسوں کی بات ہے کہ میں نے ایک لڑکی کو ٹیلیفون کرنے سے منع کر دیا۔ حالانکہ چاہتا تو یہ سلسلہ دراز بھی ہو سکتا تھا! اس طرح کے متعدد واقعہ پیش آ چکے ہیں۔ میں نے اس لڑکی کو فون کرنے سے منع تو کر دیا مگر پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ دوست کہتے ہیں کہ تم کیوں ''جنت گمشدہ'' کی جستجو میں لگے ہوئے ہو۔ نئی جنت تلاش کرو۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ میں جب بھی کسی لڑکی سے بات چیت کرتا ہوں تو اس کا چہرہ سامنے آ جاتا ہے۔

تمہاری طلعت زیبا کو کرلیا سجدہ

نظر جہاں بھی کوئی شکل دلربا آئی

آخر میں یہ زندگی کب تک گزارتا رہوں گا؟ کس طرح گزاروں گا؟

ط۔ج۔ج

پرانی یادیں

تم پیار کے دکھ میں مبتلا ہو۔ تم بہت حساس ہو تم نے عشق کو ایک ذہنی مرض اور نفسیاتی بیماری بنا رکھا ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ تمہارے سینے میں پرانی یادیں ناسو کی طرح پک رہی ہیں۔ آہ کتنی

جاں سوز حقیقت ہے کہ 21 سال کا ایک جوان جس سے کتنی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔اس طرح بے بسی خود آزاری، مجہولیت اور بزدلی کا مجسمہ بن جائے۔ برادر! یہ عشق نہیں حماقت ہے یقیناً غلبہ شوق کے عالم میں انسان عجائب المخلوقات بن جاتا ہے لیکن زیادہ سے زیادہ یہ کیفیت چند مہینے (چلو چند سال فرض کرلیں) طاری رہتی ہے اس کے بعد فکر میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے مگر اے عزیز! تم جب تک خود اپنے کو بدلنے کی کوشش نہ کرو گے (اللہ میاں کے) کوئی طاقت تمہیں نہیں بدل سکتی عشق کا ایک نفسیاتی علاج تو یہ ہے کہ!

تم جو بیزار ہو۔اپنا بھی یہی طور سہی
تم نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی

بہرحال تو میاں۔ط ج۔ج ایسا کرو کہ دل و دماغ کی جتنی طاقت کے ساتھ اپنی محبوبہ کو یاد کر سکتے ہو، یاد کرو، کوئی خیال آئے تم فوراً اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر ''یادِ محبوبہ'' میں غرق ہو جاؤ۔زبردستی اپنے ذہن کو محبوبہ کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرو۔میری ان ہدایات پر عمل کرو اور پھر لکھو کہ قلب و دماغ کی حالت کیا ہے؟ اُمید تو یہی ہے کہ رفتہ رفتہ تم اس باطنی کشمکش پر غالب آ جاؤ گے۔

جنس زدہ

حمید اللہ شاہ میدی (بنوں) کے قلم سے

آج کل دنیا میں جنس پرستی کا دور دورہ ہے۔اس ضمن میں کچھ عرضداشت کچھ خدشات اور کچھ سوالات آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ اپنے علم اور تجربے سے مستفید فرمائیں گے۔اپنے اردگرد جب نظر دوڑاتا ہوں ہر انسان کے اندر ایک انسانی درندہ چھپا ہوا نظر آتا ہے۔آدمیوں کے اندر شہوت کے اژدہے کنڈلی مارے بیٹھے ہیں۔ بڑے بوڑھے ہوں یا بچے سب کے سب جنس کے پرستار بن گئے ہیں۔ بڑے بوڑھوں سے اور کچھ نہیں ہوتا تو جنس کے بارے میں گپ شپ کرتے رہتے ہیں نوجوانوں کو موضوع گفتگو صرف Sex اور Sex ہے

بچوں کے کھیلوں سے جنسی رجحانات ٹپکتے ہیں۔اس عرضداشت سے آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ چوں کہ میں خود ''جنس زدہ'' ہوں اس لئے مجھے اپنے گردوپیش جنس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا بخدا میں ایک پرہیزگار انسان ہوں۔البتہ معاشرے کے رجحانات کو محسوس کرتا ہوں جب کبھی کسی انسان کے اندر جھانکتا ہوں تو خواہ مرد ہو یا عورت' چھوٹا ہوں یا بڑا سب ایک ہی مرض میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔یعنی اسیر جنس اور گرفتار شہوت اس وقت ہم بذات خود قصوروار نہیں بلکہ قصوروار اور ذمہ دار وہ ماحول ہے جو ہمیں ورثے میں ملا ہے ہماری کج روی کا ذمہ دار ہمارا ماضی ہے۔ہم اس شرمناک ورثے کو قبول کرنے پر مجبور نہیں ہیں اس سے یقیناً متاثر ہوئے ہیں۔کوئی شخص کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔ہر شخص اپنی ماں' بہن اور بیٹی کی عزت کی طرف سے پرتشویش ہے لیکن جو دوسرے لوگ اس کی طرح تشویش واضطراب میں مبتلا ہیں۔ان کا قطعاً خیال نہیں کرتا۔اس کے علاوہ علی اصغر بروجردی کے پیروکاروں کی تعداد میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ہمارے صوبہ سرحد میں تو ''بروجردی ازم''[1] (یعنی جنس پرستی) کا رجحان ہر جگہ سے زیادہ قوی ہے۔شاید کراچی میں بھی صورتحال یہی ہے۔ہر باپ اپنے کم سن بچوں کے سلسلے میں بروجردیوں سے خائف ہے۔اس معاشرے کے ہر فرد کے حواس خمسہ صرف جنسی اغراض میں صرف ہو رہے ہیں۔آنکھ' ناک' کان غرض تمام حسوں اور اعضاء کی توانائیاں شہوت پرستی کی گندی نالیوں میں بہہ رہی ہے آنکھیں عریاں رسالوں' کتابوں اور فلموں پر جمی ہوئی ہیں۔کان جنس انگیز گیتوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔آنکھوں سے دیکھی ہوئی اور کانوں سنی ہوئی بات شدت سے ذہن پر اثر انداز ہوتی ہے اور چونکہ گناہ میں لذت ہوتی ہے اس لئے ذہن بڑی خوشی سے فحاشی اور عیاشی کی باتوں کو قبول کر لیتا ہے۔
ناک ایک خاص خوشبو کے سراغ میں لگی رہتی ہے۔یہ خاص خوشبو' کریم' لوشن' پوڈر اور سینٹ سے مرکب ہے۔یہ جدید عورت کی مہک ہے اور ناک اسی مہک کے تعاقب میں ادھر ادھر گھومتی' سکڑتی اور سمٹتی رہتی ہے۔اس عہد کے انسانوں پر شیطانوں نے ہلہ بول دیا ہے ٹیلی ویژن' ریڈیو' فلم کے

۱) ایران کا خوفناک جنسی درندہ جس کے اعترافات خودنوشت مکتبہ عالمی ڈائجسٹ نے کتابی صورت میں شائع کئے ہیں۔

جنسی نظارے، خدا کی پناہ، رسائل کے سرورق توبہ توبہ! اخبارات کی جذبات انگیز تصاویر، لاحول ولا قوۃ۔ حوا کی بیٹیاں قید لباس سے آزاد ہو چکی ہیں۔ آدم کے بیٹے ان برہنہ نظاروں کو دیکھتے ہیں اور زمین میں گڑ جانے کے بجائے زمین پر بت بن کر رہ جاتے ہیں۔ رئیس صاحب، آج کل کا انسان کتنا مظلوم ہے؟ بیان نہیں کر سکتا۔ سوچتا ہوں کہ ہمارے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا؟ کیا ہمارا معاشرہ آگے چل کر ''مادر پدر'' آزاد تو نہیں ہو جائے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ آج جن چیزوں کو ہم (برائے نام ہی سہی) گناہ سمجھتے ہیں، کل وہ گناہ ضابطہ اخلاق میں درج تو نہ ہو جائیں گے۔

سنسر بورڈ

فلموں کا سنسر بورڈ کیا کر رہا ہے؟ کیا سنسر بورڈ کی قینچی کند پڑ گئی ہے کیا سنسر بورڈ فحاشی کی ترویج و اشاعت پر مامور ہو گیا ہے ہر جگہ فحش کاری اور ہوسنا کی کے اڈے کھلے ہوئے ہیں اور انتہا ہے کہ ضلع بنوں تک ان لعنتوں سے محفوظ نہیں رہا۔

جناب رئیس صاحب! میں حیران ہوں کہ آپ کراچی جیسے گندے شہر میں کیسے گزارہ کر لیتے ہیں۔ غالباً آپ اپنی قیام گاہ سے بہت کم باہر نکلتے ہیں۔ یونیورسٹیاں اور کالج درس گاہیں نہیں رہے۔ عیاشی اور غنڈہ گردی کے مرکز بن گئے ہیں اشتہار انگیزیوں کا عالم یہ ہے کہ دنیا کی تین چوتھائی آبادی بھوکی مر رہی ہے۔ جناب رئیس صاحب! کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ اس معاشرے کو پھر پاکیزگی اور سادگی کی طرف لوٹایا جائے اس سلسلہ میں آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں کسی قوم میں روحانی استحکام، اخلاق پاکیزگی، احترام نسواں، مساوات آدم، علم و تحقیق کے جذبے سے پیدا ہوتا ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

عالم گیر نوعیت

میں نے حمید اللہ شاہ میدی کے خط کو بہ تمام و کمال نقل کر دیا ہے۔ شہوت و اشتہار کا مسئلہ اہم اور

عالمگیر نوعیت کا ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت اور عالمگیر نوعیت کے پیش نظر میں نے گفتگو کے لئے اس موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ میدی صاحب نے اس عہد کو جنس زدہ اور شہوت گرفتہ قرار دیا ہے۔ یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جنسی ضابطہ اخلاق پانچ ہزار سال قبل وجود میں آیا ہے۔ انسان نے مہذب و متمدن زندگی کا آغاز پانچ چھ ہزار سال قبل کیا ہے قدیم سے قدیم انسانی معاشرے کی عمر پانچ چھ ہزار سال سے زیادہ نہیں۔ پہلے انسان نے ضروریات حیات سے مجبور ہو کر جنسی ضابطہ اخلاق وضع کیا اور اس کے نتیجہ میں ایک منظم معاشرہ وجود میں آیا منظم معاشرے سے قبل نہ کوئی جنسی ضابطہ اخلاق تھا نہ بے مہابا شہوت رانیوں پر کوئی قید و بند آج سے پانچ ہزار سال قبل تمام انسان (مرد و عورت) ہزاروں سال تک جنسی بے قیدی اور مطلق آزادی کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن جوں جوں انسانی شعور نکھرتا چلا گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ جنسی بے قیدی طرح طرح کی جسمانی بیماریوں اور دماغی الجھنوں (مثلاً تشدد، انتقام اور خوف وغیرہ) کو جنم دیتی ہے انسان شہد کی مکھیوں کی طرح گروہ پسند ہے۔ گروہ پسندی کی ترقی یافتہ شکل خاندان پسندی ہے یعنی انسان یہ چاہنے پر مجبور ہے کہ گروہ کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کا ایک الگ خاندان ہو۔ اس کی عورت اس کی بیوی کہلائے اور اس کے بچے اس سے منسوب ہوں۔ انسان حیوان محض نہیں، حیوان ناطق (یعنی صاحب عقل جاندار) بھی ہے حیوان محض (جو صرف چوپائے یا دو پائے ہوتے ہیں) میں بھی نر و مادہ کا جوڑا ہوتا ہے۔ انسان تو بدرجہ اتم ہر اعتبار سے ازدواجی زندگی بسر کرنے کا محتاج اور مستحق ہے۔ درحقیقت خاندان سازی کی ابتداء اس وقت ہوئی جب آدمی کا ذہن تمدنی شعور سے آشنا ہوا۔ خاندانی ادارے انسانی تہذیب کے ساتھ وجود میں آئے ہیں۔ اگر آج خاندانوں کے شیرازے منتشر ہو جائیں تو آدمی پھر جنسی انارکی اور بے قیدی کا شکار ہو جائے۔

جنسی ہیجان

"یہ تو ہوا جنسی ضابطہ اخلاق کا پس منظر! اب آیئے موجودہ جنسی ہیجان کے اسباب پر نظر ڈالیں

۔ یہ عہد وہ ہے کہ

تو ڑ ڈالیں فطرت انسان نے زنجیریں تمام

طبیعات (فزکس) نے انسان کو ایک مشین سے زیادہ حیثیت نہیں دی، حیاتیات (بیالوجی) کی رو سے آدمی ایک ترقی یافتہ جانور ہے اور نفسیاتی نقطہ نظر سے انسان لاشعور کی سحر زدہ معمول ہے اور لاشعور تمام غیر عقلی خواہشوں کا مجموعہ ہے۔ جب سائنسی علم اور تحقیق سب کے سب انسان کو اس روپ میں پیش کریں تو انصاف کیجئے کہ ہم بیسویں صدی کے انسان سے یہ کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ وہ ان ہی اخلاق قواعد اور انہیں سماجی قوانین پر عمل کرے گا جن کو انیسویں صدی میں معیار وسند سمجھا جاتا تھا۔ بیسویں صدی آزادی فکر وعمل کی صدی ہے اس بات میں شک نہیں کہ منظم مذاہب کی گرفت بہت کمزور پڑ چکی ہے اور انسانی ذہن سے عالم آخرت کی جوابدھی کا تصور قطعاً غائب ہو گیا ہے۔ عالم آخرت (یا حیات بعد الممات) کا تصور سائنسی ہو یا نہ ہو۔ یہ تصور محض ایک واہمہ ہی سہی۔ آپ اس تصور کو شاعرانہ ہی تصور کر لیجئے تاہم ایک عام انسان کے اعمال کے لئے ''بریک'' کا کام دیتا تھا۔ ایک قادر مطلق اور حاضر و ناظر خدا کی موجودگی (بندوں کے قلوب جس کے ہاتھ میں گردش کرتے رہتے ہیں) کا خوف عوام کی اصلاح کردار کے سلسلے میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ کیا از سر نو انسان میں مذہبی ذہنیت بیدار ہو جائے گی۔ میں اس سلسلہ میں کوئی پیشگوئی نہیں کر سکتا البتہ اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ موجودہ بے قیدی (اباحت) اور مطلقیت کے عہد عام اور دو عالم گیر میں ہم یہ توقع ہر گز نہیں کر سکتے کہ انیسویں صدع عیسویں یا تیرھویں صدی اسلامی کے ضوابطہ اخلاق کو رائج کیا جا سکتا ہے۔ اب میں ''جنسی ہیجان'' کی طرف توجہ کرتا ہوں جنسی جذبات انگیزی کا فوری محرک یقیناً ٹی وی، ریڈیو، فلم، اخبارات ورسائل ہیں۔ اس رجحان (جنسی جذبات کو اشتعال دینا) کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب وہی فکر ونظر کی آزادی اور خیال وخواہش کی بے قیدی ہے۔ جس کی طرف میں نے اشارہ کیا۔ کیا میں (حمید اللہ شاہ میدی کی توقع کے مطابق) اس رجحان کو بدل سکتا ہوں۔ کیا ایک فرد ناتواں طوفاں کے سامنے بندھ باندھ سکتا ہے البتہ میری ایک ذمہ داری ہے وہ یہ کہ جنسی ہیجانات (مقصد ہے ایب نارمل جنسی

ہیجانات)ورنہ بذات خود جنسی ہیجان اسی قدر قدرتی اور فطری ہے ۔جس قدر شدت اشتہا کا نفسیاتی تجزیہ کرتا رہوں۔نفسیاتی چھان بین سے بہت سے ذہنی عقدے واہو جاتے ہیں۔البتہ یہ کام (یہ مہم) دیر طلب بھی ہے اور وقت طلب بھی! حمید اللہ شاہ کی خدمت میں اتنا اور عرض کردوں کہ جنسی جذبہ ہیجان ایب نارمل یعنی غیر معمولی چیز ہے نہ خوفناک! یہ انسان کی ایک طبعی احتیاج ہے۔جس طرح پیٹ بھرنا یا حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کرنا بیشک یہ جنسی اشتعال انگیزی کا دور ہے بلاشبہ ذرائع ابلاغ (وہی فلم ریڈیو، ٹی وی اور ادب، صحافت) نے جنس کو ایک بھوت بنا کر پیش کیا ہے لیکن یہ دور عارضی ہے اور یہ دور جلد گزر جائے گا۔

ہیں پس نہ پردہ گردوں ابھی دور اور بھی

میں نے جنس کے موضوع پر اب تک دو کتابیں لکھی ہیں۔

1۔جنسیات حصہ اول

2۔جنسیات حصہ دوم

اگر حمید اللہ شاہ میدی ان کتابوں کا مطالعہ کریں تو اس سلسلے میں میرے نقطہ نظر کو بخوبی سمجھ جائیں گے۔

مجھے کچھ پتا نہیں

میں کیا ہوں؟ مجھے خود پتہ نہیں۔میری کوئی شخصیت نہیں، کسی پسندیدہ شخصیت کو دیکھ کر جی چاہتا ہے ویسی ہی بن جاؤں۔ذہن منتشر رہتا ہے کسی کام پر پوری توجہ مبذول نہیں کرسکتی۔ذہن پر گھبراہٹ طاری رہتی ہے۔کوئی کسی کام کو کہے تو دماغ میں آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرسکتی۔مدعا بیان نہیں کرسکتی۔مقصد واضح نہیں کرسکتی۔جیسے گلے میں کچھ اٹکا ہوا ہے اگر یہ رکاوٹ دور ہو جائے تو میں ہلکی پھلکی ہو جاؤں گی۔قوت فیصلہ کی کمی ہے تو ہمات پر یقین رکھتی ہوں۔پہلے بہت پڑھا کو (مطالعے کی شوقین) تھی۔اب کتابوں سے جی بیزار ہو گیا ہے۔ہر بات ،ہر چیز اور ہر لفظ پر شک سار ہتا ہے۔پہلے اسکول کی ذہین طالبہ تھی۔اب دل و دماغ کے دریچے

بند ہو گئے ہیں۔ کسی ماڈرن لڑکی کو چست لباس پہنے دیکھتی ہوں تو جی چاہتا ہے کہ میں بھی ویسی ہی بن جاؤں۔ خدارا مشورہ دیجئے کہ ان الجھنوں سے کس طرح نجات پاؤں۔

(غ۔ش۔از اسلام آباد)

اصل رکاوٹ

غ۔ش کا خط 8 صفحات پر مشتمل ہے میں نے اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ غ۔ش نے اپنی اگر چہ ایک سو ایک ذہنی الجھنیں بیان کی ہیں لیکن اصل الجھن صرف ایک ہی ہے لکھتی ہیں کہ

ایسا لگتا ہے کہ گلے میں کوئی چیز اٹک گئی ہے اگر یہ رکاوٹ دور ہو جائے تو میں ہلکی پھلکی ہو جاؤں گی۔

کیا ہے یہ رکاوٹ؟ غ۔ش کے وہ مخفی جذبات ہیں جنہیں غ۔ش نے نفس کی اندرونی تہہ میں دبا رکھا ہے اور جنہیں وہ زبان پر لاتے ہوئے ڈرتی اور شرماتی ہیں۔ صرف یہی نہیں۔ غ۔ش کو خود بھی ان جذبات کی گہرائی، چوڑائی اور وسعت کا علم نہیں۔ بہت سی خواہشیں ایسی ہیں جنہیں ہم معاشرے کے خوف سے زبان پر بھی نہیں لا سکتے۔ غ۔ش کی تمام تر جذباتی کشمکش کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے ''اندرون'' (کھڑی بولی میں بھیتر) کے اسرار سے ڈرتی ہے۔ اس کا علاج مشق تنفس نور اور خود نویسی ہے۔

بڑی چھلانگ

میں نے میٹرک کا امتحان 1965ء میں دیا تھا۔ اور گھر بیٹھ کر امتحان کے نتیجہ کا انتظار کر رہا تھا۔ ان دنوں لڑکیوں کی بدکرداری کے عجیب وغریب واقعات کان میں پڑتے رہتے تھے۔ میں سوچتا تھا کہ اگر بدقماش ہونے کی رفتار یہی رہی تو۔۔۔؟ آگے چل کر مجھے ایک ہمسفر کی ضرورت پڑے گی جو بھی ہمسفر ہوئی۔ اس کی پہلی شرط یہ ہوگی کہ وہ عصمت مآب ہو مگر کہاں سے آئے گی ایسی (عفت مآب) لڑکی؟ کہاں ملے گی ایسی باعصمت ہمسفر یہ خیال ذہن میں آیا۔ سمایا اور گزر گیا

۔سوچا ابھی سے کسی لڑکی کو چن لوں اور اس کی حفاظت کرتا رہوں (کہ وہ کرپٹ نہ ہونے پائے) پھر انجینئر بننے کے بعد تم اس سے شادی کر سکتے ہو۔ جناب والا یہ تھی میرے بہت چھوٹے ذہن کی بہت بڑی چھلانگ' مجھے لڑکی کی تلاش کرنی نہیں پڑی' اس نے خود مجھے تلاش کر لیا میں نے اسے لکھا کہ (اے لڑکی) تمہارے سامنے دو راستے ہیں ایک راستہ میری طرف آتا ہے دوسرا دنیا کی طرف جاتا ہے۔ان میں سے ایک راستے کا انتخاب کر لو' مجھے چن لو یا دنیا کو چن لو' اس نے جواب دیا کہ میں نے تمہیں چن لیا ہے۔اس نے میرے راستے کا انتخاب کر لیا ہے۔اور باقاعدہ عشق فرمانے لگیں۔ہائے۔

چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیے
وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

جناب والا! میرے ذہن میں کوئی ایسی بات نہ تھی میں نے اسے سمجھانا چاہا (کہ وہ اس راستے سے باز آ جائے) مگر صد حیف کہ میں اسے باز نہ رکھ سکا۔اب وہ اس راستے پر سرپٹ دوڑی چلی جارہی ہے۔وہ ہمارے اپنے خاندان کی لڑکی تھی۔اور اس کے والدین میری شرافت و قابلیت کے معترف تھے لہٰذا کوئی وجہ نہ تھی کہ مجھے اپنے عزائم میں ناکامی ہو۔

میٹرک کا امتحان میں نے درجہ اول (فرسٹ ڈویژن) میں پاس کیا۔اور وطن سیدور ایک کالج میں ایف ایس سی میں داخلہ لے لیا۔میں نے اپنے بھائیوں کو بتایا کہ انجینئر بننا میرا مقصد تعلیم ہے اور ''ع'' سے شادی منزل حیات! یہ سنتے ہی بھائیوں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔انہوں نے کہا ''تم نے ہماری تمناؤں کا خون کر دیا ہے'' وہ سمجھے کہ میں نوجوانی کی ترنگ اور عاشقی کی اُمنگ میں یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں۔ادھر یہ صورتحال ہے۔ادھر وطن سے ایک دوست نے یہ اطلاعات بھیجنی شروع کیں کہ تمہاری محبت کا راز طشت از بام ہو چکا ہے تم بدنام ہو چکے ہو' دوسرے خط کا مضمون ''ایٹمی دھماکہ'' ثابت ہوا تحریر تھا۔

''ع نے اپنا جوہر عصمت سستے داموں لٹا دیا ہے''

میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ میرا آئیڈیل ''ع'' اتنا عام' پست اور ارزاں ہوگا۔میرا آئیڈیل تباہ

ہوگیا۔ میں تباہ ہوگیا۔ میرے خوابوں کے پرزے اُڑ گئے میں خود ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گیا۔ اس تباہی کے نتائج بے حد المناک ہوئے معمولی بات یہ ہے کہ ''ہر درجے میں اول آنے والا طالب علم ایف ایس سی میں فیل ہوگیا۔ تعجب ہے کہ میں نے خودکشی کیوں نہ کرلی۔ زندگی نے مجھ سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا تھا۔ تاہم میں زندہ تھا آخر میں نے اس چیلنج کو قبول کرلیا۔ اور ایف ایس سی میں دوبارہ سکنڈ ڈویژن میں کامیابی حاصل کر کے کسی حد تک اپنی محرومی کی تلافی کرلی اور پھر اگلے درجہ بی ایس سی میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوا۔

دسمبر 1970ء میں ''ع'' ایکبار پھر میرے راستے میں آ کھڑی ہوئی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ ''ع'' اب تک میری روح پر قابض ہے اور یہ کہ مجھے اس کے جسم سے نہیں ''روح'' سے محبت ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ میری ذہنی حالت بہت مخدوش ہوچکی ہے۔ مطالعہ کے دوران دماغ کہیں اور ہوتا ہے دل کہیں اور عجیب قسم کا کنفیوژن پیدا گیا ہے پھر اے آر اے (کاتب خط) نے اس مرض خودلذتی کا ذکر کیا ہے۔ جس پر ہزار مرتبہ بحث کی جاچکی ہے۔

ع ہو یا غ

ہر نوجوان بجائے خود یہ سمجھتا ہے کہ وہ جن مسئلوں سے، جن الجھنوں اور جن کشمکشوں سے دو چار ہے وہ جس جال میں پھنس گیا ہے۔ زندگی نے جو چیلنج اسے دیا ہے۔ وہ بے مثال ہے اور کسی دوسرے کو اس کا تجربہ نہیں ہوا۔ اور یہ انسانی فطرت بھی ہے۔ انسان سخت ''انفرادیت پسند'' ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس پر جو غم پڑے ہیں وہ جن دکھوں میں مبتلا ہے۔ وہ صرف اسی سے مخصوص ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط فہمی ہے۔ ایم آر اے کو عام طور پر وہی حوادث پیش آئے۔ جو اوروں کو پیش آرہے ہیں۔ وہ ''ع'' ہو یا ''غ'' کون سا نوجوان ایسا ہے جو کسی ''ع'' یا ''غ'' کے گیسوئے پرخم کا اسیر نہ رہا ہو یا نہیں ہے۔ یہ زخم ایسا ہے جس کی کسک ہر سینے میں محسوس ہوتی ہے اور یہ داغ ایسا ہے جس کی سوزش پنہاں سے ہر جگر جل کر بھسم ہوجاتا ہے۔ ایم آر اے میری کتابوں کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ شاید ہی کوئی تصنیف ایسی ہو جس میں اس

مضمون یا ان مضامین کو زیر بحث نہ لایا گیا ہو۔

بیزاری

درخشاں سوسائٹی سے آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔

ساحل کے انتظار میں چکر اگیا ہوں
مجھ کو میری وفا کے بھنور سے نکالئے

جی تو نہیں چاہتا کہ لکھوں مگر بعض اوقات آپ کی کوئی نہ کوئی تحریر حافظے کے پردے سے نکل کر ذہن پر جلوہ افشانیاں کرتی ہے۔شام آئی کسی کو سکون قلب بخشا کسی کو بے قرار کر دیا کسی کا انتظار لوٹا کسی کا انتظار شروع ہوا۔کوئی ڈوبتے سورج کی سنہری کرنوں کو اداس دیکھ کر رو پڑا۔اور کوئی ماضی کے ویران کھنڈروں کو کچھ کھوجنے لگا۔میری کیفیت نہ پوچھئے اس زمانے میں طبیعت کی خود رفتگی اور محویت کے بعض نا قابل فراموش احوال پیش آئے۔جن کا اثر آج تک طبیعت پر باقی ہے۔راتیں ایسی حالت میں بسر ہوتی ہیں۔جسے نہ اضطراب سے تعبیر کر سکتے ہیں نہ سکون سے! آپ کے نام کئی سال ہوئے ایک خط لکھا تھا لیکن وہ کسی کے ہتھے چڑھ گیا آپ کا سہارا اتنا مضبوط محسوس ہوتا ہے کہ مستقل اسی سہارے پر بسر کرنے کو جی چاہتا ہے۔

مختصراً عرض یہ ہے

اس شاعرانہ تمہید کے بعد درخشاں سوسائٹی ملیر (کراچی) کے یہ شاعر مزاج شدید الاحساس دوست لکھتے ہیں کہ

مختصراً عرض یہ ہے کہ میری عمر اٹھائیس سال کی ہے دو سال کی عمر تھی کہ والد صاحب ہندو مسلم فسادات میں ماخوذ ہو کر نذر زنداں ہوئے۔اور وہیں رحلت فرما گئے بڑے بھائی 1949ء میں پاکستان آ گئے اور دو سال بعد 51ء میں ہم سب ہجرت کر کے یہاں چلے آئے 1970ء تک ہم لوگوں نے بڑی تنگی ترشی کی زندگی بسر کی ایک کمانے والا سات کھانے والے کل آمدنی ایک سو

پچاس روپے ماہانہ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح زندگی بسر ہوتی ہوگی۔ چھٹی جماعت تک میں پڑھائی لکھائی میں کافی ذہن تھا۔اس کے بعد طبیعت بجھ گئی۔ مجھے یاد ہے کہ چودہ سال کی عمر تک میں بستر پر (سوتے میں) پیشاب کر دیا کرتا تھا۔نویں جماعت میں پہنچا تو اپنے جسم سے کھیل کر لذت حاصل کرنے کی لت پڑ گئی۔مگر یہ خودلذتی ایک ایسا لمس تھا۔جس میں کوئی بدن شامل نہ تھا۔

تھی ہم آغوشی مگر کچھ بھی مجھے حاصل نہ تھا
وہ اک ایسا لمس تھا جس میں بدن شامل نہ تھا

1970ء کے بعد حالات بدلے اور ہم نے اپنی بہت سی دشواریوں پر قابو پالیا۔انہی دنوں بڑے بھائی کی شادی ہوئی اور گھریلو جھگڑے شروع ہوگئے۔اسی زمانے میں میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔یہ خط پکڑا گیا۔لعنت ملامت کی گئی اور اس واقعے کے بعد میرے اندر بغاوت کا مادہ پیدا ہوا۔اور بڑے لڑائی جھگڑے کے بعد میں گھر سے بھاگ نکلا اب میری کیفیت یہ ہے کہ 1۔ہر وقت دل بجھا بجھا سا رہتا ہے بھوک بالکل نہیں لگتی۔کھانا کھاتا ہوں تو سینے میں جلن ہونے لگتی ہے اور کھٹی ڈکاریں آتی ہیں 2۔مسلسل قبض کی شکایت رہتی ہے۔ پیشاب میں قطرہ نکلتا ہے ۔3۔صنف نازک سے مقابلہ ہوتا ہے۔تو جسم میں حرارت دوڑ جاتی ہے 4۔عریاں اور جذبات انگیز مضامین پڑھ کر لیس دار مادہ نکلنے لگتا ہے 5۔کسی محفل میں جاتا ہوں تو مضحکہ بن جاتا ہوں 6۔تمام لوگ بری طرح میرا مذاق اُڑاتے ہیں 7۔ہم خیال دوست میسر نہیں آتے 8۔مدت تک ایک ہی جیسے خواب دیکھتا رہا ہوں مثلاً یہ خواب کہ کوئی مجھے چھرا مارنے آرہا ہے۔سچ مچ ایسا ہوا۔ میں تو بال بال بچ گیا البتہ چچا چچی بری طرح زخمی ہوگئے 9۔ہمیشہ پیار سے محروم رہا ہوں 10۔میری کسی بات، کسی عمل اور کسی اقدام کو کبھی نہیں سراہا گیا۔طبیعت میں مستقل مزاجی نام کو نہیں 11۔نماز میں قطعاً جی نہیں لگتا 12۔جی بہلانے کے لئے جوئے کی لت پڑ گئی ہے۔یہ ہے رئیس صاحب! میری دردانگیز آپ بیتی! رئیس صاحب میں چاہتا ہوں کہ اس بے رحم، سنگدل، اور شقی القلب دنیا سے کہیں بھاگ جاؤں۔آپ مشورہ دیجئے کیا کروں؟

مجبوریوں کے زہر سے کرلیں گے خودکشی
یہ بزدلی کا جرم گوارا کریں گے ہم

صرف ایک چاول

دیگ کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے صرف ایک چاول کا چکھ لینا کافی ہے میں درخشاں سوسائٹی ملیر کے اس الجھے ہوئے نوجوان کے خط (بقول خودغم نامے) کا اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے اس نوجوان کی ابتدائی زندگی 51ء سے 70ء تک سخت پریشان حالی میں گزری۔سات کھانے والے اور ایک کمانے والا (وہ بھی ڈیڑھ سو روپے ماہانہ) چودہ سال کی عمر تک سوتے میں پیشاب کرنے کی عادت' محرومی کے احساس اور توجہ طلبی کے اندرونی تقاضے کی واضح علامت ہے۔جو بچے والدین یا بزرگان خاندان کے التفات محبت توجہ اور شفقت سے محروم رہتے ہیں۔وہ بعض ایب نارمل یا غیر معمولی عادات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔مثلاً یہی سوتے میں بستر پر پیشاب کرنے کی عادت ہے۔اس طرح وہ گھر والوں کی توجہ اپنی طرف جذب کرنا چاہتے ہیں اس طرح وہ اپنے وجود کا اعلان کرتے ہیں۔یعنی میں بھی کچھ کرسکتا ہوں۔سوتے ہی میں سہی۔درحقیقت اس نوجوان کی تمام جذباتی الجھنوں اور اندرونی کشمکش کی ابتدا جو آج تک جاری ہے یہیں سے ہوتی ہے۔وہ بچپن سے اب تک لاشعوری طور پر محسوس کرتے رہے ہیں کہ میں خاندان کے ہاتھ میں ''چھٹی انگلی'' کی حیثیت رکھتا ہوں۔یعنی عضو فاضل ہوں۔فالتو سی چیز ہوں۔لہٰذا جب ایسا ہے و دنیا اور اہل دنیا پر پیشاب' انہوں نے بقول خود تیرہ چودہ بیماریوں کا ذکر کیا ہے۔یہ سب ان کی غلط فہمی ہے۔تمام محرومیوں' بیزاریوں' مایوسیوں' ناکامیوں' پریشانیوں اور الجھنوں کی جڑ صرف ایک ہے۔وہ ہے ان کا غیر حقیقت پسندانہ یا جذباتی نقطہ نظر زندگی کے بارے میں' درخشاں سوسائٹی کے اس نوجوان نے خط کی ابتدا ہی شعر سے کی ہے تو جس خط کی ابتدا شعر اور شعر بھی یہ کہ

ساحل کے انتظار میں چکرا گیا ہوں میں
مجھ کو میری وفا کے بھنور سے نکالئے

ظاہر ہے کہ وہ نوجوان جذباتی اعتبار سے کس قدر اشتعال پذیر ہوگا؟ اے عزیز تم نے اپنے کو دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم ومحروم بلکہ مرحوم سمجھ لیا ہے تو یہ تمہارا بچپن ہے جسمانی طور سے تم اٹھائیس سال کے سہی لیکن ذہنی لحاظ سے تمہاری عمر 8 سال سے زیادہ نہیں۔ تمہارا آئیڈیل ضرور بڑھا ہے لیکن ذہن میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ تم یہ محسوس کرتے ہو کہ لوگ میرا مذاق اُڑاتے ہیں 2۔ تم صنف نازک سے مقابلہ کرنے سے ہچکچاتے ہو 3۔ تم معاشرہ سے ڈرتے ہو 4۔ تم لوگوں سے گھبراتے ہو 5۔ تم اپنے سینے میں بے پناہ اخلاص ووفا کا جذبہ لئے پھرتے ہو اور پھر شکوہ کرتے ہو کہ جنس وفا اور متاع اخلاص کی قدر نہیں تو اے برادر تم اپنی ترازو میں (جو تمہارے ذہن نے بنالی ہے) دنیا کو تولنا چاہتے ہو۔ یہ ممکن نہیں تم نے اپنے خیال میں جو نفسیاتی امراض کی تفصیل لکھی ہے ان میں کوئی ذہنی کیفیت مرض کی تعریف میں نہیں آتی۔ یہ معمولی اور عام کیفیات ہیں جن سے کم وبیش ہر انسان دوچار ہوتا ہے۔ ذہنی طور پر صحت مند آدمی وہ ہے جو ان کمزوریوں سے بلند اور ان خام کاریوں سے بالا ہو۔ دنیا کا کوئی باشعور آدمی ایسا نہیں (پاگلوں کی بات اور ہے) جو ان ذہنی الجھنوں میں کبھی نہ کبھی مبتلا نہ ہوا ہو۔ البتہ ایک پاگل ایک مجذوب اور ایک ڈھیٹ شخص ضرور کسی جذباتی کشمکش سے دوچار نہیں ہوتا۔ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے نفس میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ کسی جذب کی گہرائی، قوت اور تاثیر کو محسوس کرسکے کیا کوئی مشین یا کمپیوٹر کسی کا دکھ درد محسوس کرسکتا ہے۔ تو اے برادر عزیز! تم خود اپنے کردار کی خامیوں کا جائزہ لو تم میں خامی صرف ایک ہے یہ کہ تم رائی کو پربت اور پھانس کو بانس بنانے میں استادانہ مہارت رکھتے ہو۔ تم نے اپنی جو کیفیت لکھی ہے ننانوے فیصد افراد اسی کیفیت سے گزرتے اور اس زہر غم کی لذت کر چکھتے رہتے ہیں۔ تمہارے ساتھ کوئی عجوبہ پیش نہیں آیا۔ یہ ایک عام چیز ہے لیکن آہ! یہی عام چیز تمہارے لئے زندگی اور موت کا سوال بن گئی ہے۔ میں تمہیں یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ تم سیلف کلچر ٹریننگ کورس S.C.T کی مشقوں پر عمل شروع کردو۔ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ ان مشقوں کو شروع کرتے ہی ذہنی طور پر تمہاری کایا پلٹ جائے گی۔ تم ایک نئے انسان بن جاؤ گے۔ تمہاری عمر اٹھائیس سال کی ہے۔ نفسیاتی امراض کی جڑ ہمیشہ بچپن کی تکلیف دہ احساسات اور تجربات میں پوشیدہ ہوتی ہے

تمہیں چار پانچ یا تین چار سال کی عمر ہی میں یہ احساس ہونا شروع ہو گیا ہو گا کہ میں ایک محروم توجہ بچہ ہوں اور گھر بھر میں کوئی شخص مجھے نہیں سراہتا۔ احساسات کی یہ کڑوی کسیلی اور زہرناک بیل پروان چڑھتی چلی گئی۔ تاآنکہ اس نے عشق پیچاں کی طرح تمہارے تمام نفس کا احاطہ کرلیا۔ اب رہیں تمہاری جسمانی شکایتیں یعنی قبض اور معدے کی شکایتیں تو اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھو کہ ذہن بڑی شدت سے معدے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ معدے کا کوئی مرض (خرابی) ایسا نہیں جس کی جڑ دماغ میں پیوست نہ ہو۔ فی الحال تم کسی حکیم یو ڈاکٹر کے مشورے سے امراض معدہ کا علاج کرو اور ذہنی صحت مندی کے لئے میری تجویز کردہ مشقیں کرو۔ رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ بتدریج تم صحت مند ہوتے چلے جاؤ گے اور ہاں تم نے اپیل کی ہے کہ

مجھ کو میری وفا کے بھنور سے نکالئے

تو پیارے! یہ ممکن نہیں' زندگی کیا ہے جذبات' احساسات' تاثرات' تصورات' توہمات اور نہ جانے کس کس ''آت'' بلکہ واہیات وخرافات کا بھنور۔۔۔ بھنور۔ بھنور

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

آداب عرض

میرے روحانی باپ! آداب عرض! عزت مآب آپ کی روحانی بیٹی ''شہناز'' دوسری مرتبہ حاضر خدمت ہو رہی ہے اُمید ہے کہ اس مرتبہ آپ کا جواب حوصلہ شکن نہ ہو گا میں نے اس سے قبل آپ کو براہ راست جوابی لفافہ بھیجا تھا۔ پتہ ہے کیا جواب ملا؟ سنیئے

''محترمہ آپ کیا چاہتی ہیں۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں''

اُف اسقدر طویل خط کے جواب میں ایک پر تکلف جملہ اور تخاطب بیٹی کے بجائے محترمہ کے القاب سے بھلا مجھ جیسی وسیع الذہن لڑکی کے لئے یہ جواب کیا دلچسپی رکھتا ہے۔ میں نے دل برداشتہ ہو کر آپ کو دوبارہ خط لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ مگر محترم! آج پھر تنگ آ کر آپ کے پاس چلی آئی ہوں میں نے تو لکھنے کو (القاب) آپ کو باپ لکھ دیا اور وہ بھی آپ کی بزرگی

کے لحاظ سے! مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ ایک دوست' ایک غمگسار اور ایک مخلص انسان کی طرح میرا مسئلہ حل کریں۔

مسئلہ کیا ہے

مسئلہ بیان کرنے سے قبل تعارف کیوں نہ کرادوں میں ایک خاصے خوشحال اور معزز گھرانے کی لڑکی ہوں۔ والدین خود ان پڑھ ہیں مگر انہوں نے ہمیں تھوڑی بہت تعلیم دلوائی ہے میں نے 1974ء میں ایف اے پاس کیا۔ میں والدین کی پانچویں بیٹی ہوں مجھ سے چھوٹا ایک بھائی بھی ہے۔ جناب مجھے ادب وادبیات سے لگاؤ ہے۔ افسانے اور ڈرامے لکھے بھی ہیں مصوری سے بھی دلچسپی ہے۔ شاعری سے بھی مناسبت ہے ڈراموں میں اداکاری کر چکی ہوں۔ گھر میں سب سے مختلف لڑکی ہوں۔ عادت کے لحاظ سے بھی اور طبیعت کے لحاظ سے بھی شکل وصورت کے لحاظ سے بھی' دوسرے کہتے ہیں خاصی خوبصورت ہوں۔ مجھے اندازہ نہیں' گھر والے ان چیزوں کیخلاف ہیں۔ ایف اے کے بعد آگے پڑھنا چاہا تو گھر والوں نے کہا بس تعلیم موقوف کرو۔ گھر بیٹھو بلکہ گھر بساؤ (یعنی شادی کرلو) سنا آپ نے؟ اب میں گھر بسانے کے قابل ہوگئی ہوں؟ ان کے (گھر والوں کے) نزدیک زندگی کا مقصد کھانا' پینا ہے' بچے پیدا کرنا ہے مرجانا ہے۔ محترم مجھے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہے۔ ٹیچر (استانی) نے ہمت بندھائی کہ تعلیم جاری رکھو مجھے بھی جوش آیا مگر پھر ولولے سرد پڑ گئے عجیب بات ہے کہ جب میں افسردہ اور غمگین ہوتی ہوں تو میرے اندر یکایک پر جوش تخلیق روح بیدار ہوجاتی ہے میں نے جو کچھ لکھا ہے اسی حالت میں لکھا ہے جب بھی افسردگی کا دورہ پڑتا ہے لکھنے لگتی ہوں اور جب یہ کیفیت فرو ہوجاتی ہے تو ذہن میں سناٹا چھا جاتا ہے مستقل مزاجی نام کو نہیں خود اعتمادی کا نشان نہیں سخت احساس کمتری میں مبتلا ہوں بعض اوقات کسی سے ٹھیک طرح بات تک نہیں کرسکتی۔ دماغ ہر وقت گردش میں رہتا ہے جو کچھ سینے میں ہوتا ہے اسے زبان تک نہیں لاسکتی۔ حساسیت کی شدت نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

دل کو احساس کی شدت نے کہیں کا نہ رکھا

خود محبت کو محبت نے کہیں کا نہ رکھا

دوسروں کے غم میں گھلتی رہتی ہوں۔ ذرا سی آہٹ سے ڈر جاتی ہوں

یہ عالم انتظار شوق میں ہے متصل میرا

ہوا کی سرسراہٹ سے دھڑک اُٹھتا ہے دل میرا

ہر لمحے کسی بڑے حادثہ کا انتظار رہتا ہے

دل کئی روز سے دھڑکتا ہے

ہے کسی حادثہ کی تیاری

پرانی چیزوں سے بہت جلد اکتا جاتی ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ افراد سے! خواہ کوئی کتنا ہی قریبی دوست کیوں نہ ہو کچھ دن کے بعد وہ برا لگنے لگتا ہے۔ اصول و روایت کی پابندی سے نفرت ہے پردے سے نفرت ہے ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی ہوں۔ ہر لمحہ کوئی نہ کوئی جستجو رہتی ہے۔ یہ ہے جناب والا! میرا مختصر سا مسئلہ

(شہزاد لاہور)

بوریت' بیزاری

یقیناً شہز! تمہیں اپنے طویل خط کے انتظار میں میرے ان چند جملوں سے کہ محترمہ آپ کیا چاہتی ہیں۔ فرمایئے۔ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ تکلیف پہنچی ہوگی اب جو میں نے تمہارا دوسرا خط (مورخہ 28 اپریل 1975ء پڑھا تو مجھے خود ندامت ہوئی۔ بی بی بات یہ ہے کہ مجے ہر ہفتہ سیکڑوں خط پڑھنے اور ان کے جواب لکھنے پڑتے ہیں بعض دفعہ تو اتنا بور ہو جاتا ہوں کہ (خیر اپنی بوریت کی داستان سنا کر تمہیں کیوں بور کروں) شہز! ہرانسان خواہ وہ انسان برتر ہو یا انسان کمتر! کسی نہ کسی لمحہ پر بور ضرور ہوتا ہے (بوریت (بیزاری) انسانی فطرت میں داخل ہے۔ اگر آدمی لگے بندھے مشغلوں سے کبھی بور نہ ہوتو وہ ''تخلیق نو'' پر قادر نہیں ہوسکتا۔ آدمی نئی چیز تو بناتا ہی اس لئے ہے کہ وہ پرانی چیز سے اکتا جاتا ہے تم نے اپنی تخلیق صلاحیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

ادب، شعر، ڈرامہ، اداکاری، غرض تمام فنون لطیفہ سے دلچسپی ہے اور پھر یہ کہ تم اصول وروایات سے نفرت کرتی ہو۔ قید و بند سے نفرت کرتی ہو۔ پردے سے نفرت کرتی ہو۔ ٹھیک ہے تمہاری تخلیق صلاحیت کا تقاضا ہی یہ ہے قدرتی آبشار جب جوش کھا کر شگاف سنگ سے ابلتا ہے تمہاری رکاوٹوں کو پھلانگتا چلا جاتا ہے۔ تم ایک قدرتی آبشار کی طرح شاہراہ حیات پر روح رواں دواں رہو۔ اچھا بی بی! ایک طرف تو یہ عالم ہے تمہاری طبیعت کا اور دوسری طرف تمہارے گھر والے لکیر کے فقیر واقع ہوئے ہیں۔ تم نے ایف اے کر لیا۔ اب وہ آگے پڑھانا نہیں چاہتے کہتے ہیں کہ گھر میں بیٹھو اور گھر بساؤ (یعنی شادی کے درپے ہیں) شہز! میں ان تمام مرحلوں سے گزر چکا ہوں تم تو لڑکی ہو میں جب لڑکا تھا تو میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ میری امنگوں دلوں اور آرزوں کو بھی اسی طرح کچل ڈالا گیا تھا۔ آج کا معاشرہ تو خیر کسی قدر روشن خیال اور آزاد بھی ہے گو معاشرے سے آزاد خیالی اور روشن طبعی کی توقع رکھنا فضول ہے کیونکہ انسانی معاشرہ وجود میں ہی قید و بند کے سبب آتا ہے۔ روایات، قوانین اور رسم ورواج کی پابندی پر زور نہ دیا جائے تو وہ معاشرہ ایک لمحہ قائم نہیں رہ سکتا۔ آج سے پچاس سال قبل کے معاشرہ کا تصور کرو سوچو کہ 1925ء میں ہم جیسے نوجوانوں پر کیا کیا قیامتیں سماج کے ہاتھوں نہ گزر جاتی ہوں گی۔ میں نے بھی تمہاری طرح قید وبند کی زندگی بسر کی ہے۔ میں نے بھی جان بوجھ کر روایات کو توڑا اور قوانین کا مضحکہ اڑایا ہے۔ تم جس ذہنی بغاوت سے دوچار ہو۔ میں اس کی نوعیت سے بے خبر نہیں ہاں ایک فرق ہے تم اپنے والدین کی پانچویں بیٹی ہو اور میں اپنے ماں باپ کا بڑا لڑکا تھا۔ لڑکے 1925ء میں بھی معاشرے سے بغاوت کر سکتے تھے۔ آج بھی کرتے اور کر سکتے ہیں۔ اور شدت سے کر سکتے ہیں۔ لڑکی نصف صدی قبل بھی مجبور تھی آج بھی مجبور ہے۔ نہیں شہز! میں تمہیں بغاوت کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ سماج آج تک اتنا ہی ظالم ہے جتنا سقراط، منصور اور سرمد کے عہد میں تھا۔

دیوزادوں کی یہ دنیا ہے اور اس دنیا میں
تم بہت نازک وخود دار نظر آتی ہو

تم جتنی حساس ہو۔ اتنی ہی ذہین بھی ہو۔ ذہانت کا سب سے بڑا جوہر ہے اپنے آپ کو ماحول

کے مطابق بنالینا، خارجی تقاضوں کے سانچے میں ڈھال لینا۔ حقیقت پسندی اور معقولیت کوشی کا تقاضا یہ ہے کہ تم گھر والوں سے کھلم کھلا ٹکراؤ کا خطرہ مول لئے بغیر اپنی تخلیقی سرگرمیاں جاری رکھو' تم شعر کہہ سکتی ہو ادب سے ذوق رکھتی ہو۔

اداکاری کر سکتی ہو گھر والے یقیناً تمہیں ان مشاغل سے روکیں گے مگر تم ہر حال میں شاعری کر سکتی ہو جہاں تک شادی کا تعلق ہے! تو شہزر! اس مرحلہ سے تو انجام کار گزرنا ہی پڑے گا۔ آج نہیں تو کل تم مجھ سے ایک مرتبہ پھر براہ راست خط وکتابت شروع کرو میں خودنویسی اور تنفس نور کی مشقیں تمہارے لئے تجویز کروں گا۔

(ایک اور لڑکی کے نام)

منہ بولے چچا جان

تم نے اپنے منہ بولے چچا جان کا ذکر کیا ہے جو ازراہ شفقت تمہیں ٹیوشن پڑھاتے ہیں۔ ان کی کوشش اور خواہش یہ ہے کہ جب تک تمہاری جھجک ختم نہ ہوگی اور تم کھل کر مجھ سے گفتگو نہ ہوگی۔ وہ فاصلے ختم نہیں ہو سکتے جو چچا بھیجی یا استاد شاگرد کے درمیان حائل ہیں۔ آج کل وہ آپ کی کتاب ''نفسیات و مابعد النفسیات'' مجھے پڑھا رہے ہیں۔ نفسیات کی بحثوں میں منہ بولے چچا جان ''جنسی معاملات'' پر بہت زور دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے نے ہمارے ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا پیالہ دے رکھا ہے اور اصرار یہ ہے کہ ایک بوند نہ گرنے پائے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری عمر اسی کشمکش میں گزر جاتی ہے۔ نہ ہاتھ پیالے سے آزاد ہوتا ہے نہ پیاس بجھتی ہے جنسی خواہشات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ زندگی کی طبعی ضروریات ہیں۔ میری عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہے۔ آپ مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں؟

یہ خط بہادر آباد کراچی کی ایک نوجوان طالبہ کا ہے۔ وہ حیران ہے کہ منہ بولے چچا کے ساتھ کیا سلوک کرے؟

تو بی بی سنو! تمہیں منہ بولے چچا جان سے تمام تعلقات ختم کر دینے چاہئیں۔

بوس و کنار کے لئے سارا فریب ہے
اظہار پاکبازی ذوق نظر غلط

نفسیات کی تعلیم دینا اور اس ضمن میں ''جنسیات'' پر اس قدر زور دینا خالی از علت نہیں تم کمسن ہو، شرمیلی ہو اور اپنے خول میں سمٹی ہوئی ہو۔ ہر گز منہ بولے چچا جان کی کسی ترغیب و تحریص سے متاثر نہ ہونا۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی رہے تیری بے داغ

اُمید ہے کہ تم آج ہی سے ان ہدایات پر عمل شروع کر دوگی!

متفرقات

م۔ر (رحیم یار خان) عام اور تمام نفسیاتی مریضوں کی طرح دنیا سے کٹ کر اپنے خول میں بند ہو گئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ میرا ذہن لاشعوری عوامل کے سبب غیر فطری بن گیا ہے۔ جس مریض کو دیکھتا یہ تصور کرتا کہ اس کے مرض کی تمام علامت میرے اندر موجود ہیں اور میں اسی طرح مریض ہوں اور پھر میں واقعی جذباتی اور جسمانی مریض بن گیا۔ میں نے اپنے تصور میں خود کو بڑا آدمی سمجھ لیا۔ بے علم ہوں مگر خود کو فلسفی سمجھنے لگا۔ آپ بتائیے میں کیا کروں؟

(از رحیم یار خان)

م۔و! آپ کو باہر کی دنیا راس نہ آئی تو آپ اپنے اندر کی دنیا میں روپوش ہو گئے۔ اس قسم کا تخیل پسند تصور ہی تصور میں سب کچھ بن جاتا ہے۔ اس قسم کے الجھے ہوئے ذہنی امراض کا علاج چند چٹکلوں اور مشوروں سے ممکن نہیں۔ آپ کو مستقل طور پر میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میرا طرز علاج کیا ہے؟ وہی تعمیر و تنظیم شخصیت کا کورس!

ص۔ت مرض محبت میں مبتلا ہیں۔ محبوبہ کے حصول کے لئے پانچ سو روپے خرچ کئے لیکن گوہر مراد ہاتھ نہ آیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ

جو مجھے میری محبوبہ سے ملادے میں اس کو منہ مانگا انعام دوں گا

ص۔ت کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ

جب تک ص۔ت کی پوری داستان میرے علم میں نہ ہو میں اس سلسلہ میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔ص۔ت لکھیں کہ ان کی راہ محبت میں سب سے بڑا روڑا کون شخص یا کس قسم کے حادثے ہیں؟

داستان مصیبت

سمجھ میں نہیں آرہا اپنی داستان محبت یا داستان مصیبت کہاں سے شروع کروں؟ آٹھ نو مہینے ہوئے آپ کو خط لکھا جس میں اعتراف کیا تھا کہ میں ایک شادی شدہ شخص کو دیوانگی کی حد تک چاہتی ہوں وہ میرا رشتہ دار ہے اور اس کی بیوی بھی میری عزیز ہے۔ ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں۔یہ میرا رشتہ دار۔۔میرا محبوب عجیب کردار کا مالک ہے شراب سے شغل کرتا ہے مالی حالت اوسط درجہ کی ہے۔آپ نے سوال کیا تھا کہ جب حالات یہ ہیں (کہ وہ شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہے) تو میں اپنے محبوب سے کیا توقعات رکھ سکتی ہوں؟ کیا اُمیدیں قائم کرسکتی ہوں۔یہ سوال بے حد اہم ہے میرا جواب یہ ہے کہ میں اس کمبخت کو اتنا چاہتی ہوں کہ

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ پے میں جاری

چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

صاف بات یہ ہے کہ میں اس سے دستبردار نہیں ہوسکتی

یا جاں رسد بجاناں یاجاں زتن برآید

(یا محبوب مل جائے یا موت آجائے) جی نہیں، اسے بھول جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب رہا اس کا ظرف تو!

یہ طلب تو اپنی طرف سے ہے پہ ادھر سے دیکھئے کیا ملے وہ کہتا ہے کہ میں تمہارے لئے ہر چیز چھوڑنے کو تیار ہوں۔اب سے چند پیشتر غالباً جنوری میں ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ چوری چھپے

نکاح کر لیں۔ یہ فیصلہ تو اتفاق رائے سے ہوا تھا مگر اصرار میری طرف سے تھا۔ اور اس کی طرف سے اقرار! بہت کچھ سوچ بچار کے بعد اس نے کہا کہ اگر ہم نے چوری چھپے نکاح بھی کر لیا تو یہ بات چھپی نہ رہے گی میں موقع کی تلاش میں ہوں جب بھی حالات سازگار ہوئے بیوی سے قطع تعلق کرلوں گا اور ہم باہر چلے جائیں گے۔ اس کی یہ وضاحت سن کر میں زبردست شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگئی کیا وہ مجھے ٹالنا چاہتا ہے میں نے بہ منت کہا کہ وہ صاف صاف اپنے دل کی بات بتا دے۔ اگر تم مجھے اپنی زندگی کا شریک اور زندگی میں شریک نہیں کرنا چاہتے تو ٹھیک ہے میں اصرار نہ کروں گی۔ خیر

فرقت نصیب میں ہے تو فرقت نصیب ہوں

لیکن اُس ظالم نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی اور عہد کیا کہ وہ مجھ سے شادی کرے گا اور ضرور کرے گا۔ چنانچہ بعد کو اس نے یقین دلایا کہ وہ نکاح کی کوشش کر رہا ہے لیکن کیا سچ مچ اس نے کوشش کی ہے، مجھے نہیں معلوم۔

ہم سادہ دل ہیں وعدہ فردا پہ شاد ہیں

بہرحال جنوری میں نکاح کی بات ٹل گئی۔ اب اس کے چھوٹے بھائی کی شادی ہونے والی ہے یہ شادی بھی بڑی مشکل سے طے ہوئی ہے۔ اسے بھی آپ ''نکاح محبت'' (لومیرج) کہہ سکتے ہیں لڑکی کا باپ اس رشتہ پر مشکل سے راضی ہوا ہے البتہ لڑکے نے طے کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے وہ یہ رشتہ کر کے رہے گا۔ اب میرے محبوب کا عذر یہ ہے کہ تم نے دیکھا میرے چھوٹے بھائی نے شادی کو کتنا ہنگامہ خیز بنا دیا ہے۔ ان حالات میں مناسب نہیں کہ ہم نکاح کریں ۔ہنوز مستقبل نامعلوم ہے۔ بہتر ہے کہ چھوٹے بھائی کی شادی ہو جائے۔ اسکے بعد میں اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دوں گا۔ اگر بیوی چاہے گی تو بچے کو اپنے ساتھ رکھے گی مگر اس صورت میں چند خطرات ہیں خطرہ یہ ہے کہ لڑکے کی صحیح تربیت اور پرورش نہ ہو سکے گی۔ اسکی ماں اور نانا، نانی لڑکے کو باپ (مجھ) سے بدظن کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اس کی تعلیم میں کوتاہی برتیں۔ اسے باپ کا پیار نہ دے سکیں۔ ان خطروں کے پیش نظر بہتر یہ ہوگا کہ میں لڑکے کو اپنے ساتھ رکھوں اور اگر ایسا

ممکن نہ ہوا تو بچے کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے لئے ماہانہ گزارے کی رقم دیتا رہوں گا۔ یہ ہے بیان میرے محبوب کا رئیس صاحب! خدا شاہد ہے کہ مجھے اس کے بچے سے کوئی حسد نہیں نہ میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔ اگر ہم دونوں عقد کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں تو میں بچے کو بخوشی اپنے پاس رکھ لوں گی۔

جناب رئیس! میں بار بار اس سے پوچھتی ہوں کہ آخر وہ اس نیک کام (عقد) میں اتنی تاخیر کیوں کر رہا ہے۔ تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ تم نے دیکھا چھوٹے بھائی کی شادی کے سلسلے میں کیا ہنگامہ ہوا؟ پورا گھر اُلٹ پلٹ ہو گیا۔ اب اس کی شادی خدا خدا کر کے ہونے والی ہے۔ اگر اس زمانے میں ہم نے نکاح کر لیا تو ایٹم بم پھٹ جائے گا۔ پورا خاندان ہم دونوں بھائیوں کی مخالفت میں صف آرا ہو جائے گا اور نہ اس کی شادی ہو سکے گی نہ پھر میں نکاح کی جرأت کر سکوں گا۔ حضرت والا! میں نے اس کے عذر کو تسلیم کر لیا ہے۔ بے شک اس کے بھائی کی خوشی پوری ہو جانی چاہئے۔ آخر ہماری وجہ سے اس دکھیا کا نقصان کیوں ہو؟ فی الحال یہ مسئلہ درپیش ہے کہ چند روز قبل امی کو علم ہو گیا کہ ہمارا ارادہ کیا ہے یہ بات تو پہلے ہی انہیں معلوم تھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی دلچسپی رکھتے ہیں لیکن یہ اندازہ نہ تھا کہ معاملات اتنی دور تک پہنچ گئے ہیں۔ بہر حال امی نے مجھے سہیلی کی طرح سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے عقد محبت کی جو قباحتیں مجھ سے بیان کی ہیں وہ پہلے ہی سے میرے علم میں تھیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا۔

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ آخر امی نے ابا (ڈیڈی) کو ساری اونچ نیچ سمجھا دی۔ میرے ڈیڈی بڑے غصیلے آدمی ہیں۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے مگر یہ بات سن کر وہ پی گئے۔ یہی نہیں کہ بڑے پیار کے ساتھ مجھے ہر بات سمجھائی۔ سارے معاملہ کا جائزہ لیا۔

بیٹی اگر تو نے۔۔۔ سے نکاح کر لیا تو لوگ نہ جانے کیا کیا کہیں گے۔ کیا ابہتان نہ باندھیں گے۔ کیا کیا تہمتیں جڑیں گے؟ دوسری بات یہ ہے کہ وہ لڑکی (یعنی میرے محبوب کی بیوی) ہماری بھانجی ہے۔ بھانجی کی سوکن بن کر تو جائے۔ یہ ہم کس طرح گوارا کریں؟ تیسری بات یہ ہے کہ وہ شخص جس سے تو شادی کرنا چاہتی ہے شرابی ہے اور شرابی کے ساتھ تیرا مستقبل محفوظ نہیں رہ سکتا۔

رئیس صاحب! یہ بھی عرض کر دوں کہ میرے والدین بہت امیر ہیں۔ میں بہت ناز و نعم میں پلی ہوں۔ بابا کہتے ہیں کہ تمہیں بتاؤ کہ تم کس طرح تنگدستی کی زندگی بسر کر سکتی ہو؟ (میرا محبوب کوئی امیر آدمی نہیں) والدین تو یہ فرماتے ہیں اور ادھر میری دلیلیں یہ ہیں کہ فرض کیجئے اگر میں اس کے ساتھ بھاگ جاتی تو کیا خاندان کے نام کو بٹہ نہ لگتا۔ یہ سوچنے کی بات ہے لیکن اگر والدین کی اجازت سے ایسا یعنی عقد ہو جائے تو بے شک دنیا والے چند روز تک شور مچائیں گے پھر چیخ چیخ کر تھک جائیں گے۔

اب رہا یہ سوال کہ اپنی رشتہ دار لڑکی اور اس کے بچے کا مستقبل درمیان میں ہے بظاہر یہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی لیکن کیا یہ حقیقت واقعہ نہیں ہے کہ اس کا شوہر اس رشتہ سے خوش نہیں اور میری طرف مائل ہے۔ تو خطاوار اس کا شوہر ہوا میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں۔ ان کی شادی کو چار سال ہو چکے ہیں اور شادی کے بعد ہی لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔ فرض کر لیجئے کہ اپنی بیوی سے اکتا کر وہ (یعنی میرا محبوب) کسی اور لڑکی میں دلچسپی لینے لگتا تو کیا اس کے ساتھ زیادتی نہ ہوتی۔ میرا شمار بھی اس زمرے میں کر لیا جائے۔ رہا یہ کہ مستقبل میں کیا ہوگا۔ تو مجھے رئیس صاحب! اس پر پورا اعتماد ہے۔ اس نے اپنی عادات (کردار) میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کر لی ہے۔ پہلے وہ ریس کا لتیا (بے انتہا عادی) اور شراب کا دھتی تھا لیکن اب ہر عادت میں بہت کمی آ گئی ہے۔ جناب والا مجھے اپنی ذات پر سو فیصد بھروسہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی ساری عادتیں چھڑا دوں گی۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔ وہ شخص فطرتاً بے حد معصوم ہے۔ پیار کے لہجہ میں کہا جائے تو ہر بات مان لیتا ہے۔ میں آٹھ سال سے اسے جانتی ہوں۔ وہ سادگی کا مجسمہ ہے۔ وہ پاکیزہ فطرت ہے لیکن میرے والدین کہتے ہیں کہ وہ کینہ فطرت ہے لیکن ممکن ہے والدین اس لئے نکتہ چینی کرتے ہوں کہ ان کے خیالات کچھ اور ہیں میرے خیالات کچھ اور۔ رئیس صاحب! میرے والد روزانہ اس موضوع پر گھنٹے دو گھنٹے کا لیکچر دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ ان کے لئے دردِ سر بن گیا ہے۔ پہلے میں خود پریشان رہتی تھی۔ اب والدین کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔

یہ ایک نیا درد سر پیدا ہوا

امی میرے سامنے روتی ہیں۔گڑگڑا کر کہتی ہیں کہ

ہمیں تیری خوشی منظور ہے لیکن تو مجھے اس مسئلہ کا حل تو بتا۔ہمیں تیری بھلائی کا کوئی پہلو تو نظر آئے۔والد کا قول بھی یہی ہے۔فرماتے ہیں کہ اچھا اگر ہم اس رشتے کو گوارا بھی کر لیں۔یہ بھی برداشت کر لیں کہ ایک غریب اور بے زبان لڑکی سوتاپے کے عذاب میں مبتلا ہو جائے۔یہ بھی سہ جائیں کہ اس رشتہ سے خاندان کی عزت کو بٹہ لگ جائے گا تو بتاؤ کہ اس تمام تحمل و برداشت کے بعد (باوجود) اگر تیرا اس کے ساتھ نباہ نہ ہوا تو کیا ہوگا۔یہ تمام باتیں میں نے اسے بتائیں اور مشورہ دیا کہ وہ اس سلسلے میں خود میری امی سے بات کرے۔انہیں میری چاہت اور اپنی الفت اپنی اچھائی اور میری سچائی کا یقین دلائے۔ہوسکتا ہے کہ امی کی نفرت (جو وہ اس رشتے سے محسوس کرتی ہیں) پسندیدگی اور رغبت میں بدل جائے اور پھر ان کے ذریعہ یہ بات والد تک پہنچے اور ممکن ہے والد بھی اپنی رائے پر نظر ثانی کر لیں وہ میرے ڈیڈی سے گفتگو کرتے ہوئے ڈرتا ہے کہ غصہ ناک آدمی ہیں کہیں تاؤ میں نہ آجائیں اور ہاں ڈیڈی مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر تم میرا ساتھ دو۔میری بات مان لو یعنی اس رشتے سے باز آجاؤ تو میں اس سے سمجھ لوں گا۔میں چاہوں تو اسے شہر بدر کرادوں اور وہ یہ کہتا ہے کہ تم دو تین ماہ کے لئے چپ ہو جاؤ تاکہ میرے چھوٹے بھائی کی شادی خیر سلا سے ہو جائے۔اس کے بعد ہم یہ مسئلہ چھیڑیں گے۔میں اپنے ابا کو بخوبی جانتی ہوں وہ کبھی اس رشتہ پر رضامند نہ ہوں گے۔وہ آخر تک اس کا تعاقب کریں گے۔بابا مجھ سے صرف یہ سننا چاہتے ہیں کہ

"لیجئے! میں اسے بھول گئی"

لیکن یہ فقرہ میرے منہ سے نہیں نکل سکتا۔کیا میں ایسا کہہ سکوں گی۔اگر جھوٹ موٹ بھی یہ فقرہ میری زبان سے نکل گیا تو کیا ہوگا۔یہ ہوگا کہ بابا میری طرف سے مطمئن ہو کہ میں ان کے راستے میں مزاحم نہیں ہوں۔اسے کسی نہ کسی طرح میرے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گے۔نہیں ۔۔۔جی نہیں جی نہیں میں اس سے دور نہیں رہ سکتی۔اس کی دوری نہیں برداشت کر سکتی۔مجھے موت

قبول ہے اس کا ہجر گوارا نہیں۔

غم فراق لرزتا ہے جس سے قلب حیات
مجھے قبول بشر طیکہ اس کا اجر ہوتو

پھر ایک اور خیال آتا ہے اگر میں اس کی ہوگئی تو ماں باپ مجھ سے چھوٹ جائیں گے تو پھر کیا کروں ۔خدارا مشورہ دیں ۔۔کیا میں والدین خصوصاً والد صاحب سے دوٹوک بات کرلوں کیا میں صرف اپنی ضد پر اڑ جاؤں (میں اسے نہیں چھوڑ سکتی ۔۔نہیں چھوڑ سکتی ۔۔نہیں چھوڑ سکتی) ماں باپ جن اندیشوں میں مبتلا ہیں ۔میں انہیں بخوبی سمجھتی ہوں مگر ہائے دل!

راکھ بن بن کر اُڑی ہے میری روح
خون ہوہو کے بہا ہے میرا دل

جسم کے اعتبار سے بھی اب ہم الگ نہیں ہو سکتے ۔والدین کو کیا معلوم کہ صورتحال کیا ہے؟ دنیا بھر میں آپ ہی میرے ہمدرد ہیں ۔آپ ہی سے فریاد کرسکتی ہوں۔

کرب نامہ ہجراں

تم نے لکھا ہے کہ آپ میرے خط کا کوئی حصہ شائع نہ کریں اور میں نے اس کرب نامہ ہجراں کا بہت بڑا حصہ شائع کر دیا۔ کیوں ؟اے عزیزہ !اس کا ایک ہی سبب ہے تم نے اپنی جو کیفیت لکھی ہے یہ تم سے مخصوص اور تم تک محدود نہیں ہے ۔ہزاروں نوجوان (لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی) اس یا اسی قسم کی کیفیت یا حالت سے دوچار ہیں ۔ان کی مشکلیں بھی وہی ہیں جو تمہاری ان کی توقعات بھی وہی ہیں جو تمہاری ان کے اندیشے بھی وہی ہیں جو تمہارے ان کے مقاصد بھی وہی ہیں جو تمہارے ۔بی بی! میں اس مضمون میں صرف تم سے مخاطب نہیں ۔ان تمام ستم رسیدہ عاشقوں اور غم دیدہ معشوقوں سے میرا خطاب ہے جو عذاب ہجر و اشتیاق وصل میں مبتلا ہیں بے شک ہر شخص کی دنیا الگ ہوتی ہے ۔آدمی بجائے خود ایک محشر خیال البتہ بعض تجربات مشترک ہوتے ہیں ۔عشق کا تجربہ ایک مشترک تجربہ ہے ۔تاہم ہر شخص کو اس تجربہ کا احساس بجائے خود کرنا پڑتا ہے۔

یارب غم عشق کیا بلا ہے
ہر شخص کا تجربہ نیا ہے

آشنائے عشقیا ''مبتلائے درد دل'' ہو کر آدمی کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اک نئے اور انوکھے تجربہ سے گزر رہا ہے۔ ایک ایسا زہر غم (یا شربت وصل) پی رہا ہے جسے کسی نے چکھا ہو۔ تمہارا شادی شدہ محبوب تمہارا رشتہ دار ہے اور اس کی بیوی بھی تم رفتہ رفتہ اس منزل پر پہنچ چکی ہو کہ (بقول خود) اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ فی الوقت تمہارا یہ احساس یہ اندازہ اور ایقان کہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تمہاری حد تک حق بجانب ہے۔ تم ایسا ہی محسوس کرتی ہو لیکن جس چیز کو اور جس واقعے کو جس طرح محسوس کیا جاتا ہے ضروری نہیں کہ اس کی حقیقت بھی وہی ہو عشق اسی طرح ایک عام چیز ہے جس طرح موسمی بخار علاج نہ کیا جائے تو موسمی بخار ترقی کر کے تپ دق میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ''عشق ہوس پیشہ'' کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو انجام کار ایک ایسے حادثہ زندگی کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کا نتیجہ تباہی اور عمر بھر کی پشیمانی یا پریشانی ہے۔ اس مضمون میں میرا روئے سخن ان تمام حضرات وخواتین (بھائیوں اور بہنوں) کی طرف ہے جن کے ''عشق نامے'' موصول ہوئے ہیں۔ ان خطوط کا الگ فائل ہے۔ تقریباً 87 خطوط ان چار مہینے میں مجھے موصول ہوئے ہیں۔ ان میں تیس خط ایسے ہیں جو شادی شدہ لڑکوں بلکہ بزرگوں اور بیاہتا بیوں (یعنی بیویوں کے ہیں) سب سے اہم خط وہ ہے جس کے اقتباس پیش کر چکا ہوں۔

کہانی بیک نظر

ایک لڑکی اپنے شادی شدہ رشتہ دار کی محبت میں مبتلا ہے یہ شخص وہ ہے جس سے اس کے پرانے تعلقات ہیں اور تعلقات بھی بڑے نازک! ایسے نازک کہ

بہت سے راز ایسے ہیں کہ افشا ہو نہیں سکتے

اب ان تعلقات کو صرف اسی طرح نبھایا جا سکتا ہے کہ ''عشق'' کو ''عقد'' میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ لڑکی کی چھٹی حس کہتی ہے کہ اب اسی شخص کو اپنا رفیق حیات بنانا چاہئے

۔جس سے اتنی بے تکلفی ہو چکی ہے پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ عورت ابتدا میں جس سے مانوس اور بے حجاب زور بے حجاب پر ہے ہو جاتی ہے عمر بھر اس کا شعلہ تصور اس کی رگ پے میں خون گرم کی طرف دوڑ تا رہتا ہے تو بی بی! میں حیران ہوں کہ تمہیں اور ستاسی خواتین وحضرات کو عشق کے سلسلے میں کیا مشورہ دوں ان میں تیس محبت نامے واشقان شادی شدہ کے ہیں ۔حیران ہوں کہ ان لوگوں سے کیا کہا جائے اگر عائلی قوانین کے بجائے شرعی قوانین نافذ ہوتے تو سہل وسادہ سا مشورہ یہ تھا کہ عقد ثانی کرلو۔

عقد ثانی وعشق لاثانی

لیکن پاکستان میں عقد ثانی پر پابندیاں ہیں اور ان پابندیوں کو صرف پاکستانی پارلیمنٹ ہی ختم کر سکتی ہے میں نہ ملا ہوں، نہ مولوی، نہ محدث، نہ مفتی، نہ ذاکر، نہ خطیب اسلامی نظام کے بارے میں مشورہ دینا میرے امکان، رجحان اور میلان سے غیر متعلق ہے اتنا ضرور جانتا ہوں کہ شریعت کا ازدواجی ضابطہ بہت سے حالات میں مفید ثابت ہوتا ہے ۔مثلاً یہی لڑکی ہے اگر شریعت کے ازدواجی ضابطے رائج ہوتے تو یہ اپنے محبوب سے بخوشی عقد ثانی کر سکتی تھی لیکن اس کی راہ میں نہ صرف سرکار کے عائلی قوانین حائل ہیں ۔ بلکہ ہمارا معاشرہ بھی عقد ثانی کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا ۔اے عزیزہ تم مجھے اپنا ہمدرد سمجھتی ہو ۔واقعی (خدا شاہد ہے کہ) میں تمہارا ہمدرد بھی ہوں اور غمگسار بھی بڑا سخت مرحلہ ہے (سنگ آمد وسخت آمد) تم لکھتی ہو کہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ۔میں اس کا کیا جواب دوں؟ تمہیں زندہ رہنا چاہئے ۔تمہیں زندہ رہنا ہوگا ۔زندگی سخت پر پیچ اور صبر طلب ہے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ایک سال صرف ایک سال ۔۔۔صرف ایک سال ۔اس سے بدستور محبت کرنے اور محبت کئے جانے کے باوجود عقد کا سوال زبان اور عقد کا خیال ذہن میں نہ لا ؤ ۔میں اک سال کے لئے ''ترک عشق'' نہیں ''ترک عقد'' کا مشورہ دے رہا ہوں ۔ بہت سے اُلجھے ہوئے مسائل کا حل یہ ہوتا ہے (عارضی طور پر سہی) کہ ان مسائل کو مستقبل کے حوالے کر دیا جائے ۔ جہاں انسانی علاج ناکام ہو جاتا ہے بسا اوقات معالج وقت کی تجویز اور تشخیص ہر زخم کو مندمل کر دیتی ہے ۔تم ابھی کوئی فیصلہ نہ کرو ۔ابھی ہر فیصلہ کو ذہن کے سرد خانہ میں ڈال دو ۔دیکھو

کہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور ساحر وقت کیا شعبدہ دکھاتا ہے۔

اب آپ آخری بات سن لیجئے۔کوئی شخص ذہنی طور پر صحت مند ہو یا مریض قوی الارادہ ہو یا ضعیف الارادہ حقیقت پسند ہو یا خواب پرست یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ پر وہ مرض عشق میں مبتلا نہ ہو۔90 فیصد افراد عنوان شباب میں اس مرحلہ سے دوچار ہوتے ہیں۔ باقی عمر کے بعقہ ادوار (زمانوں) میں عشق جنس کا شاخسانہ ہے جس طرح آغاز شباب میں سادہ رولڑ کے کے داڑھی مونچھیں نکلتی ہیں اور لڑکیوں کے جسم میں بعض نمایاں تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ٹھیک اسی طرح دس بارہ برس کے بعد لڑکے اور لڑکیوں کے جنسی غدود کام کرنے لگتے ہیں اور ان کی رگ رگ میں ایک آتش سیال (بہتا ہوا جذباتی لاوا) دوڑ جاتی ہے۔اس نئی توانائی کا اظہار ہوتا ہے ۔کھیل کود میں کرکٹ اور ہائی میں (پہلے زمانے میں گلی ڈنڈ اور کبڈی اس قوت جوانی کے استعمال کا ذریعہ تھی) توڑ پھوڑ میں لڑائی جھگڑے میں مار پیٹ میں اور ایک خاص انداز سے عشق کے ہیجان کی صورت میں عشق اس عظیم قوت کے اظہار کا سب سے زیادہ خیال انگیز اور خواب طرز ذریعہ ہے عشق اگر صحت مند حدود میں رہے تو اس کی معجزہ نمائیوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

لیکن کبھی کبھی عشق زندگی اور ذہن کے لئے بھیانک روگ ثابت ہوتا ہے۔ایک ایسی نفسیاتی بیماری جو نہ آدمی کو دین کا رکھتی ہے نہ دنیا کا۔بس وہ ایک عجیب سا جانور بن کر رہ جاتا ہے۔ عشق کی یہ مریضانہ صورت فرہاد و مجنوں کے روپ میں اپنا اظہار کرتی ہے۔اس طرح آدمی ہیرو تو بن جاتا ہے مگر کسی کام کا نہیں رہتا۔ہائے غالب! ظالم کہاں کہاں یاد آتا ہے کہاں کہاں رہنمائی فرماتا ہے۔

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

☆☆☆☆☆☆

Mazahir-e-Nafs



Written by :

Rais amrohvi

مصنف کی دیگر کتابیں

1 – نفسیات و مابعد النفسیات

2 – عالم برزخ

3 – عجائب نفس

4 – لے سانس بھی آہستہ

5 – توجیات

6 – مراقبہ

7 – جنات

8 – ہپناٹزم

9 – جنسیات

10 – حاضرات ارواح

11 – عالم ارواح

12 – قطعات

WELCOME BOOK PORT

Main Urdu Bazaar, Karachi Pakistan

Tel: (92-21) 32633151, 32639581 Fax:(92-21) 32638086

Email: welbooks@hotmail.com

Website: www.welbooks.com

ISBN: 978-99 -500-098-6